اندھیروں سے اجالے تک

کاوش

مفتی محمد انس عبد الرحیم

استاذ ونگران دار الافتاء جامعۃ السعید کراچی

صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر

0315-2145846

اندھیروں سے اجالے تک

کاوش

مفتی محمد انس عبدالرحیم

استاذ و نگران دارالافتاء جامعۃ السعید کراچی
مدیر صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر

WWW.SUFFAHPK.COM

حقوقِ طبع محفوظ نہیں۔ اشاعت کی عام اجازت ہے۔

کتاب کا نام : اندھیروں سے اجالے تک

مؤلف : محمد انس عبد الرحیم

پہلا ایڈیشن : رجب المرجب 1445 ہجری

ناشر : صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر

ملنے کے پتے:

سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن (گرومندر) کراچی سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر سے براہ راست مناسب ریٹ پر طلب کرنے کے لیے ان نمبرات پر واٹس ایپ کریں:

03212861523.....................03152145846

مزید تفصیلات کے لیے وزٹ کریں:

www.suffahpk.com

Printed By

A.Z ENTERPRISES
Saddar Urdu Bazar Karachi.
Email: asifziaa544@gmail.com
Contact No: 0313-2331227

فہرست مضامین

پیش لفظ 15

پہلا باب: الحاد اور رد الحاد 20

نظریے (IDEOLOGY) کی اہمیت 21

پہلی مثال: 21

دوسری مثال: 22

چند اور پہلو 23

۱۔ حضور اکرم ﷺ کے کام کا اولین مرکز 23

۲۔ قرآن پاک کے مضامین میں عقائد کا باب 23

۳۔ قبر میں پہلا امتحان 24

۴۔ آخرت میں غلط عقائد کی کوئی معافی نہیں 24

الحاد کیا ہے؟ 25

الحاد کی تاریخ 27

جدید الحاد کا نقطۂ آغاز 28

الحاد کی پیش قدمی 28

سیاسی فتوحات 28

معاشی فتوحات 29

انٹرنیٹ (سائبر میڈیا) کی ایجاد 30

سائبر میڈیا کے فائدے 30

نقصانات 30

الحاد کا نقطۂ عروج 31

امریکی تحقیق 31

مقام فکر 32

محترم فیصل شہزاد صاحب کی تحقیق 34

ملحدین کا طریقہ واردات 35

خود کو مسلمان ظاہر کرنا: 35

ویب سائٹس اور فیس بک گروپس 35

طریقۂ کار 36

الحاد کے محفوظ قلعے 37

عرب کی حالت زار 38

اسلام، ملحدین کا خاص ہدف 38

آخری معرکہ 39

خواتین الحاد کی زد میں 39

چھپا الحاد 40

ملحدین کے بنیادی ماٰخذ 40

الحادی افکار کا تجزیہ اور نتائج 41

الحاد کے اسباب و محرکات 41

الحاد کے نتائج 44

رد الحاد کے اصول 46

الحاد کے خاتمے کے لیے چند تجاویز 51
امید کی کرن 52
ایک سابقہ ملحد کی کہانی، ان کی اپنی زبانی 54
دوسرا باب: عقائد اسلام عقل اور سائنس کی روشنی میں 81
وجود باری تعالیٰ، واقعات 82
سبق آموز واقعہ: 82
امام ابو حنیفہ کا ایک ملحد سے مناظرہ 84
تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا 90
مادی ترقی اور اخلاقی زوال کا رشتہ 91
چونتیس (34) فی صد طلبہ الحاد کا شکار 91
آسمان میں وجود باری تعالی کے دلائل 94
زمین میں وجود باری کے دلائل 95
کشتی، بحری جہازوں اور سمندر میں وجود باری تعالی کی نشانیاں 97
سائنسی تحقیق 98
لیل ونہار میں وجود خداوندی کے دلائل 100
وجود باری تعالی کے سائنسی دلائل: (SCIENTIFIC EVIDENCE) 100
1۔ سائنس غلطی سے پاک نہیں: 101
2۔ کیا سائنسی تھیوریز اور قوانین فطرت غیر مرئی نہیں؟ 102
3۔ سائنس جزئیات و تفصیلات بتاتی ہے، مکمل حقائق نہیں؟ 103

4-اشیاء کی ابتدا و انتہا کس کا پتا دیتی ہے؟ 104
کائنات کے وجود کو اتفاق کہنا حقائق کی نفی کرنا ہے؟ 105
5۔مادی ذہن غیر مادی چیز کو سمجھنے سے قاصر ہے 106
6۔اے انسان! کیا اپنا کیا ہوا وعدہ بھول گئے؟ 106
تعصب کی عینک اتار کر تو دیکھ، وہ سمجھ میں نہ آیا تو کہنا! 107

بگ بینگ اور قرآن کریم 109

رتق اور فتق کے معنی 111
بگ بینگ کے مقابلے میں قرآن پاک کا نظریہ 113
نکتہ 113

عقیدۂ معاد 115

قیامت اور سائنس 115

بعث بعد الموت 116

بعث بعد الموت کے قرآنی دلائل 116
بعث بعد الموت کے سائنسی پہلو 118
بعث بعد الموت کے نفسیاتی پہلو: 121
بعث بعد الموت کے اخلاقی پہلو: 122
ابطال عقیدہ تناسخ 123
بعث بعد الموت کے عقلی دلائل 124

عقیدۂ نبوت ورسالت 125

وحی کی ضرورت و اہمیت 125

نزولِ وحی کے طریقے 129

وحی کی کیفیت سمجھنے کے لیے چند مثالیں 129

1-خواب 130

2-ہپناٹزم(hypnotism) 130

3-جدید ذرائع ابلاغ:(Modern ways of communication) 130

4-حیوانات کے حواس 131

انبیاء کا وجود عین تقاضائے فطرت !!! 131

معجزاتِ انبیاء: 132

انبیائے کرام کی تعداد: 132

مراتب پیغمبر 134

ختم نبوت 135

تصدیق انبیاء کے دلائل 135

پیغمبر انسانوں میں سے ہی کیوں ؟؟؟ 136

نبوت و رسالت کے عقلی دلائل 137

نبی کریم ﷺ کی رسالت کے دلائل 138

عقیدۂ رسالت، ملحدین کے دلائل پر رد 141

تبصرہ 141

آسمانی کتابیں 144

گزشتہ آسمانی کتب کا حکم 144

قرآنِ مجید سے متعلق عقائد 145

اعجاز قرآن 146

جادو، معجزہ اور کرامت 149

سحر کی حقیقت 149

سحر کی اقسام : 150

سحر اور معجزے میں فرق 153

جادو، معجزہ اور کرامت کے درمیان فرق 155

ایک ضروری بات 155

توحید باری تعالیٰ 157

دلائل توحید 158

اللہ تعالیٰ کی صفات 165

شرک 169

شرک کی اقسام 169

شرک حقیقی 169

شرک کی برائی کے عقلی پہلو 178

شرک عملی 178

تقدیر 183

تقدیر کی اقسام 185

مذاہب عالم میں حق پر کون؟ 189

مسلم فرقوں میں حق پر کون؟ 191

تاریخی حقیقت: 194

نسل نو کے عقائد کی اصلاح 195

تکفیر کے اصول 197

دو انتہائیں: 197

معتدل رائے 198

پہلا اصول 199

مسلمان کی تعریف 199

ضروریات دین کا مطلب 199

مثالیں 200

ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے 201

دوسرا اصول 202

تاویل باطل کرنے والا بھی کافر ہے 202

تاویل باطل کی تشریح 202

مثالیں 203

ہم کافر بناتے نہیں، بتاتے ہیں 204

منافق کی ایک قسم موجود ہے 205

فتنوں کے دور میں محتاط رہیں!!! 205

تیسرا اصول 206

فسق پر کفر کا حکم نہیں لگ سکتا 206
چوتھا اصول 207
پانچواں اصول 207
انکارِ اجماع 207
چھٹا اصول 208
انکار خبر واحد 208
ساتواں اصول 209
اللہ تعالیٰ یا معصومین کی گستاخی 209
آٹھواں اصول 210
توہین صحابہ کرام، یا توہین اہل بیت اطہار 210
روافض کی قسمیں 211
نواں اصول 216
شرک کی اقسام 216
شرک فی الذات یا شرک فی الالوہیہ 217
شرک فی العبادۃ 217
شرک فی الطاعۃ 217
شرک فی الصفات 218
کیا بریلوی بھائی مشرک ہیں؟ 220
دسواں اصول 221
اصول بدعت 223

بدعت کی تعریف 224

بدعت کے پانچ اجزائے ترکیبی 225

نئے نظریات 225

نیا عمل 226

دین سمجھ کر کرنا 226

خیر القرون میں اس کی اصل نہ ملے 226

خیر القرون کا مطلب 226

دو باتوں میں فرق 227

اس کی ضرورت پیش نہ آئی ہو 228

رسم اور بدعت کے درمیان فرق 231

رسومات اصلاً مباح ہیں 232

عبادات میں اصل اباحت نہیں بلکہ عدم جواز ہے 233

بدعت کی تقسیم: لغوی اور شرعی 233

ممانعت کی دلیل کہاں ہے؟ 234

تطبیقات 235

محفل میلاد 235

وفیہ ولدت کا جواب 235

کس چیز میں کیا اصل ہے؟ 240

اوقات اور کیفیات کا اپنی طرف سے تعین 241

کیا اشیاء میں اصل اباحت ہے: 241

جواب 241

تیسرا باب: اتحاد اور غلبۂ اسلام 244

مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان 245

1۔ بد عملی اور ایمان سے دوری: 246

2۔ مذہبی گروہ بندیاں: 247

۳۔ مغربی افکار سے مرعوبیت: 248

۴۔ فکر و نظر میں جمود: 249

۵۔ قومیت اور عصبیت کا نعرہ: 249

۶۔ کافر قوموں پر حد سے زیادہ اعتماد: 251

۷۔ خانہ جنگیاں: 253

چند ناگزیر اقدامات 254

رجوع الی القرآن اور اتحاد کی ضرورت 254

قرآن مجید کی تاثیر: 255

قرآن فہمی کے نتائج: 256

محنت کی ضرورت: 257

سیرت سے مثال: 257

نفرتوں کا خاتمہ کیسے؟ چند ممکنہ تدابیر 259

مثالی اتحاد کی صورت: 259

سب ہی ذمہ دار ہیں: 261

اسلامی حکومتوں کے فرائض: 262

عوامی بیداری مہم: 262

متنازعہ مواد پر پابندی: 263
فرقوں کی تنظیموں پر پابندی: 264
یکساں حقوق دیے جائیں: 264
حساس امور پر فوری اقدامات: 265
نئے روٹ کا تعین: 265
بیرونی طاقتوں کو شٹ اپ کال: 266
اسلام دشمنی کے واضح ثبوت: 266
میڈیا سے چند گزارشات 269
تحریر و تقریر ،ماضی اور حال: 269
ایک روشن حقیقت: 269
ذہنوں کو فتح کرنے کا حربہ: 270
دو سوالات: 271
ا۔ آزادی یا غلامی؟ 271
۲۔ کہیں ہم مجرم تو نہیں؟ 271
افسوس کی بات: 272
گزارشات: 273
ا۔ اپنا مقصد تخلیق پہچانیں! 273
۲۔ اپنا وژن بنائیں! 273
۳۔ فحاشی پر مبنی چیزیں پیش نہ کریں! 273
۴۔ اسلام کا دفاع کریں! 274

۵۔ مستند اسلامی اسکالرز کو دعوت دیں! 275

۶۔ غیر جانبداری کا مظاہرہ کریں! 275

۷۔ اسلامی تحریکوں کو نظر انداز نہ کریں! 275

۸۔ سورۃ الحجرات کو اپنا آئین بنائیں! 276

گروہ بندی کے نقصانات 278

اتفاق و اتحاد کے فوائد: 279

دو واقعات: 281

تین تاریخی تجربے: 282

1۔ عرب جاہلیت اور اسلام: 283

2۔ منگولوں کی فتوحات کا راز: 283

3-یہودی طاقت کا سرچشمہ: 284

فرقہ واریت 286

فرقہ کی تعریف (Defination) 286

دو انتہائی حدیں: 287

راہ اعتدال: 287

اختلاف کی قسمیں: 288

صحابہ مشعل راہ ہیں: 291

راہ حق کی تین نشانیاں 291

آخری التجا 294

پیش لفظ

دور جدید کا سب سے بڑا فتنہ الحاد اور فکری یلغار ہے۔ میڈیا اور سوشل میڈیا کے ذریعے بڑے پیمانے پر مذہبی افکار و نظریات کو مسخ کیا جارہا ہے۔ فلموں ڈراموں میں ایسی چیزیں دکھائی جارہی ہیں کہ دیکھنے والوں کے عقائد غیر شعوری طور پر متزلزل ہو جائیں۔

ایسے حالات میں ضروری ہے کہ عقائد کی حفاظت کی جائے، غیر اسلامی افکار کی نشان دہی کی جائے اور ذہنوں میں پیدا ہو جانے والے شبہات کا مثبت انداز اور انہی کے اسلوب میں جواب دیا جائے۔

مولانا سید ابو الحسن علی الندویؒ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ سینکڑوں عربی اردو کتابوں کے مصنف ہیں۔ زمانے کے نبض شناس عالم ہیں۔ آپ کے افکار ذہن کو جلا بخشتے ہیں۔ دلوں میں ہمت، تحریک اور عزم نو بیدار کرتے ہیں۔ عجم کیا، عرب بھی آپ کی بزرگی کے قائل ہیں۔ عظیم خدمات کی بدولت عالم اسلام نے آپ کو "مفکر اسلام" کا لقب دیا۔

"الحاد" کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

> "آج رسول اللہ ﷺ کے سرمایے پر ڈاکا ڈالا جارہا ہے، آپ کے قلعے میں شگاف پیدا کیے جارہے ہیں، آپ کے دارالسلطنت پر حملہ کیا جارہا ہے۔ اگر آج امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل ہوتے تو شاید وہ فقہ کی تدوین روک کر "مسئلہ الحاد" کی طرف توجہ کرتے۔" (پاجا سراغ زندگی: ص48 طبع نشریات اسلام)

دوسرے موقع پر لکھتے ہیں:

"آج تمہارے لیے کام کے دوسرے میدان ہیں، الحاد سے پنجہ آزمائی کا موقع ہے، دہریت اور مادیت سے آنکھ ملانے کا موقع ہے۔ یقین مانو کہ اس سے امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک وامام احمد کی روح نہیں، بلکہ محمد عربی ﷺ کی روح بھی خوش ہوگی۔" (پاجا سراغ زندگی: ص 48 طبع نشریات اسلام)

یہ حقیقت ہے کہ آج الحاد کی طاقت بڑھ رہی ہے، جس کے اعداد و شمار نہایت تشویش ناک اور باعث اضطراب ہیں، منظم طریقے سے مذہب بیزاری پیدا کی جارہی ہے۔ الحاد کے ایجنٹ ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ ملحدین، مسلمانوں کے بھیس میں اللہ، رسول، آخرت، قرآن، حدیث اور احکامِ اسلام پر سوالات اٹھا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ مذہبی امتیازات ختم کرنے کی بات کی جارہی ہے۔ اسلام سے کہا جارہا ہے کہ وہ "وثنیت" اور "سیکولرازم" کے ساتھ ضم ہو جائے۔

حدیث کی اہمیت ختم کی جارہی ہے، رواۃِ حدیث کا مذاق اڑایا جارہا ہے، سلف کی تحقیقات قلم زد کی جارہی ہیں۔ جہاد، مدرسہ، داڑھی، ٹوپی، برقع، مولوی؛ یہ الفاظ گالی کے مترادف ہوگئے ہیں۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے ضروری ہے کہ الحاد کا بھرپور مقابلہ کیا جائے، اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ ان کو انہی کی زبان میں جواب دیا جائے۔ یعنی وہ سائنس اور عقلی اصولوں سے بات کریں تو مسلمان بھی انہیں سائنسی اور عقلی استدلال کے ذریعے رام کریں۔

علی میاں مرحوم نے یہ بات بالکل درست فرمائی ہے کہ آج اگر ائمہ اربعہ زندہ ہوتے تو وہ بھی فقہ کی تدوین کا کام چھوڑ کر رد الحاد کے کام میں لگ جاتے۔ یہ کام کسی مسلک کی نہیں، دین محمدی کی ضرورت ہے اور اس سے براہ راست جناب نبی کریم ﷺ کی روح مبارک خوش ہو گی۔

اس کتاب میں الحاد اور نسل نو کے عقائد کی اصلاح کے حوالے سے نئی چیز کیا ہے؟ تو زیر نظر موضوعات پر ایک سرسری نظر ڈالیے، قارئین کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ یہ تمام عنوانات کس قدر اہمیت رکھتے ہیں؟

1-الحاد کیا ہے؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟

2-موجودہ دور میں الحاد پنپنے کے اسباب و محرکات کیا ہیں؟

3-الحاد کے خاتمے کے لیے ہمیں کیا کرنا ہو گا؟

4-عقیدے اور نظریے کی کیا اہمیت ہے؟

5-اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات جن کے بغیر مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا۔

6-عصر حاضر میں اسلامی عقائد کو عقلی اور سائنسی دلائل سے کیسے سمجھا جاسکتا ہے؟

7-اسلام ہی برحق مذہب کیوں ہے؟

8-شبہات کیوں پیدا ہوتے ہیں؟

9-تکفیر اور بدعت کے اصول کیا ہیں؟ کیا کسی کو کافر کہنا آسان بات ہے؟

10-امت کا غلبہ اور اس کی وحدت کن اصولوں میں مضمر ہے؟

پہلا باب، الحاد اور ردِّ الحاد کے حوالے سے ہے، اسکے بعد دوسرے باب میں عقائد اسلام ذکر کیے گئے ہیں؛ تاکہ پہلے نفی ہو پھر اثبات ہو اور لا الہ الا اللہ کی مثال منطبق ہو! تیسرا باب غلبۂ اسلام کے اصول و مبادی پر مشتمل ہے؛ کیونکہ الحاد کی نفی کے بعد عقائد ٹھیک ہو گئے تو غلبۂ اسلام کی محنت میں لگنا مشکل نہیں۔

مرتب نے متعدد ساتھیوں کو یہ مسودہ دکھایا ہے، الحمد للہ! سب نے اس کو مفید اور ضروری پایا، پھر مسودے کا دوسرا باب کئی سال تک صفہ عقائد کورس کے نام سے صفہ ٹیم کے زیر تدریس بھی رہا۔ امید ہے کہ اغلاط کم سے کم ہوں گی۔

اب بنامِ خدا اس کی اشاعت کی جارہی ہے۔ ایک تو اس لیے کہ کورس کے شرکا جب ہم سے کورس کی ہارڈ کاپی طلب کرتے تھے تو ہمیں فوٹو کاپی کروا کے دینی پڑتی تھی اور فوٹو کاپی مہنگی پڑتی ہے۔ دوسرا، اشاعت سے کتاب آگے پھیلا کر اس کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جاسکتا ہے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ اس مجموعے میں تعبیر و بیاں، حوالہ جات، یا کسی بھی قسم کی کوئی کہیں غلطی نظر آئے تو ضرور مطلع کریں، ان شاء اللہ! آئندہ اشاعت میں تصحیح کا اہتمام کیا جائے گا۔

کتاب کی ورک بک اور مشکل الفاظ کے معانی پر کام جاری ہے۔ کتاب پر قارئین کے تبصروں کا بھی شدت سے انتظار رہے گا۔ آئندہ اشاعت میں یہ تمام باتیں کتاب میں داخل کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ!

دعا ہے اللہ رب العزت اس تالیف کو عالم اسلام کی بیداری کا ذریعہ بنائے۔ یہ مجموعہ نسل نو کے عقائد کی اصلاح کا باعث ہو۔ اللہ تعالی، اس رسالے کو اس سیاہ کار، اس کے والدین، اساتذہ ومشائخ اور جملہ متعلقین کی بخشش کا سامان بنائے۔آمین

واللہ الموفق والمعین، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

طالب دعا: محمد انس عبد الرحیم

خادم دار الافتاء جامعۃ السعید کراچی

ومدیر صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر

8 رجب المرجب 1445ھ

پہلا باب

الحاد

اور

رد الحاد

نظریے (ideology) کی اہمیت

◈ کیا کوئی ملک نظریہ کے بغیر چل سکتا ہے؟ نہیں، بالکل نہیں۔ اسی طرح مذہب بھی بغیر نظریات کے مذہب نہیں۔ نظریے کی اہمیت کو دو مثالوں سے سمجھیے:

پہلی مثال:

ایک شخص "1" کا عدد لکھتا ہے اور "صفر" اس کے دائیں طرف لگانے کے بجائے الٹی طرف لگانا شروع کر دیتا ہے۔ "00001" یقیناً اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، جبکہ دوسرا شخص "1" کا عدد لکھنے کے بعد صفر اس کے دائیں طرف (10000) لگاتا ہے تو ہر صفر کے ساتھ اس کی تعداد بڑھتی ہی جائے گی، ایک سے دس، دس سے سو، سو سے ہزار۔

صفر دونوں نے لگائے، لیکن پہلے شخص کی کاؤنٹنگ بے کار اور دوسرے کی کار آمد اس لیے ہوئی کیوں کہ پہلے شخص نے اس شرط کے مطابق کاؤنٹنگ نہیں کی جو مطلوب ہے، جبکہ دوسرے کی کاؤنٹنگ کو صرف اس لیے معتبر مانا گیا کہ اس نے صحیح طریقے سے کاؤنٹنگ کی تھی۔

یہی حال درست اور غلط نظریے کا ہے۔ درست نظریے کے ساتھ تمام اعمال درست اور بارآور ہیں جبکہ غلط نظریے کے ساتھ کی گئی تمام محنتیں بے کار ہیں۔

دوسری مثال:

ایک شخص ایک ایسی زمین میں بیج بوتا ہے جو قابل کاشت ہے، تو جیسے ہی بارش برستی ہے، تو مقررہ مدت میں فصل پک کر پھل دینے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔

جبکہ دوسرا شخص کسی پتھریلی یا بنجر زمین میں بیج ڈالتا ہے، جب بارش برستی ہے تو پتھریلی زمین سے بیج ہی غائب ہو جاتے ہیں، اور بنجر زمین سے بجائے مفید پیداوار نکلنے کے کانٹے دار جھاڑیاں پیدا ہوتی ہیں۔

یہی مثال درست اور غلط نظریے کی ہے۔ مومن کے دل کی زمین ایمان اور نظریات کی اصلاح کی وجہ سے زرخیز اور باصلاحیت ہوتی ہے اس کی محنت رنگ لاتی ہے۔ جبکہ کافر کے دل کی دنیا کفر کی وجہ سے بنجر اور پتھریلی ہے اس لیے اس کی محنت بےکار اور بے ثمر ہے۔

ان مثالوں سے جہاں نظریے کی اہمیت معلوم ہوئی وہاں یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ انسان کو نظریہ قائم کرنے کی مکمل آزادی نہیں، بلکہ وہ پابند ہے کہ وہی نظریہ اپنائے جو سچا ہے، اگر انسان شر پر مبنی نظریہ اپنائے گا تو اسے اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

جیسا کہ درست جگہ صفر لگانے اور درست زمین پر بیج ڈالنے کی مثال سے واضح ہوتا ہے۔ گویا یہ وہ اصول ہے کے جس میں وہ اپنی مرضی نہیں کر سکتا، بلکہ اس کو پہلے سے طے شدہ درست اصولوں اور شرائط کو اپنانا ہوگا، اپنی مرضی کرے گا تو نتیجہ کیا ہوگا؟ آپ نے پڑھ لیا۔

چند اور پہلو

قوموں کی تاریخ میں ہمیشہ سے اللہ کی سنت یہ جاری رہی ہے کہ انسانوں سے سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح کا مطالبہ کیا گیا، اور اسی کو تمام اعمال کی قبولیت کا معیار اور اساس مقرر کیا گیا۔ اگر عقیدہ اللہ رب العزت کی منشا کے مطابق ہو تو اعمال مقبول اور اگر عقیدہ اللہ رب العزت کی منشا کے خلاف ہو تو اعمال ضائع اور بے کار۔

اسلام میں عقیدے کی اہمیت کے چند اور پہلو بھی ہیں، مثلاً:

۱۔ حضور اکرم ﷺ کے کام کا اولین مرکز

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ابتداء میں عقیدے کی اصلاح کو ہی اپنی محنت اور کاوشوں کا مرکز بنایا، نماز، زکوٰۃ اور روزہ تو نبوت ملنے کے کافی سالوں بعد فرض کیے گئے۔ حج تو بالکل آخر میں فرض ہوا۔ ابتداء میں تو صرف عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت اور عقیدہ آخرت پر ہی توجہ دی گئی۔

۲- قرآن پاک کے مضامین میں عقائد کا باب

قرآن کریم کے مضامین کے اعداد و شمار جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں زیادہ تر مضامین عقائد کے ہیں، اعمال و احکام کی آیات بہت کم ہیں۔

۳۔ قبر میں پہلا امتحان

قبر کی زندگی آخرت کی زندگی کا پہلا زینہ ہے۔ قبر کی زندگی میں انسان کو منکر نکیر کے جن سوالات کا سامنا کرنا ہے وہ عقائد سے ہی متعلق ہیں۔ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ تمہارے نبی کون ہیں؟ یہ سارے سوالات عقیدے سے متعلق ہیں۔

۴۔ آخرت میں غلط عقائد کی کوئی معافی نہیں

اسلام میں عقیدے کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ آخرت کی زندگی میں ایک مومن کی عملی کمزوری قابل مغفرت ہے، اللہ جل شانہ اپنی شان کریمی کی وجہ سے گناہ گار مسلمانوں کو گناہوں کی سزا دیے بغیر بھی بخش سکتے ہیں۔ (یہ محض اس کا فضل اور نکتہ نوازی ہوگی) بصورت دیگر اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد وہ جنت میں ضرور داخل ہو کر رہے گا۔ جبکہ شرکیہ اور کفریہ عقائد کا حامل چاہے جتنے ہی نیک اعمال کرلے، کتنا ہی بڑا پنڈت، پادری اور دنیا سے الگ تھلگ رہنے والا ہو، اس کی کسی صورت بخشش نہیں ہوگی۔

ذرا سوچیے! اگر مادی زندگی نظریے کے بغیر نہیں چل سکتی تو روحانی زندگی چل سکے گی؟

الحاد کیا ہے؟

الحاد، دور حاضر کا ایک عظیم فتنہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دجال، الحاد کا داعی ہو گا، بلکہ وہی ہے جو دور کہیں سمندری جزیرے میں بیٹھ کر الحاد کا جال پھیلا رہا ہے۔

الحاد کا لفظ عربی زبان میں "انحراف" یعنی درست راہ سے ہٹ جانے کے معنوں میں آتا ہے۔ الحاد کو انگریزی میں atheism کہا جاتا ہے۔ لحد کا لفظ عام طور پر اردو میں قبر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، لحد سے مراد وہ طاق یا دراڑ ہے جو قبر میں ایک جانب ہوتی ہے جس میں میت کو رکھا جاتا ہے، چونکہ یہ طاق یا درز درمیان سے ہٹی ہوئی ہوتی ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ قبر کے درمیان سے منحرف ہو جاتی ہے اسی وجہ سے اس کو لحد کہا جاتا ہے اور اسی لحد سے الحاد بھی بنا ہے۔

سورۃ الاعراف آیت 180، سورۃ النحل آیت 103 اور سورہ حم سجدہ آیت 40 میں یلحدون کا لفظ آیا ہے۔

اصطلاحی اعتبار سے الحاد کا اطلاق کن چیزوں پر ہوتا ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ عموماً الحاد کے معنی کفر اور دہریت لیے جاتے ہیں..... جو شخص خدا کا منکر ہو اسے دہریہ کہتے ہیں..... الحاد اور دہریہ کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق الحاد کے معنی ہیں: "سیدھی راہ سے انحراف"۔ یہ انحراف اگر حدود سے بہت زیادہ تجاوز کر جائے تو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، ورنہ فاسق اور ملحد بناتا ہے، کافر نہیں۔

چنانچہ الحاد کا اطلاق ان صورتوں پر ہوتا ہے:

1- کائنات کو لافانی ماننا۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ کائنات کا کوئی خالق نہیں۔ اسے دہریہ اور لامذہب بھی کہتے ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑا کفر یہی ہے۔

2- توحید، نبوت و رسالت اور آخرت میں سے کسی ایک کا انکار۔ یہ الحاد بھی ہے اور کفر بھی۔ تمام غیر مسلم اس معنی میں کافر کے ساتھ ساتھ ملحد بھی ہیں؛ کیونکہ وہ ان میں سے کسی ایک کا یا سب کا انکار کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ ایک نبی کا انکار تمام نبیوں کا انکار شمار کیا جائے گا۔

3- قطعیات کا انکار کرنا۔ اگر قطعیات کا تعلق ضروریات دین سے ہو، جیسے ختم نبوت، پنج وقتہ نماز، حفاظت قرآن کے عقیدے، تو ان کا انکار کفر ہے۔ ایسا شخص کافر ہو جائے گا۔

4- قرآن وسنت کی ایسی تاویل و تفسیر کرنا جو قطعیات سے متصادم ہو۔ اسے تحریف معنوی بھی کہتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں اس کا وقوع سب سے زیادہ ہوا ہے۔ جیسے: نماز کی تشریح یادالٰہی سے کرنا، جنت سے سکون دل مراد لینا، ختم نبوت کے وہ معنی مراد لینا جو قادیانیوں نے لیا ہے وغیرہ۔

البتہ وہ تاویل جو قطعیات اور اجماعیات سے متصادم نہ ہو، وہ الحاد نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ الحاد کے معنی بہت وسیع ہیں۔ ان سب پر علمائے کرام نے الحاد کا اطلاق کیا ہے اور یہ سب صورتیں اس وقت پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں۔

الحاد کی تاریخ کیا ہے؟ اس کے ہتھیار کیا ہیں؟ اس کی بنیادیں کہاں سے نکلتی ہیں؟ یہ سب باتیں اہل علم کے علم میں ہونی چاہیں، تب ہی وہ ان کا توڑ نکال سکتے ہیں۔ جدید ذرائع ابلاغ، بالخصوص سائبر میڈیا الحاد کے موثر ہتھیار ہیں، اس لیے اہل علم کو ان سے واقفیت ضروری ہے۔ الحاد کے خلاف صف آرائی کے لیے مغربی نظریات اور ان کی اصطلاحات کا علم بھی لازم ہے، کیونکہ الحاد کی جڑیں مغربی علوم اور جدید اصطلاحات ہی سے وابستہ ہیں۔ جیسی ہماری محنت ہوگی ویسے نتائج مرتب ہوں گے۔

الحاد کی تاریخ

شروع ہی سے مذہب کے ساتھ الحاد تمام معاشروں میں رہا ہے، لیکن یہ تاریخ میں کبھی بھی قوت نہ پکڑ سکا، دنیا بھر میں یا تو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین 'ایک اللہ کو رب ماننے والے غالب رہے یا پھر شرک کا غلبہ رہا، چند مشہور فلسفیوں اور ان کے معتقدین کو چھوڑ کر تاریخ میں انسانوں کی اکثریت ایک یا کئی خداؤں کے وجود کی بہر حال قائل رہی ہے۔ پہلے زمانے میں مذہب کے مقابلے میں الحاد و دہریت کا پھیلاؤ اس لیے بھی کم رہا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تبلیغ کیا کرتے تھے، جب کہ ملحدین، الحاد کے داعی نہیں ہوتے تھے۔

جدید الحاد کا نقطۂ آغاز

انیسویں صدی میں جب چارلس ڈارون(Charles Darwin) کے نظریہ ارتقاء.....بندروں والے نظریے..... کو ناسمجھ لوگوں نے قبول کیا تو گویا الحاد نے ایک مذہب کی صورت اختیار کر لی، جس کا پیامبر ڈارون تھا اور اس کا نظریہ اس مذہب کا دیباچہ۔ چنانچہ لاکھوں لوگ جن میں اکثریت تعلیم یافتہ افراد کی تھی، مذہب سے بیگانہ ہو کر ملحد ہوگئے۔ پھر ان افراد نے نظریہ ارتقاء کی باقاعدہ تبلیغ کرنا شروع کر دی اور اس کے اثرات عالمگیر سطح پر پڑے۔ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء میں الحاد کے نظریاتی اور فلسفیانہ پہلو اہم تھے جس نے خصوصاً ادیان سماوی کے بنیادی عقائد یعنی وجود باری تعالیٰ، رسالت اور عقیدہ آخرت پر حملہ کیا۔

الحاد کی پیش قدمی

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ فکری اور نظریاتی میدان میں الحاد اسلام کے مقابلے میں کلیتاً ناکام رہا، البتہ عیسائیت کے مقابلے میں اسے جزوی فتح حاصل ہوئی، لیکن سیاسی، معاشی اور معاشرتی میدانوں میں الحاد کو مغربی اور مسلم دنیا میں بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔

سیاسی فتوحات

سیاسی میدان میں الحاد کی سب سے بڑی فتح، کامیابی اور کمک سیکولرازم (secularism) کا فروغ ہے۔ پوری مغربی دنیا اور مسلم دنیا کے بڑے حصے نے سیکولرازم کو اختیار کر لیا ہے۔

سیکولرازم کا مطلب ہی یہ ہے کہ مذہب کو مسجد تک محدود کر دیا جائے اور کاروبار زندگی کو خالصتاً انسانی عقل کی بنیاد پر چلایا جائے جس میں مذہبی تعلیمات کا کوئی حصہ نہ ہو۔ مغربی دنیا نے تو سیکولرازم کو پوری طرح قبول کر لیا اور اب اس کی حیثیت ان کے ہاں ایک مسلّمہ نظریہ کی ہے۔ انہوں نے اپنے مذہب کو گرجے کے اندر محدود کر کے کاروبار حیات کو مکمل طور پر سیکولر کر لیا ہے۔ ان کی اتباع میں مسلمانوں کی اشرافیہ بھی الحاد کے اثرات کو قبول کرنے لگی، اور آخرکار کئی اسلامی ممالک نے سیکولر ازم کو بطور نظامِ حکومت قبول کر لیا۔ بعض ممالک جیسے ترکی اور تیونس نے تو اسے کھلم کھلا اپنانے کا اعلان کیا لیکن مسلم ممالک کی اکثریت نے سیکولرازم اور اسلام کا ایک ملغوبہ تیار کرنے کی کوشش کی جس میں بالعموم غالب عنصر سیکولرازم کا ہی رہا۔

معاشی فتوحات

معاشی میدان میں کارل مارکس(Karl Marx)کی اشتراکیت یا کمیونزم(communism)وہ نظریہ تھا، جس نے الحاد کے ڈھانچے میں نئی جان ڈال دی۔ کارل مارکس(Karl Marx)اور اس کا ساتھی فریڈرک اینجلز(Friedrich Engels)(جو بہت بڑا ملحد فلسفی تھا) کے مشترکہ نظریے نے کمیونسٹ انقلاب برپا کیا، جس نے یکلخت ملحدوں کی تعداد لاکھوں کے ہندسے سے نکال کر کروڑوں تک پہنچادی، لیکن اس زبردست کامیابی کے بعد بھی الحاد کا زور ابھی تک مخصوص خطوں میں تھا، کچھ یورپی ممالک جہاں نظریہ ارتقاء بہت مقبول ہوا اور روس و چین جہاں کمیونزم کی وجہ سے دہریت پھیلی،

ان کے علاوہ باقی متمدن دنیا میں اور خصوصاً مسلم دنیا میں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر رہے۔

انٹرنیٹ (سائبر میڈیا) کی ایجاد

نوے کی دہائی میں انٹرنیٹ ایجاد ہوا، انٹرنیٹ وہ غیر معمولی ایجاد ہے جس سے ایک نئے عہد یعنی انفارمیشن ایج کا آغاز ہوا۔ اسے اصطلاح میں سائبر میڈیا کہا جاتا ہے۔

سائبر میڈیا کے فائدے

انٹرنیٹ کے کچھ فائدے ہیں:

1۔ اس نے زندگی کو تیز اور آسان کر دیا، مثلاً ای بینکنگ، ای مارکیٹنگ اور ای میل وغیرہ۔

2۔ ہر موضوع پر معلومات کے خزانے کا حصول آسان کر دیا۔ بڑی بڑی لاکھوں کتابیں رکھنے والی لائبریریاں اب صرف چند کلک پر ایک طالب علم کی دسترس میں ہوتی ہیں۔

3۔ اس کے ذریعے علم کا حصول آسان ہو گیا ہے، مثلاً: آن لائن تعلیم، آن لائن فتاوی، تعلیمی و تحقیقی ویب سائٹس، مختلف تعمیری گروپس وغیرہ۔

نقصانات

لیکن دوسری طرف انٹرنیٹ کے دو انتہائی مہلک نقصانات سامنے آرہے ہیں:

1- اس کے ذریعے مسلم دنیا میں تیزی سے فحاشی وعریانی پھیل رہی ہے، ایک حالیہ مغربی رپورٹ کے مطابق گوگل پر غیر اخلاقی مواد سرچ کرنے میں مسلم ممالک دنیا بھر میں سرِفہرست ہیں۔

2- انٹرنیٹ کے ذریعے مسلم دنیا میں الحاد کی یلغار زور وشور سے جاری ہے۔

الحاد کا نقطۂ عروج

سائبر میڈیا کی بدولت ملحدین کو عروج ملنا شروع ہوا۔ گزشتہ پچیس سالوں میں انہیں وہ کامیابی ملی جو صدیوں میں حاصل نہ ہو سکی، یعنی ادیان کے خلاف ایک عالمگیر اور ہمہ گیر جدوجہد۔

امریکی تحقیق

آج الحاد کے دنیا بھر میں پھیلاؤ کا یہ حال ہے کہ 11 دسمبر 2012 کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں مسیحیوں اور مسلمانوں کے بعد تیسرا بڑا گروہ ملحدین افراد پر مشتمل ہے، جبکہ ہندو چوتھے نمبر پر ہیں۔ یہودیوں کی آبادی محض 0.2 فیصد ہے۔

اس رپورٹ میں تعداد کے اعتبار سے 2 ارب 20 کروڑ کے ساتھ مسیحیت سب سے بڑا مذہب ہے۔ مسلمانوں کی آبادی ایک ارب 60 کروڑ ہے جن میں سے بیشتر سنی مسلم ہیں، جبکہ 10 سے 13 فیصد شیعہ ہیں۔ ملحدین کی تعداد ایک ارب 10 کروڑ ہے، جن میں سے 70 کروڑ صرف چین میں رہتے ہیں، جو چین کی آبادی کا 52.2 فیصد ہیں۔ دوسرے نمبر پر جاپان ہے

جہاں مذہب بیزار افراد کی تعداد 7 کروڑ 20 لاکھ ہے۔ امریکہ میں ملحدین کی تعداد 5 کروڑ 10 لاکھ ہے۔

اس تحقیق کا عنوان 'گلوبل ریلیجیس لینڈ اسکیپ ہے، جس کے نتائج واشنگٹن میں قائم ایک فورم آن ریلیجن اینڈ پبلک لائف نے جاری کیے۔

2017 کے سروے کے مطابق چین کی 91 فیصد، جاپان کی 86، سویڈن کی 78 فیصد، امریکا کی 72 فیصد، آسٹریلیا کی 70 فیصد، ڈنمارک کی 68 فیصد، اسپین کی 63 فیصد، کینیڈا کی 63 فیصد، روس کی 39 فیصد، تھائی لینڈ کی 2 فیصد، عراق کی 38 فیصد، ترکیا کی 26 فیصد، ایران کی 23 فیصد، انڈیا کی 6 فیصد اور پاکستان کی 7 فیصد آبادی ملحد ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے سرچ کیجیے: ورلڈ پاپولیشن ریویو)

مقامِ فکر

اس تحقیق کا ماخذ خود انٹرنیٹ سروے ہے، اس لیے اس پر مکمل اعتماد مشکل ہے، نیز ان نمبرز میں ان لوگوں کو بھی ملحد کہہ دیا گیا ہے جو کسی مذہب سے منسلک نہیں۔ بہت سے لامذہب خدا کو مانتے ہیں لیکن کسی مذہب کو نہیں مانتے، اس لیے لامذہب کا یہ مطلب نہیں کہ وہ منکرِ خدا بھی ہو گا۔

خدانخواستہ اگر یہ نمبرز درست ہیں تو مشائخ عظام، علمائے دین، طلبہ وطالبات، علما و عالمات، مبلغین اور تمام دردِ دل رکھنے والے مسلمانوں کے لیے مقامِ فکر ہے کہ کس طرح جاہلیتِ جدیدہ اپنے پنجے گاڑ چکی ہے۔ جو ملک جتنا اسلام کے وجودِ بابرکت سے محروم ہے وہ اس قدر تاریکیوں میں ہے۔

ان حالات میں ہم میں سے ہر ایک کو اپنے حصے کا کام تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ان ممالک میں رہائش پذیر مسلمانوں کا فرض زیادہ بڑھ جاتا ہے کہ وہ اپنی گفتار اور کردار سے ان کو اللہ اور اسلام کی طرف راغب کریں۔

انٹرنیٹ پر کام کرنے والوں کی ذمہ داری کئی گنا بڑھ جاتی ہے کہ وہ ان افراد تک رسائی حاصل کریں، ان کے اشکالات دور کریں اور ان کو دین فطرت ،یعنی مذہب اسلام کی دعوت دیں۔

مولانا سید ابو الحسن علی الندوی ؒ نے آج سے کئی عشروں قبل "الحاد" کے بارے میں لکھا تھا:

"آج رسول اللہ ﷺ کے سرمایے پر ڈاکا ڈالا جا رہا ہے، آپ کے قلعے میں شگاف پیدا کیے جا رہے ہیں، آپ کے دارالسلطنت پر حملہ کیا جا رہا ہے۔ اگر آج امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل ہوتے تو شاید وہ فقہ کی تدوین روک کر "مسئلہ الحاد" کی طرف توجہ کرتے۔" (پاجا سراغ زندگی: ص48 طبع نشریات اسلام)

دوسرے موقع پر لکھتے ہیں:

"آج تمہارے لیے کام کے دوسرے میدان ہیں، الحاد سے پنجہ آزمائی کا موقع ہے، دہریت اور مادیت سے آنکھ ملانے کا موقع ہے۔ یقین مانو کہ اس سے امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک وامام احمد کی روح نہیں، بلکہ محمد عربی ﷺ کی روح بھی خوش ہو گی۔ (پاجا سراغ زندگی: ص 48 طبع نشریات اسلام)

محترم فیصل شہزاد صاحب کی تحقیق

محترم فیصل شہزاد صاحب لکھتے ہیں کہ ہماری تحقیق کے مطابق باقاعدہ طور پر پاکستانی نیٹ کی دنیا میں ملحدوں نے 2008ء کے اوائل میں اپنے قدم جمائے اور آہستہ آہستہ اپنا دائرہ عمل بڑھاتے چلے گئے۔ پہلے پہل انہوں نے بلاگ بنائے، جو انٹرنیٹ پر آزادی اظہار کا سب سے موثر طریقہ ہے۔

"بلاگ(Blog)" ویب لاگ(Web Log) سے بنا ہے، یہ ایک طرح کی آن لائن ڈائری ہے۔ اس نے باقاعدہ عوامی مقبولیت تب حاصل کی جب اگست 1999ء میں پائرا لیبس نامی ایک امریکی ادارے نے پہلی مفت بلاگنگ سروس شروع کی، اس کا نام بلاگر رکھا۔ رفتہ رفتہ دنیا بھر میں بلاگنگ کے تصور نے آزادی اظہار کے لیے لوگوں کو انٹرنیٹ پر گویا ایک ہائیڈ پارک دے دیا۔

انگلش بلاگنگ تو خیر سیکولرازم کی تبلیغ کے لیے وقف ہے ہی، اردو بلاگنگ کی دنیا میں بھی کئی بلاگر ایسے ہیں جن کی تحریریں توہینِ اسلام کے زمرے میں آتی ہیں۔ بے شک انگریزی اور اردو بلاگنگ میں یہ فرق ضرور ہے کہ اردو بلاگنگ کی دنیا میں ایسے کئی بلاگر موجود ہیں جو گستاخانہ مواد شایع کرنے والوں کی سخت گرفت کرتے ہیں، لیکن بہر حال یہ زہریلا مواد بدستور نیٹ پر نہ صرف موجود ہے بلکہ اپنے متنازعہ مواد کی وجہ سے بہت زیادہ ریٹنگ بھی پا جاتا ہے اور اللہ اپنی پناہ میں رکھے، اس مواد کو سراہنے والے اور بلاگر کی پیٹھ تھپکنے والے بھی کئی مل جاتے ہیں۔

ملحدین کا طریقہ واردات

خود کو مسلمان ظاہر کرنا:

اکثر اسلام کے مسلمہ اصول و ارکان کے خلاف شکوک و شبہات پھیلانے والے وہ ہیں، جن کے نام مسلمانوں والے ہیں اور وہ کھلے عام کفریہ باتیں کر کے اور ہر طرح کی گستاخی کر کے بھی اپنے کفر کا کھل کر اقرار نہیں کرتے۔ ان کی یہی رٹ ہوتی ہے کہ ہم اصل مسلمان ہیں۔ یہ لوگ نوجوانوں کے ایمان پر ڈاکا ڈالنے میں سب سے زیادہ کامیاب ثابت ہوتے ہیں۔

ان کا مقصد یہ ہے کہ ہر چیز میں شک کرو، یہی انسانیت کی معراج ہے۔ اسی شک نے انہیں جنت، دوزخ، معجزات، قرآنی آیات اور صحیح احادیث کو اپنی عقل کے مطابق جانچنے کی راہ دکھائی۔ یہ کم علم نوجوانوں کے ذہنوں پر ملاحدہ کے صدیوں پرانے سوالات کی بھرمار کرتے ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب اسلام کے نام پر ہوتا ہے۔

ویب سائٹس اور فیس بک گروپس

ایک عرب اخبار کے مطابق ملحدین نے تبلیغ الحاد کے لیے مختلف زونز میں عموماً اور مسلم دنیا کے لیے خصوصی انٹرنیٹ گروپس تشکیل دیے ہیں۔ الحادی فکر رکھنے والے 39 گروپس انٹرنیٹ پر ہیں، جن میں سے اکثر "فیس بک" پر ہیں۔ ویب سائٹس اس کے علاوہ ہیں۔

2011ء کے اواخر میں پاکستانی ملحدین کے سب سے سرگرم رکن "حضرت ناخدا" (جس کا تعلق لاہور سے ہے) نے مشہور سوشل سائٹ "فیس

بک" پر ایک گروپ" پاکستانی ملحدین(Pakistani Atheists) "کے نام سے بنایا۔پاکستانی"فیس بکیوں"کے لیے یہ بات شاید بہت نرالی تھی،اس لیے تجسس کے لیے ہی سہی انہوں نے اس فورم پر "ہلا" بول دیا اور یوں بغیر کسی محنت کے ان لوگوں کا مقصد پورا ہو گیا اور ابتدائی مہینوں میں ہی اس گروپ کے آٹھ سو ممبر ہو گئے۔کہا جاتا ہے کہ ان ممبران میں 99 فیصد نوجوان تھے، جن کی عمریں 16 سے 32 سال کے درمیان تھیں اور ان کی بڑی تعداد کا تعلق کراچی،لاہور اور اسلام آباد سے تھا۔

طریقۂ کار

ایک ایک ملحد دس دس فیک آئیڈیاں بنائے بیٹھا ہے،ان کے ذریعے عام اور دینی لحاظ سے کم علم مسلمانوں کو گروپس میں ایڈ کرتے ہیں اور پھر ان کے سامنے سارا دن گستاخیوں مغالطوں کی سیریز چلائی جاتی ہے جونہی کوئی بھولا بھٹکا مسلمان کمنٹ کرتا ہے تو سب جاگ جاتے ہیں، کوئی مومن لڑکی کی آئی ڈی سے آتا ہے، اور کوئی علامہ، مولوی، حاجی، قاضی، مسٹر کی آئی ڈی سے۔کچھ تائید اور اعتماد دلاتے ہیں اور کچھ مخالفت میں چلے جاتے ہیں، بے چارے کو کنفیوز کر کے رکھ دیتے ہیں، کوئی علم والا آجائے اور ان کے مکر و فریب کا پردہ چاک کرنا شروع کر دے تو ایک نئی ٹیم بن جاتی ہے۔ایک دو بحث کرتے ہیں، باقی کچھ بحث کو پھیلانے، موضوع بدلنے کا کام سنبھال لیتے ہیں، کچھ کا کام صرف اپنے قوال کے پیچھے تالیاں بجانا ہوتا ہے اور کچھ تھوڑی دیر بعد گستاخانہ جملے لکھتے ہیں تاکہ مخالف جذبات میں آکر کوئی سخت جملہ بول جائے اور ہم اس بہانے اسے گروپ سے ہی بین کر دیں۔اسی انداز میں ان کے کچھ پیجز بھی ہیں

جن میں سے زیادہ تر حضور ﷺ اور اسلام کو گالیاں دینے کے لیے بنائے گئے ہیں، کچھ اہل اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈے، تنقید کرنے، اور اہل مغرب کی چاپلوسیوں، پردہ پوشیوں کے لیے مختص ہیں۔ ان سے سارا دن جھوٹ، مکروفریب اور منطقی مغالطوں کی سیریز پیش کی جاتی ہیں۔

الحاد کے محفوظ قلعے

ملحد بزدل ہوتے ہیں، اسی لیے نیٹ کے محفوظ قلعے میں بیٹھ کر، اپنی شناخت چھپا کر الحاد و زندقہ پھیلا رہے ہیں، سادہ لوح اور کم علم نوجوانوں کے ایمان پر شب خون مار رہے ہیں۔ اور یہ سب پاکستان میں ہو رہا ہے جسے ہم اسلام کا قلعہ کہتے نہیں تھکتے۔ یہاں 2008ء سے یہ کام بڑی خاموشی کے ساتھ ہو رہا ہے اور کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

عیسائیوں اور یہودیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف توہین آمیز فلم اور دوسرا وہ مواد جس پر پوری دنیا میں اور خصوصاً پاکستان میں بھونچال کھڑا ہو گیا تھا، ہم نے اور بیشتر مسلمانوں نے نہیں دیکھا اور اللہ اسے دیکھنے سے سب کی حفاظت فرمائے لیکن وہ سارا مواد جو ہم نے پچھلے ایک سال میں پاکستانی سائٹس پر دیکھا اور جو خاص اس آرٹیکل کے لیے دیکھنا پڑا، اس کو دیکھ کر ہم بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ خدا اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی جتنی توہین پاکستان کی نیٹ دنیا میں ہو رہی ہے اور خاص اردو زبان میں ہو رہی ہے، وہ شاید مغرب میں بھی نہیں ہوئی۔ بنگلہ دیش کے بنگالی بھائیوں کو سلام ہے کہ انہوں نے چند بلاگرز کے بلاگز پر فوراً ردعمل ظاہر کیا اور بھرپور احتجاج کیا۔ جب کہ ہم بدستور اپنے روزمرہ میں گم ہیں۔

عرب کی حالت زار

عبرت انگیز بات یہ ہے کہ عرب جہاں سے اسلام کا نور ساری دنیا میں پھیلا، وہ بھی انٹرنیٹ کے ذریعے ملحدین کے خاص ٹارگٹ پر ہے اور وہ اپنے اہداف تیزی سے حاصل بھی کر رہے ہیں۔ اور اس کام کے لیے انہیں عربوں میں سے ہی اپنے مطلب کے لوگ مل گئے جنہوں نے اپنی بدبختی کی وجہ سے اس الحاد کی دعوت پر لبیک کہا اور الحاد پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔ فیس بک پر "عرب ملحدین فورم" بھی موجود ہے۔ اس الحادی فورم میں اب تک سینکڑوں افراد شمولیت اختیار کر چکے ہیں، ملحدوں کی اس سائٹ پر الحادی فکر کے حامل ہر عرب کو اس بات کا موقع فراہم کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ملحدانہ افکار کا بے باکانہ اظہار کرے۔

عرب ملحدین گروپ (zezoe Ami) سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کا کہنا ہے:

> "میں ان دماغوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا جو غور و فکر سے قاصر ہیں یہ ایسے پتھر جیسے دماغ ہیں جو سائنس کی گولیوں سے مقابلہ پر آمادہ ہیں، ان دماغوں کو ہر وقت آسمان سے کسی بات کے آنے کا انتظار رہتا ہے (نعوذ باللہ)۔"

اسلام، ملحدین کا خاص ہدف

ویسے تو ملحدین کے مناظرے ہر مذہب کے لوگوں سے ہوتے ہیں، لیکن "دین اسلام" ان کا خاص ہدف ہے، اسلام کا تمسخر تمام ملحد گروپوں کا مشترکہ

مقصد ہے، جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ وہ اپنا اصل حریف اسلام کو ہی سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بیشتر مناقشے اسلام کے تعلق سے ہوتے ہیں۔ اب تک انٹرنیٹ پر اس قسم کے قریب پانچ سو مناظرے ہو چکے ہیں، جن میں جنت، دوزخ کا تخیل، قرآن بحیثیت الٰہی کلام اور رسالت جیسے موضوعات زیر بحث لائے گئے۔ ان بحثوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر ایسی نازیبا تنقیدیں کی گئیں کہ انہیں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مصر کے ملحدین نے تو اتنی جرات کر ڈالی کہ قرآن کی طرز پر چند آیات بھی بنائیں، جنہیں "قرآن رابسو" کا نام دیا گیا معاذ اللہ۔

آخری معرکہ

کہاجاتا ہے کہ آخری معرکہ ملحدین اور مسلمانوں کے بیچ ہو گا۔ دجال کا نظریہ بھی "الحاد" ہی ہو گا جس کے ذریعے وہ لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ اسی وجہ سے ہمیں تاکید کی گئی ہے کہ سورۃ الکہف پڑھا کریں؛ تاکہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہیں۔

خواتین الحاد کی زد میں

اسلام چھوڑ کر الحاد اختیار کرنے والے ملحدین کے حوالے سے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ماضی قریب میں ان بدبخت مرتدین میں مردوں کا تناسب عورتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا، لیکن ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق ماضی کے مقابلے میں آج عالم اسلام میں رفتہ رفتہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی الحاد کے اثرات قبول کر رہی ہیں۔

اس ضمن میں مسلم دنیا کے ملحدین نے یہ طریقہ واردات اختیار کیا کہ انہوں نے نیٹ پر ایسی تعلیم یافتہ مسلمان عورتوں کو جو آزاد خیال اور دین سے بے گانہ ہوتی تھیں، خصوصی طور پر اپنی دعوتِ الحاد کا نشانہ بنایا اور اسلام میں خواتین کی عصمت کی حفاظت اور ان کے اعزاز واکرام کے لیے جتنے خصوصی احکامات ہیں (مثلاً پردہ، عورت کے لیے چاردیواری کی اہمیت وغیرہ)، انہی احکامات کو شدید تنقید کا نشانہ بنا کر اور انہیں اپنی مرضی کا معنی پہنا کر ان کی ذہن سازی کی اور بالآخر انہیں ملحد بنا کر چھوڑا۔ یوں اسلامی دنیا میں مردوں کے ساتھ جدید تعلیم یافتہ عورتیں بھی، اسلام کے جداگانہ صنفی احکامات (جو فطرت کے قریب انتہائی خوبصورت احکامات ہیں) کو بنیاد بنا کر خدا کے وجود سے انکار کرنے لگیں۔

چھپا الحاد

جو مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے لیکن اب ملحد ہیں اور اپنے کو "closet' atheist" یعنی چھپا ہوا ملحد کہتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں مسلم معاشرے میں الحاد کا اعلان کرنے میں اپنی جان کا خطرہ ہوتا ہے، ورنہ ہماری تعداد بہت زیادہ ہے۔

ملحدین کے بنیادی مآخذ

تمام ملحدین کا باقاعدہ لٹریچر بھی انٹرنیٹ پر موجود ہے، جس میں نظریہ ارتقاء کے علاوہ جان کوز کی ایک کتاب بھی ہے جس کا نام "ملحدین کی مقدس کتاب" ہے۔

الحادی افکار کا تجزیہ اور نتائج

الحاد کے اسباب و محرکات

(1) الحاد کے پس پردہ، عقل کا بے مہار استعمال ہے۔ عقل خود مادے کی پیداوار ہے اور مادی قوتوں کے ذریعے غیر مادی ہستی کو سمجھنے کی کوشش کا نتیجہ ہمیشہ ناکامی کی صورت میں نکلا ہے۔

(2) ایسی الجھنوں کے پیدا ہونے کا دوسرا بنیادی سبب دراصل اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہوتا ہے، نفسی قوتوں کا غلبہ انسان کو تکبر اور بڑائی میں مبتلا کر دیتا ہے، یوں ناپاک قطرے سے بنا انسان اپنی غلاظتوں کو بھول کر کبھی انفرادی حیثیت میں انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگاتا ہے تو کبھی اجتماعی طور پر انسان کو خدا کے درجے پر فائز کرتے ہوئے لا الہ الا الانسان کا کلمہ پڑھتا دکھائی دیتا ہے۔

(3) سائبر میڈیا کے علاوہ الحاد پھیلنے کا ایک سبب ملحد اساتذہ بھی ہیں، تعلیم کبھی بری نہیں ہوتی، تعلیم دینے والے اسے برا بنا دیتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں لادین اور ملحد قسم کے ٹیچرز اور لیکچرار بچوں کے معصوم ذہنوں میں زہر انڈیل رہے ہیں۔ ملحد اساتذہ، بچوں کی تربیت اپنے مائنڈ سیٹ کے مطابق کر رہے ہیں۔ این جی اوز بھی بچوں کی ابتدائی تعلیم پر فوکس کیے ہوئے ہیں تاکہ شروع سے ہی بچوں کے ذہنوں پر قبضہ کیا جا سکے۔ گویا تعلیم کو وہ ہتھیار اور خاموش تحریک کی صورت دیے ہوئے ہیں۔

(4)معاشی مجبوریاں بھی الحاد کا سبب بن رہی ہیں۔ جب مسلمان اپنے غریب مسلمان بھائیوں کی امداد و نصرت سے غفلت برتیں گے اور ارباب حل وعقد نوجوان نسل کے لیے معاشی منصوبے شروع نہیں کریں گے تو پیٹ سے مجبور وہ غیروں کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔

(5)نوجوان نسل رائج مذہبی وسماجی فکر اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاشرے سے مایوس ہیں اور مایوسی کی وجہ یہ ہے کہ یہ فکر فرد کو انفرادی آزادی و خوشی دینے میں ناکام ہو رہی ہے۔پاکستان کے معاشی اور سیاسی حالات ہی دیکھ لیجیے۔ اجتماعی سطح پر بھی کوئی مادی، معاشی یا اخلاقی مقام ہمیں حاصل نہیں ہوا اور نہ ہی مستقبل میں اس کا امکان نظر آتا ہے۔ یہی مایوسی انہیں متبادل نظام فکر کی طرف مائل کر رہی ہے۔ ایسی فکر جو شخصی و معاشرتی آزادی دے اور جو دنیا میں نتائج پیدا کرے، صرف خواب نہ دکھائے، گویا بدعمل سیاسی لیڈر شپ بھی بالواسطہ الحاد کا سبب بن رہے اور مایوسیاں پھیلا رہے ہیں۔

(6)نوجوان نسل کے ذہنوں میں طالب علمی کے زمانے سے خصوصا سائنس کی تعلیم میں کئی طرح کے اشکالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، نوجوان اپنی الجھنیں لے کر علماء و مشائخ کے پاس جاتے نہیں اور اگر جاتے ہیں تو روایتی علماء کے پاس، جن کا مطالعہ وسیع نہیں ہوتا۔ بڑے علماء کے پاس علم ہوتا ہے لیکن وقت نہیں ہوتا۔ بعض نادان تو ان کے اوپر ملحد کا الزام لگا کر بھگا دیتے ہیں، یا کہا جاتا ہے کہ ایسے سوالوں پر غور نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ بعض اوقات انہیں پڑھنے کے لیے قدیم علماء کی کتابیں دی جاتی ہیں۔ ان پرانے علماء کی کتابیں اگر

عقیدت سے پڑھی جائیں تو ہی فائدہ دیتی ہیں اور اگر تشکیک کے ساتھ پڑھی جائیں تو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا۔

(7) ٹیکنالوجی اور ذہن کا اشتراک ایک منفرد ذہن اور شخصیت پیدا کر رہا ہے۔ اول تو یہ تاثر عام ہو گیا ہے کہ سارا علم انٹرنیٹ پر موجود ہے اور علم کی اس بہتات اور تیزی نے تجزیے اور گہری فکر کے مواقع محدود کر دیے ہیں۔ اب کسی بات کے سچ یا جھوٹ جاننے کے لیے وقت بہت محدود ہو گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو معلومات انٹرنیٹ پر زیادہ، میسر اور مقبول ہے وہ ہی ٹھیک ہے۔ یہ صورتحال مذہبی والحادی فکر دونوں کے پھیلاؤ میں کارآمد ہو رہی ہے۔

(8) نماز اور ذکر واذکار سے دوری بھی شبہات اور وساوس کا باعث بنتی ہے۔ ذکر سے دل کی صفائی ہوتی ہے، ذکر کرنے والے کے دل میں وسوسے اور فضول اشکالات نہیں آتے؛ کیونکہ ایمان کو خراب کرنے والے سارے جراثیم ذکر کی برکت سے مر جاتے ہیں، گویا کہ ذکر الحاد کش اسپرے ہے۔ اس کے مقابلے میں جو لوگ ذکر اللہ سے غافل ہیں اس کے دل میں جراثیم پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ اس کے دل میں مختلف طرح کے اشکالات پیدا ہوتے ہیں، جیسے: کسی مٹی پر پانی ڈال دیں تو کیچڑ بن جاتا ہے، پھر اس میں آہستہ آہستہ بدبو پیدا ہو جاتی ہے، اور کیڑے مکوڑے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

ذکر کی مثال ایسی ہے جیسے آپ نے دیکھا ہو گا کہ رات کے اندھیرے میں کھٹمل بھی نکل آتے ہیں، کیڑے مکوڑے بھی نکل آتے ہیں، چوہے بھی ادھر ادھر بھاگتے نظر آرہے ہوتے ہیں، لیکن جیسے ہی بتی جلاتے ہیں تو سارے دبک کر بھاگ جاتے ہیں۔ ذکر دل میں ایسی صفائی اور روشنی پیدا کرتا ہے جس کی

وجہ سے وہ سارے زہریلے جانور اور کیڑے مکوڑے بھاگ جاتے ہیں اور دل منور ہو جاتا ہے، اس لیے ذکر کی عادت ڈالنی چاہیے اور ذکر روزانہ کی بنیاد پر کرنا چاہیے، قرآن کریم کی تلاوت بھی ایک ذکر ہے اور جب ہم اس کی تفسیر پڑھتے ہیں، درس قرآن یا تعلیم کی مجالس میں شریک ہوتے ہیں تو اور زیادہ صفائی ہوتی ہے اور آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ اگر دو تین دن سبق نہ ہو، علما سے اہل اللہ سے دوری رہے تو خود بخود دل کی حالت میں تبدیلی محسوس ہوتی ہے، گناہوں کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی ہے لیکن جیسے انسان دوبارہ سبق سے جڑ جاتا ہے قرآن، ذکر اور نمازوں سے جڑ جاتا ہے تو خود بخود وہ گناہ چھوٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔

(9) صحبت کی ایک تاثیر ہے۔ آپ بازار میں جس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھتے ہیں، اس کے خیالات سے متاثر بھی ہو سکتے ہیں۔

سوشل میڈیا ایک بازار ہے جہاں نیکی اور بدی دونوں طرح کی چیزیں ہیں۔ یہ دودھاری تلوار ہے۔ یہاں آپ کے تعلقات ہر طرح کے افراد سے وابستہ ہیں۔ یہاں آنے والی ہر پوسٹ کو پڑھنا اور ہر ایرے غیرے کی تحریروں کا مطالعہ آپ کو شبہات کا شکار کر سکتا ہے، اس لیے چھانٹی کریں، صرف دین دار اور مستند اہل علم سے استفادہ کریں۔ ہر ایک کو منہ نہ لگائیں۔

الحاد کے نتائج

(1) الحاد دراصل ہر گناہ کی چابی ہے، اخلاقی اقدار کی موت ہے۔ اگر کوئی شخص یہ یقین کر لے کہ اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے، موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے جہاں اسے اپنے کیے کا حساب دینا ہو گا تو پھر حکومت کے قوانین

کے سوا کوئی چیز دنیا میں اسے کسی برائی کو اختیار کرنے سے نہیں روک سکتی۔ اور جب الحاد غالب آئے گا تو پھر حکومت کے قوانین بھی صرف انسانوں کو ایک دوسرے کی آزادی میں مخل ہونے سے روکنے کے لیے ہوں گے۔ یوں پھر زندگی کا مقصد اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ لذت کوشی ہی رہ جائے گی۔ پھر مادر پدر معاشرتی آزادی ایک انسان کو برہنہ پھرنے کا حق دے گی اور انسان کو جانوروں کی سطح پر آنے میں کوئی چیز مانع نہ رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ملحدین انٹرنیٹ پر یہ دعویٰ کرتے پھرتے ہیں کہ مسلمان آج جن مشکلات سے دوچار ہیں، وہ دراصل جنسی خواہش کو دبائے رکھنے اور مرد و عورت کے درمیان تفریق و امتیاز کے نتیجے کی وجہ سے ہے۔

(2) الحاد کا لازمی نتیجہ خاندانی نظام کا خاتمہ اور فری سیکس کا فروغ نکلا۔ کیونکہ جنسی زندگی سے متعلق آداب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ہی کے واسطے سے انسان کو بتلائے ہیں۔ اور جب ایک مرد یا عورت خدا اور انبیاء کا انکار کردے تو پھر اس کی راہ میں ایسی کون سی رکاوٹ ہے جو اسے دنیا کی کسی بھی عورت یا مرد سے آزادانہ صنفی تعلقات سے روک سکے اور جب حیات بعد الموت اور محاسبہ کا یقین اٹھ جائے تو پھر انسان اسی دنیاوی زندگی کو لذت کا جہان بنانے کے لیے نئے نئے راستے کیوں نہ نکالے؟ پھر تو ہم جنس پرستی کا طوفان بھی اٹھے گا اور اس سے آگے بڑھ کر محرم خواتین کا تقدس بھی پامال کیا جائے گا (انتہائی لرزہ خیز اور شرم ناک خبر یہ ہے کہ ایک یورپی بائیس سالہ Atheist (ملحد) نوجوان نے اپنی گرینڈ مدر (دادی) سے قانونی شادی کی اور اب ان دونوں کی اولاد بھی ہے۔

رد الحاد کے اصول

أُدْعُ إِلَىٰ سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ، إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ، وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ(النحل:١٢٥)

ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ، دانائی سے، اور اچھی نصیحت سے، اور ان سے ایسے بحث کرو جو سب سے بہتر ہو، بے شک تمہارا رب اس کو خوب جاننے والا ہے جو اللہ کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہ راہ پانے والوں کو خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت کی روشنی میں ہم سائبر میڈیا پر دعوت و تبلیغ، نہی عن المنکر اور رد الحاد کے یہ اصول اخذ کر سکتے ہیں:

(1) فیس بک اور دیگر سوشل میڈیا پر جذبہ ایمانی سے سرشار کچھ سادہ لوح مسلم اپنی کم علمی کے باوجود ملحدوں سے بحث مباحثہ میں لگے رہتے ہیں۔ ٹھوس دینی و دنیاوی علم کے بغیر اس بحث و مباحثے کے نتیجے میں کسی ملحد کو تو ایمان والا بنتے نہیں دیکھا، البتہ بعض ایمان والوں کے ایمان کے لالے پڑتے دیکھا ہے۔ اس لیے رد الحاد کی محنت کرنے والوں کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ان کے پاس بھرپور علمی رسوخ ہو، فیس بک پر مختلف فورم چلانے والے ملحد پیشہ ور اور مکمل تربیت یافتہ ہیں جو وجود باری تعالیٰ، پیغمبر اسلام ﷺ، قرآن اور احادیث کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اور بڑی آسانی سے ناپختہ اذہان و ایمان کے حامل کم علم سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں

میں شکوک و شبہات پیدا کر دیتے ہیں۔ سادہ لوح عوام اس آسمانی ہدایت کو سامنے رکھا کریں:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا (النساء: 140)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔

(2) مسلکی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر محنت کی جائے! وہ اہل علم جو مسلکی اور فرقہ وارانہ حد بندیوں سے اوپر اٹھ کر اس میدان میں سرگرم عمل ہیں ان کی کاوشیں قابل ستائش ہیں۔ اس حکمت کا فائدہ یہ ہو گا کہ لوگ زیادہ جڑیں گے۔ ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے لوگ آپ کے پاس آئیں گے اس طرح کام کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔

اس سلسلے میں تبلیغی جماعت، صوفیائے کرام اور تحفظ ختم نبوت کا منہج قابل تقلید ہے۔

(3) دعوت دین میں قوت اس ایمان کے بقدر پیدا ہو گی جو آپ کے اندر ہے، اگر آپ کا اپنا ایمان مستحکم نہیں ہے تو آپ کی دعوت بھی اس درجہ قوی نہ ہو گی۔ اس لیے علمی دلائل کے ساتھ ساتھ دل میں ایمانی قوت کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ متبع سنت مرشد سے اصلاحی تعلق اور مشاورت اس خوبی کو پیدا کرنے میں معاون ہو گی۔

(4) لب ولہجے میں نفرت اور تحقیر کا عنصر شامل نہیں ہونا چاہیے، ورنہ وہ دعوت نہیں بلکہ مجادلہ بن جاتا ہے جس کے نتیجے میں ہدایت کا عام ہونا ممکن نہیں رہتا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں :

"علم میں جدال اور جھگڑا نورِ علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سُنّت کا علم ہو گیا وہ حفاظت سُنّت کے لیے جدال کر سکتا ہے؟ فرمایا: نہیں بلکہ اس کو چاہیے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کر دے، پھر وہ قبول کر لے تو بہتر ورنہ سکوت اختیار کر لے۔ (اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک:1/15)

علامہ آلوسیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"قرآن کریم نے حکمت وموعظت کو تو عطف کے ساتھ ایک ہی نسق میں بیان فرمایا اور مجادلہ کے لیے الگ جملہ "جادلھم باللتی ھی احسن" اختیار کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجادلہ دعوت الی اللہ کا رکن یا شرط نہیں، بلکہ طریق دعوت میں لوگوں کی ایذاؤں پر صبر کرنے کا نام ہے۔"

(5) دعوت دین کے کئی ذرائع ہو سکتے ہیں، لیکن طریقہ کار وہی ہونا چاہیے جو قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔ سب سے پہلے حکمت سے مخاطب کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب مرکزی خیال سوچ لیا جائے پھر اس میں خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبے کے ساتھ ایسے شواہد اور دلائل سامنے لائے جائیں، اور ترغیب و ترہیب کی ایسی باتیں شامل کی جائیں جن سے مخاطب مطمئن ہو سکے۔ طرز بیان و کلام ایسا مشفقانہ اور نرم رکھا جائے کہ مخاطب کو یقین ہو جائے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں مجھے شرمندہ کرنا یا میری حیثیت کو مجروح کرنا ان کا مقصد نہیں ہے۔

(6) یہ آخری نکتہ صرف اہل علم کی نالج کے لیے ہے۔ ملحد دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو ہمیشہ معقول بات کرنے کے قائل ہیں۔ اگرچہ ان کے پاس کوئی عالمگیر لائحہ عمل نہیں لیکن اپنے طور پر چند اصولوں کی پیروی کرنا ضروری خیال کرتے ہیں: جیسے اخلاقیات، حقوق و فرائض، معاشرتی معروفات اور منکرات کی تشریح عدل اور جزا و سزا وغیرہ۔ ایسے لوگ مذہبی لوگوں کے رویوں سے دل برداشتہ ہو کر الحاد میں پناہ گزین ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اجتماعیت کے قائل ہوتے ہیں اور پوری دنیا کو کسی عالمگیر قبولیت کے حامل دستور کے تابع لانے سے انکار نہیں کرتے۔ اسی عالمگیر دستور کو جو ان کی خوب صورت خواہشات اور امیدوں پر مبنی ہے وہ انسانیت کہتے ہیں اور اسے ایک مذہب کی طرح ہی مانتے ہیں۔

دوسری قسم کے ملحد وہ ہیں جو کسی بھی مذہب کو شخصی آزادی کے خلاف سمجھتے ہوئے اس سے بغاوت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اصل میں مادر پدر آزادی

کے خواہاں ہوتے ہیں، نہ صرف جنسی آزادی بلکہ ہر طرح کی مادی حریت ان کا مطمع نظر ہوتی ہے۔ یہ اجتماعیت کی صرف اسی صورت کے قائل ہوتے ہیں جس میں انھیں ہر طرح سے کھیل کھیلنے کے مواقع میسر ہوں۔

اول الذکر لوگ کسی نہ کسی درجے میں مذہب کی ضرورت مانتے ہیں لیکن مذہب پرستوں کی ناکامی کو مذہب کی ناکامی تصور کرکے مذہب بیزار ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو دلیل سے مکالمہ کرکے قائل کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ موخر الذکر لوگ صرف اپنی ہوس کے اتباع میں ہر دینی یا دنیوی ضابطے سے باغی ہوتے ہیں ان لوگوں کو مکالمے سے قائل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ گالی گلوچ، غیر فطری بے راہ روی، قانون شکنی اور مادر پدر آزادی سمیت ہر طرح کی بے ضابطگی کو یہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک فرائض صرف وہ ہی ہیں جو معاشرہ ان سے زبردستی پورے کروا رہا ہے۔ اصل میں یہ مذہب سے اس لیے بیزار ہیں کہ مذہب ان کی بے حیائی پر قدغن لگاتا ہے اور یہی "انسانیت" سمیت ہر مذہب سے بیزار مجرمانہ الحاد کے داعی ہیں۔ ان پر اہل علم کو زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

الحاد کے خاتمے کے لیے چند تجاویز

1۔ اوپر بتایا گیا کہ کم علمی انسان کو الحاد کی طرف لے جاسکتی ہے۔ اس لیے بغیر مضبوط اور ٹھوس علم کے مباحثے میں نہیں الجھنا چاہیے۔

2۔ ایک مسلمان الحاد کی گھاٹیوں میں تب ہی اترتا ہے جب اسے شکوک وشبہات اور وسوسے گھیر لیتے ہیں اور وہ کسی سے اس کا جواب نہیں پاتے یا پھر اپنی عقل پر بھروسا انہیں کسی سے کچھ پوچھنے نہیں دیتا، یوں اندر ہی اندر شیطانی وسوسے بالآخر خدا کے انکار کا باعث بن جاتے ہیں۔

یاد رکھیں! وسوسے ہر ایک کو آتے ہیں، اس لیے کبھی کوئی نوجوان اپنے وسوسے کا اظہار کرے تو اسے سختی سے جھٹلانے کے بجائے بڑی حکمت عملی سے واضح دلائل کے ذریعے اس کا ذہن تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ غصہ کرنے کے بجائے مضبوط استدلال کی ضرورت ہے۔

3۔ فارغ لوگوں کو مصروف کر دینا چاہیے کیونکہ خالی گھر میں شیطان ڈیرہ ڈال لیتے ہیں۔

4۔ اگر کوئی بری طرح وسوسوں کا شکار ہو تو کسی بڑے عالم دین کے پاس لے جانا چاہیے۔

5۔ ہمارے خیال میں ہر شبہ، ہر شک کا حل محبت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت پیدا کرنے کے لیے، اللہ والوں کی صحبت بہت ضروری ہے۔ انسانوں کی نفسیات یہی ہے کہ جب ان میں محبت پیدا ہوتی ہے تو پھر ان کے سارے شکوک وشبہات دور ہو جاتے ہیں، اور محبت کا مرکز عقل نہیں،

وجدان ہے۔ نری عقل کے ذریعے محبت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، عقل محبت کے فلسفے اور راز کو نہیں سمجھ سکتی۔ اس کے لیے وجدانی صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر وجدان خود گواہی دیتا ہے کہ ربّ کائنات بندے کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ اسی وجدان کو بیدار کرنے کے لیے اللہ والوں کی صحبت از حد ضروری ہے، اور اللہ والے دینی مراکز، مدارس، خانقاہوں میں اور اللہ کے راستے میں ملتے ہیں۔

6۔ اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ الحاد کے فتنے کو سمجھیں، اس حوالے سے محنت کریں اور اس کے لیے مؤثر حکمت عملی تیار کریں۔

7۔ الزامی جواب دیے جائیں۔ یعنی معترض کا اعتراض دور کرنے کے بجائے ایسا ہی اعتراض اُس پر وارد کر دینا جیسا اس نے کیا ہے۔

8۔ ان سطور کے ذریعے ہم اربابِ اختیار سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک کمیٹی بنائی جائے، جو فحاشی و عریانی اور الحاد کی مبلغ ویب سائٹس اور بلاگز کی فہرست بنا کر حکومت کو پیش کرے؛ تاکہ ان ویب سائٹس پر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مکمل پابندی لگائی جائے، اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو مسلمانانِ پاکستان کو بھرپور احتجاج کر کے حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہیے کہ یہ ایمان و کفر کا مسئلہ ہے۔

امید کی کرن

ایک وقت تھا جب ملحدین کے وساوس اور مغالطوں کے جواب میں مسلمانوں کی کوئی ویب سائٹ، پیج اور گروپ موجود نہیں تھا، مسلمان ان ملحدین کی گستاخیاں، کذب بیانیاں دیکھتے اور ان پر کڑھتے رہتے، کچھ مجبور ہو کر ان کے پیجز پر ہی ان کا جواب دیتے اور بالآخر بلاک کر دیے جاتے، پھر اللہ نے

کچھ لوگوں کو توفیق دی اور ملحدین کے تعاقب میں گروپ اور پیجز بنائے گئے جن پر ملحدین کے پھیلائے گئے وساوس اور اشکالات زیر بحث آنا شروع ہوئے۔

الحمدللہ! اب صورت حال یہ ہے کہ جدید الحاد "سیکولرازم" اور "لبرل ازم" کے تعاقب میں کوالٹی اور کوانٹٹی دونوں لحاظ سے گروپ اور پیجز زیادہ ہیں۔ ان پیجز کے ذریعے ملحدین کے مکروفریب کو پوری طرح عیاں کیا گیا اور کیا جارہا ہے۔ اس تعاقب سے ملحدین اپنے تھوکے نوالے چبانے اور اپنے بلوں میں بیٹھ کر گالیوں، گستاخیوں پر گزارہ کرنے پر مجبور ہیں۔

یہ ایک عام بات ہے کہ اعتراض کرنا جواب دینے سے زیادہ آسان ہوتا ہے اور سب اعتراضات کے جوابات ایک ہی پیج سے دینا ممکن بھی نہیں ہوتا، بعض اعتراضات علمی نوعیت کے ہوتے ہیں ان کا جواب علمی انداز میں دینا ہوتا ہے، بعض تنقیدی اور طنزیہ ہوتے ہیں ان کا جواب اسی انداز میں ہی دینا پڑتا ہے، ظاہر ہے ایک ہی پیج سے یہ سارے کام ممکن نہیں ہوتے اور ایک ہی پیج کے ایڈمنز میں یہ ساری صلاحتیں ہونا بھی ضروری نہیں ہوتا۔ اس کے لیے ایک سے زائد ویب سائٹس، بلاگس اور پیجز کی ضرورت ہوتی ہے۔

الحمدللہ! صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر کی ویب سائٹ پر الحاد کے حوالے سے مناسب مواد موجود ہے۔ لنک یہ ہے www.suffahpk.com۔

آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو قبول فرمائے اور جن افراد کو اسلام سے قریب کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی جارہی ہے ان افراد تک یہ کتاب سہولت وعافیت اور افادیت کے ساتھ پہنچ جائے۔

ایک سابقہ ملحد کی کہانی، ان کی اپنی زبانی

(ثوبان تابش)

"یہ اوائل 2005ء کی بات ہے جب میٹرک کا رزلٹ آنے کے بعد میں نے نوکیا N700 نیا نیا خرید اتھا۔ اس موبائل کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں انٹرنیٹ کی اسپیڈ اس زمانے کے باقی موبائلز کے مقابلے میں کافی بہتر تھی۔ اسی موبائل کے ذریعے میں نے پہلی بار فیس بک آئی ڈی بنائی اور فیس بک کی دنیا سے متعارف ہوا۔

شروع سے ہی اردو ادب کا ذوق ہونے کی وجہ سے میں فیس بک پر ایسے دوستوں کی تلاش میں رہتا جو قلم کار، شاعر یا ادیب ہوں تاکہ ان کے فن پارے پڑھ کر اپنے ذوق مطالعہ کو تسکین دے سکوں، لیکن بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ اس وقت رومن اردو کا دور دورہ تھا۔ اچھے خاصے ادیب بھی رومن میں لکھتے اور مجھے ان کی شاعری یا نثر پارے رومن اردو میں ہی پڑھنے پڑتے۔ رومن پڑھنے میں کتنی تکلیف اور مشقت ہوتی ہے اس کا اندازہ ان دوستوں کو بخوبی ہو گا جنہیں کوئی لمبی تحریر رومن اردو میں سمجھ کر پڑھنی پڑے۔

کچھ عرصہ بعد کسی نے مجھے "آزاد" نامی گروپ میں شامل کر لیا۔ یہ بظاہر شاعروں اور لکھاریوں کا گروپ تھا لیکن در حقیقت اس کے تمام ممبران، جن کی تعداد تین چار سو کے لگ بھگ تھی، پرلے درجے کے سکہ بند ملحد تھے۔ اس گروپ میں رومن اردو کا نام ونشان بھی نہ تھا سب اردو

رسم الخط میں اپنی تحریریں لکھتے، یہی وجہ تھی کہ میں اس گروپ کو گہرے ذوق وشوق سے پڑھا کرتا تھا۔ ان کی تحریروں کا ہدف اسلام اور صرف اسلام ہوتا تھا۔ اللہ کے وجود کو سائنسی حقائق کی مدد سے غلط ثابت کرنا، پیغمبر اسلام ﷺ کے کردار پر کیچڑ اچھالنا اور انہیں ظالم اور منتقم مزاج ثابت کرنا۔ مسلمانوں کو بے وقوف، داڑھی والوں کو پرلے درجے کا بدھو اور بند دماغ بتانا اور ان پر ترس اور رحم کھانا کہ بے چارے کتنی اذیت ناک پابندیوں میں زندگی گزارتے ہیں۔ ان سب باتوں کے بعد دھڑلے سے دعویٰ کرنا کہ ہم دنیا کے کھلے مزاج اور کھلے دماغ کے لوگ ہیں جو صرف دلیل کی روشنی میں بات کرتے ہیں۔ اس گروپ میں کوئی خود کو پروفیسر بتاتا تو کوئی ڈاکٹر اور میں سوچتا کہ اتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ جب ایسی باتیں کررہے ہیں تو یقیناً کچھ نہ کچھ ان کی باتوں میں صداقت ضرور ہوگی۔

شروع شروع میں میں نے ان کے کچھ سوالات کے جواب دینے کی کوشش ضرور کی تھی، لیکن وہ سرے سے میرے جوابات کو ہی غیر عقلی اور غیر منطقی کہہ کر مسترد کردیتے تھے، اور میں احساس کمتری کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا۔

ان سارے عوامل کا مجھ پر شدید اثر ہوا اور میں ہر وقت پریشان رہنے لگا۔ اسی پریشانی کے تحت گاؤں کے مولوی صاحب سے ایک دن وجود باری تعالیٰ پر بات کی تو وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ لیکن اس مجلس کا بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ مولوی صاحب نے مجھے پورے گاؤں میں "دہریہ" ڈکلیئر کردیا۔ حالانکہ میں اس وقت تک دل سے دہریہ نہیں ہوا

تھا، تذبذب اور شک کی کیفیت میں تھا۔ جب میرے گھر والوں تک یہ بات پہنچی کہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے عجیب عجیب باتیں کرتا پھر رہا ہوں تو میرے والد صاحب جو مقامی ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے، مجھے سرگودھا پولی ٹیکنک کالج میں تین سالہ ڈپلومہ کے لیے بھیج دیا۔

کالج کی زندگی میرے لیے آزادی کی زندگی تھی، سینما جانا، آوارہ گردی، لڑکیوں سے دوستیاں کرنا حتی کہ کسی مہینے دوستوں کے ساتھ 12 نمبر (چکلے) جاناوغیرہ میرے پسندیدہ مشاغل تھے۔ اور میں اکثر سوچتا کہ واقعی مذہب نے مجھ پر کیسی کیسی پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ ایک مسلمان کی زندگی اس کی انسانی فطرت کے خلاف گزرتی ہے۔ کالج میں میرے سب دوست مذہبی تھے، سچ پوچھیے تو اس زمانے میں بھی میں اسلام سے پوری طرح جدا نہ تھا۔ دوستوں کے ساتھ کبھی کبھی جمعہ پڑھنے بھی چلا جاتا لیکن نماز وغیرہ کو فضول قسم کی ورزش سمجھتا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ ملحدین کے مختلف فیس بک پیج میں نے جوائن کر لیے، اور ان کا زہر میں پوری وسعت ظرفی اور فراخ دلی سے اپنے دل ودماغ میں بھر رہا تھا۔ میں ان کی ہر بات کو حرف آخر سمجھ کر اس پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آیا تھا۔

ایک دن میرے ایک ملحد دوست نے پوسٹ لگائی کہ اسلام مختلف مذاہب کا چربہ ہے، جو کہ 70 فیصد تک یہودیت اور باقی مجوسیت وعیسائیت وغیرہ سے اخذ کیا گیا ہے، اور اس کی دلیل کے طور پر اس نے یہودیوں کا سلام "شولوم لیکم" کی تفصیلی تشریح کی۔ مختلف آن لائن ڈکشنریوں وغیرہ

کی مدد سے ثابت کیا کہ مسلمانوں کا سلام دراصل یہودیوں کا عبرانی سلام ہے جو اسلام سے تین ہزار سال پہلے سے دنیا میں مروج ہے۔ یہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کی نماز بھی یہودیوں سے مستعار لی ہوئی ہے۔ یہودیوں کی عبادت میں بھی کھڑا ہونا، جھکنا اور زمین پر لیٹنا شامل ہے۔

میں اس دن نجانے کس کیفیت میں تھا کہ میں نے اسلام کو ایک فراڈ، دھوکہ دہی سے بھرپور مذہب قرار دیتے ہوئے لکھ دیا کہ میں آج تک وجود خدا اور اسلام کی سچائی کے متعلق شک وشبہ میں تھا لیکن آج کی اس پوسٹ کے بعد میرے سارے وہم ختم ہو گئے اور میں اب کھلے دل سے الحاد قبول کرتا ہوں۔

الحاد قبول کر لینے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں ہواؤں میں اڑتا ہوا ایک بے سمت پرندہ ہوں جس کی کوئی منزل نہیں۔ مجھے بے حد خوشی تھی کہ اب نہ نماز کا جھنجھٹ نہ روزے کا تکلف، کیونکہ یہ عبادتیں تو اس کے لیے ہوتی ہیں جس کا کوئی وجود ہو۔ جبکہ مسلمانوں کے خدا کا تو کوئی وجود ہی نہیں۔ وہ صرف ان کے ذہنوں اور عقیدوں میں پایا جاتا ہے۔

الحاد قبول کرنے کے بعد میں نے پہلی مرتبہ اپنے بارے میں سوچنا شروع کر دیا کہ میں اس دنیا میں کیوں ہوں؟ کیا میں ایک بیکٹریا یا جانور نہیں پیدا ہو سکتا تھا؟ میں انسان کیوں ہوں؟ اور میری عقل کہتی کہ یہ تیری خوش قسمتی ہے کہ تو حادثاتی طور پر انسان ہی پیدا ہوا ہے۔ تب میں انسان کی ذہانت، عقل اور اس کے کارناموں پر غور کرتا تو میرا دماغ یہ قبول

کرنے سے انکار کر دیتا کہ انسان حادثاتی طور پر اتنی ترقی یافتہ شکل میں وجود پذیر ہوا ہے۔

میں نے اس موضوع پر "گروپ ارتقائے علم ودانش" کے چند بلند پایہ ملحدوں سے ان باکس میں کافی عرصہ تفصیلی چیٹنگ کی۔ فون پر بھی کافی طویل گفتگو کرتا اور سنتا۔ ملحدین کے دلائل متاثر کن ضرور تھے لیکن پہلی بار میرے دل نے ان کو من وعن قبول کرنے میں پس وپیش کرنا شروع کر دیا تھا۔

مذہب میرے نزدیک ایک پرلے درجے کی حماقت آمیز رسم تھی۔ میں خلوص دل سے سمجھتا تھا کہ مذہبی لوگ اندھی کھائی میں پڑے ہیں۔ ان کے دماغ بند اور آنکھوں پر افسانوی جنت کی پٹی بندھی ہے۔ وہ بے چارے تنگ نظر، مذہبی تقلید کی رسیوں میں جکڑے ہوئے نادیدہ خدا کے خوف سے تھر تھر کانپتے ہوئے اور اس کی خیالی جنت میں جا کر داد عیش دینے کے چکروں میں دنیا کی زندگی کو اپنے ہاتھوں سے تباہ وبرباد کر رہے ہیں۔ چند دن کی زندگی ہے، اسے انجوائے کریں، اس میں انسانیت کی بھلائی کے کام کریں، اور سب سے بڑی بھلائی یہ ہے کہ جو روشنی میرے پاس ہے اسے عام کرنے کی کوشش کروں۔ مذہبی لوگ اپنے مذہب کی گھٹاٹوپ اندھیریوں میں گم ہیں جبکہ میرے پاس اجالا ہے، علم ہے، منطق ہے اور ایسی دلیلیں ہیں جو انسانی دماغ کو اپیل کرتی ہیں۔

ان دنوں میں نے کارل مارکس (Karl Marx) کو پڑھا اور خوب پڑھا۔ میرے نزدیک اگر دنیا میں پیغمبروں کا وجود ہوتا تو سب سے پہلا اور

آخری پیغمبر کارل مارکس کو ہونا چاہیے تھا جس کا دماغ ہشت پہلو تھا، جس نے معاشی اور معاشرتی زندگی کے اصولوں کو معجزانہ اطوار سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

انہی دنوں گھر والوں نے میری منگنی کر دی اور یہ منگنی ہمارے خاندان کے رواج کے مطابق مجھ سے پوچھے بنا صرف اپنی مرضی سے طے کی۔ میری منسوبہ میرے ہی گاؤں کی اور دور کی رشتہ دار تھی۔ وہ اسلام آباد کے ایک مشہور و معروف دینی مدرسے (جنہیں میں دہشت گردوں کا ٹولہ سمجھتا تھا) سے فارغ التحصیل اور مقامی مدرسے (جس میں کل پندرہ بیس بچیاں زیر تعلیم تھیں) میں دینی تعلیم پڑھاتی تھی۔

میں نے اس لڑکی کو بچپن میں کبھی دیکھا تھا، مجھ سے چند سال چھوٹی تھی۔ اس کے بعد وہ مستقل پردے میں رہی تھی اور مجھے کچھ علم نہ تھا کہ اس لڑکی کا مزاج کیسا ہے، دکھنے میں کیسی ہے وغیرہ جو میرے نزدیک نہایت اہمیت کی حامل چیزیں تھیں۔

جب مجھے اس منگنی کی بابت علم ہوا تو میں نے گھر میں طوفان بدتمیزی برپا کر دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اسلامی تنگ ذہن لڑکی میرے ساتھ چند قدم بھی نہیں چل سکتی اور وہ میری آزاد زندگی میں زہر گھول دے گی۔ میں نے اپنی امی کو ظالم تک کہہ دیا۔ اور یہ کہ میں اس لڑکی کے برقعے اور شرافت پر لعنت بھیجتا ہوں وغیرہ۔ (جس کا مجھے اب شدید افسوس ہے۔) بہر حال کچھ دن بعد یہ منگنی ٹوٹ گئی اور میں واپس ہاسٹل چلا گیا۔

الحاد کے بعد میں ایک چیز بہت وضاحت سے محسوس کر رہا تھا اور وہ تھا "خوف"۔ ایک ان دیکھا، ان جانا سا خوف۔ یہ خوف صرف میری زندگی تک یا میری ذات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ پوری دنیا کی اچانک تباہی کا خوف مجھے کسی دم چین نہ لینے دے رہا تھا۔ ظاہر ہے دنیا ایک حادثے کا نتیجہ تھی، ویسا ہی ایک حادثہ کسی بھی لمحے ہو سکتا تھا۔ کوئی گھومتا ہوا سیارہ زمین سے ٹکرا سکتا تھا اور زمین کے پرخچے اڑ جاتے۔ اگرچہ زمین کے مدار کی سائنسی توجیہات میں پڑھ چکا تھا کہ زمین لاکھوں سالوں سے اپنے مقررہ راستے سے معمولی سا بھی نہیں ہٹی۔ لیکن کیا گارنٹی تھی کہ وہ آئندہ بھی نہیں ہٹے گی؟ ہو سکتا تھا کہ آج رات کو سوتے سوتے ہی زمین دھماکوں سے گونج اٹھے اور پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر لامحدود کائنات کی وسعتوں میں گم ہو جائے۔ اپنے اس خوف کو چھپانے کے لیے میں نے مصنوعی زندہ دلی کا خول اپنے اوپر چڑھا لیا تھا۔ میں معمولی معمولی باتوں پر دل کھول کر ہنستا اور زندگی سے لذتیں کشید کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔

گاؤں میں میری ریپوٹیشن کچھ اچھی نہ تھی۔ کیونکہ میں نے ایک مرتبہ گاؤں کے مولوی صاحب سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے متعلق چند سوالات پوچھے تھے اگرچہ وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے تھے لیکن انہوں نے میرے تمام سوالات مسجد کے نمازیوں کو گپ شپ میں بتا دیے تھے جس کے بعد مسجد کے نمازی حضرات اور محلے کے لڑکے، لڑکیاں اور عورتیں تک مجھ سے دور دور رہتیں۔ مجھے بھی اپنے گاؤں کا ماحول گھٹا

گھٹا سا اور تنگ تنگ سا لگتا۔ جیسے کوئی آزاد پرندہ کسی پنجرے میں قید کر دیا گیا ہو۔

میرے والد صاحب (مرحوم) پکے ٹھکے مسلمان تھے، وہ سکول ٹیچر تھے اور سادہ صاف ستھری زندگی کے حامل۔ لیکن ان کا رعب بھی بلا کا تھا۔ مجھے کبھی جرات نہیں ہوئی کہ ان کے سامنے اپنے ذہنی یرقان کا ذکر کرتا، تاہم انہیں مجھ پہ شک ضرور تھا کہ میں اسلام سے دور ہو چکا ہوں۔ اس کے باوجود انہوں نے کبھی مجھ سے نفرت کا اظہار نہیں کیا۔ اکثر مجھ سے کہتے کہ اپنی ہدایت کی دعا مانگا کرو۔ اور میں دل ہی دل میں ہنستا کہ کوئی خدا ہو تو اس سے دعا مانگوں۔

الحاد مجھ پر ایک کیفیت کی طرح برساتھا۔ جس کی شدت کبھی زیادہ ہوتی تو کبھی بہت کم۔ ایسے ہی کسی کمزور لمحے میں ایک دن میں نے محمد ﷺ کے متعلق ایک کتاب پڑھی۔ جس میں محمد ﷺ کو نفسیاتی مریض (نعوذ باللہ) بتایا گیا تھا۔ مختلف دماغی امراض کے مشکل ناموں کے ساتھ علامات لکھی گئی تھیں کہ اس مرض کا شکار اپنے آپ کو صدر، وزیر اعظم یا پیغمبر تک سمجھ سکتا ہے۔ اور تڑکے کے طور پر محمد ﷺ کی شادیوں کو بے ڈھنگ اور بے جوڑ ثابت کر کے یہ دکھایا گیا تھا کہ ایسی شادیاں ایک نارمل انسان نہیں کر سکتا۔ (نعوذ باللہ) اس کے علاوہ اتنی گھٹیا اور اخلاق سے گرے ہوئے الزامات تھے جنہیں پڑھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ اس کتاب کا مصنف خاص طور پر محمد ﷺ کی دشمنی میں بہت آگے تک چلا گیا ہے۔

میرا موقف محمد ﷺ کے متعلق وہی تھا جو جارج برنارڈ شا (George Bernard Shaw) نے لکھا تھا۔ میں انہیں نبی نہیں مانتا تھا، لیکن وہ دنیا کے واحد انسان تھے جنہوں نے اپنی تحریک اکیلے شروع کی، اور محض 23 سال کے مختصر دور میں اتنا مکمل معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی نظام دنیا کو دے کر گئے کہ جس کے بل بوتے پر دنیا کی ترقی ممکن ہو پائی۔ بھلے ہی ان کا مذہبی نظام غلط ہو لیکن ان کے اخلاقی، معاشرتی اور معاشی نظام کو سوچا جائے تو انسان ضرور متاثر ہو جاتا ہے۔ میں محمد ﷺ کو عرب ہیرو سمجھتا تھا۔ ایک ذہین و فطین عرب ہیرو۔ ان کی شادیوں کو بڑی آسانی سے عرب رواج اور کلچر سمجھا جا سکتا تھا۔ جیسا کہ قدیم زمانے کے کئی ہیروز متعدد شادیوں کے حامل رہے ہیں۔ تاریخی سچائی ہے کہ محمد ﷺ کے بعد دنیا کے معاشرتی اور اخلاقی سمندر میں ایک بھونچال آگیا تھا۔ چاہے ہزار بار اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہو، لیکن اسلام نے دنیا کے دور دراز کے معاشروں میں اخلاقی اور معاشرتی قدروں کے پیمانوں کی نئی جہتیں ضرور متعین کر دی تھیں۔ اور یہ نئی جہتیں خوب صورت تھیں، جن کی بدولت اس زمین کے گولے پر انسان انسانیت کی پہچان حاصل کر سکتے تھے۔

لیکن یہ کتاب پڑھ کر مجھے اپنے اندر سے کچھ ٹوٹتا محسوس ہوا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کیا ایک نفسیاتی مریض دنیا کو اتنا سب کچھ دے سکتا ہے؟ مجھے ایسا لگا کہ اس کتاب کا مصنف تنگ نظری کا شکار ہے یا اس

نے معاملات کے صرف ایک پہلو کو ایک آنکھ سے دیکھ کر پوری کتاب لکھ ماری ہے۔

اب تک میں نے جتنا کچھ بھی دیکھا، سنا اور پڑھا وہ قطعی طور پر انفرادی تھا۔ اب تک کالج میں یا اپنے ارد گرد کے معاشرے میں مجھے اپنے جیسا کوئی ملحد دوست نہ ملا تھا۔ میں اکثر کسی مسلمان دوست کے بارے سوچتا کہ وہ میرے ساتھ چکلے پہ جاتا ہے، ڈیٹ پہ جاتا ہے، حتی کہ شراب تک بھی پی لیتا ہے، وہ ضرور اندر سے ملحد ہو گا۔

ایک بات جو میں محسوس کرتا تھا (اور شاید دنیا کا ہر ملحد یہی سمجھتا ہے) کہ الحاد ایک فطری چیز ہے۔ گاؤں دیہات کے جاہل لوگوں کے پاس علم نہیں ورنہ حقیقت میں سب ملحد ہیں۔ جیسا کہ ساون کے اندھے کو ہر سو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے، مجھے بھی ہر بے عمل مسلمان کے پیچھے ایک ملحد نظر آتا تھا۔ اور میں سوچتا کہ اگر ہم پر مذہبی پابندیاں نہ ہوتیں، اسلام کو چھوڑنے پر سزائیں نہ ہوتیں تو آج پاکستان کی 70 فیصد آبادی ملحد ہوتی۔

لیکن میرے بعد کے مسلسل تجربات سے مجھے علم ہوا کہ ایک مسلمان چاہے جتنا بھی گناہگار ہو، وہ اپنے مذہب کی مبادیات اور اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرتا۔ چنانچہ ان کے ساتھ گپ شپ میں کبھی اللہ تعالیٰ کے متعلق میں کوئی منطقی انداز میں جملہ کہہ دیتا تو وہ پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جاتے کہ کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ خصوصاً محمد ﷺ کے متعلق تو کوئی بھی مسلم ذرہ سی بھی تنقید برداشت کرنا ناقابل معافی جرم سمجھتا ہے۔

ان عوامل کی وجہ سے مجھے مذہب سے شدید نفرت اور چڑ ہو گئی۔ میرے خیال میں مذہب ایک ایسی افیون تھی جو اچھے خاصے لوگوں کے دماغ کو تالا لگا کر انہیں فکری پرواز کی بھی اجازت نہیں دیتی۔

میں نے مذہب کے بخیے ادھیڑنے کے لیے گہرائی میں جا کر تحقیق کا فیصلہ کیا۔ اس وقت اتنا تو میں یہی سمجھتا تھا کہ اسلام مختلف ثقافتوں، قوموں اور تہذیبوں کی مختلف روایات سے چوری کیا گیا، لیکن بڑی ذہانت سے ترتیب دیا ہوا مذہب ہے، جس میں کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا ہے، کچھ رسمیں یہودیوں سے چرائی گئی ہیں، جیسے سلام، وضو، نماز وغیرہ۔ اور کچھ مجوسیت اور ہندومت سے جیسے حج کے پھیرے لگانا اور احرام باندھنا وغیرہ۔ لیکن میں ایک ایک چیز کی تفصیل اپنے پاس لکھ کر اسے یاد کرنا چاہتا تھا۔

چنانچہ میں نے انٹرنیٹ سے مختلف کتابیں ڈاؤن لوڈ کرنا شروع کر دیں۔ انہی کتابوں میں سے ایک کتاب Return to Mecca تھی۔ جو اسرائیل کے مشہور سپیکر و مصنف Dennis Avi Lipkin کی لکھی ہوئی تھی۔ اس یہودی مصنف نے اسلام پہ الزام لگایا تھا کہ دراصل مکہ اور مدینہ یہودیوں کے مقدس مقامات تھے جنہیں مسلمانوں نے ہتھیا لیا۔ اس کتاب میں اس نے Old Testament کے حوالوں سے یہ ثابت کیا کہ حضرت موسیٰ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا تھا اور یہاں کافی عرصہ قیام بھی کیا۔ نیز یہودیت کی ریڑھ کی ہڈی کوہ سینا، جسے مصر میں خیال کیا جاتا تھا وہ دراصل جزیرہ عرب میں واقع ہے جہاں حضرت موسیٰ کو نبوت ملی اور اللہ

کا دیدار عطا ہوا۔ یہودیوں کا خدا چاہتا تھا کہ سارے یہودی خانہ کعبہ کے پاس رہیں۔

اس کے علاوہ یہودیوں کی مختلف رسموں وغیرہ کو اسلامی رسموں سے compare کیا گیا تھا۔ یہ کتاب پڑھ کے میں خوشی سے جھوم اٹھا۔ میرے خیال میں کسی بھی مسلمان کے پاس اس کتاب کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جواب دینا قطعی ناممکن تھا۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ اس وقت تک میں نے قرآن پاک کو ایک مرتبہ بھی ترجمے یا تفسیر کے ساتھ نہیں پڑھا تھا۔ بچپن میں گاؤں کے مولوی صاحب سے جو رٹی رٹائی سورتیں یاد کی تھیں، بس وہی میرا کل قرآنی علم تھا۔

ایک دن فیس بک پر بحث کرتے ہوئے ایک مولوی صاحب کو میں نے اسی کتاب کے حوالے دے دے کر چاروں شانے چت کر دیا۔ وہ اس سرقے اور چوری کا کوئی بھی جواب دینے سے قاصر رہے، ماسوا اس کے کہ ان کے بقول اسلام ہی دنیا کا سب سے قدیم مذہب ہے۔ جس پر میں پیٹ پکڑ کر ہنسا تھا۔ میں نے ازراہ تفنن لکھا کہ دنیا کی کوئی کتاب بتادو جس میں لکھا ہو کہ اسلام دنیا کا سب سے قدیم مذہب ہے؟ تو ان کے پاس صرف ایک کتاب تھی۔ قرآن مجید۔ اور اس کی آیت ان الدین عند اللہ الاسلام۔ بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔ اس آیت سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اسلام دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے؟ میں نے سوچا کہ اس آیت

کی تشریح خود مسلمانوں کی تفسیر میں دیکھنی چاہیے کہ وہ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

چنانچہ اس آیت کے ذیل میں میں نے مختلف آن لائن تفسیریں دیکھیں، جن سے اس آیت کا ایک نیا مفہوم میرے سامنے آیا۔ اگرچہ یہ ساری کہانی میرے نزدیک طوطا مینا کی کہانی تھی لیکن میں دلچسپی سے پڑھتا رہا۔ وہ مفہوم یہ تھا کہ اس دنیا کا خالق جو کہ صرف "ایک" ہے، اس نے اس دنیا پر شروع میں ہی "ایک" دین نازل کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ خدا ہی کیا جو مختلف زمانوں میں اپنا مذہب بدلتا رہے۔ چنانچہ سب سے قدیم مذہب بقول قرآن آدم پر نازل ہوا۔ اُس ابتدائی دین کا خلاصہ یہ تھا کہ صرف خالق کی پوجا کرو۔ اوراس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ اُس قدیم مذہب کا تقاضا یہ تھا کہ اپنی ساری خواہشات کو خالق کے سپرد کر دو، زندگی کے ہر ہر موڑ پر اسی سے مدد مانگو۔ اگرچہ آدم کے دین کا کوئی اصطلاحی نام آج تک ہمارے سامنے نہیں آیا لیکن خالق کی سپردگی کی اس کیفیت کو اگر عربی زبان میں بیان کیا جائے تو صرف ایک لفظ "اسلام" سے یہ سارے معانی ادا ہو جاتے ہیں۔ یعنی اسلام کا مطلب ہی یہی ہے کہ اپنی خواہشات کو چھوڑ کر خدا کے سامنے سر تسلیم خم کر لینا۔ چنانچہ ان معنوں میں آدم کے دین کا نام اسلام تھا۔ اور ان ہی معنوں میں آدم مسلمان (خواہشات کی بجائے خدا کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے) تھے۔

کچھ عرصہ بعد جب آدم کی اولاد پھیلی، پھلی پھولی اور بڑھی تو مختلف نکتہ ہائے نظر پیدا ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے "ایک خدا" کے نظریے

کے بجائے اپنی خواہشات سے خدا بنانے شروع کر دیے۔ چنانچہ اس دنیا کے خالق نے دوبارہ ایک انسان کو چن کر اسے پیغمبر بنا دیا۔اس طرح حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت لوط، حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یحیٰی، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام مختلف زمانوں میں آئے اور لوگوں کو اسی پرانے دین کی طرف دعوت دی۔ان معنوں میں یہ سارے پیغمبر مسلمان تھے اور ان سب کا مذہب اسلام تھا۔ کتنی حیرت کی بات تھی کہ آج کئی مسلمان بھی سمجھتے ہیں کہ اسلام 1400سال پہلے وجود میں آیا اور اسلام کے بانی محمد ﷺ تھے۔یہ مسلمانوں کی جہالت ہے۔ہم بچپن سے پڑھتے آرہے ہیں کہ محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں۔ لیکن یہ ہم نے کبھی نہیں سوچا کہ آخری کا مطلب کیا ہے؟ آخری وہ ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اسی مذہب کے کئی پیغمبر گزر چکے ہوں۔

جتنا عرصہ میں نے الحاد میں گزارا، میں نے الحمدللہ کبھی محمد ﷺ سے نفرت نہیں کی تھی۔ یہ سچ ہے کہ مسلمانوں پر شدید غصہ آتا تھا کہ وہ پاگلوں کی طرح جھوم جھوم کے درود شریف، نعتیں اور قصیدے پڑھتے، میرے خیال میں یہ انسانیت کی توہین تھی کہ وہ اپنی عقل کو چھوڑ کر کسی فرد واحد کے پیچھے اندھوں کی طرح تقلید کر رہے تھے۔ لیکن جہاں تک محمد ﷺ کی "ذات "کا تعلق ہے میں واقعی ان کی ذہانت سے متاثر تھا۔وسائل وذرائع کی کم یابی کے باوجود عرب کے دور دراز کے صحرا میں بیٹھ کر ایک گمنام انسان نے صدیوں بعد آنے والی لاکھوں کروڑوں زندگیوں پر گہرا اثر

ڈالا تھا۔ کسی پر مثبت اثر تھا کسی پر منفی۔ لیکن اثر پذیری سے انکار ناممکن ہے۔ یہاں میں مزے کی ایک بات بتاؤں، زندگی میں پیش آنے والے اکثر مواقع (جیسے والد کی وفات کے موقع پر، بہن کی شادی کے موقع پر، یا یونیورسٹی میں داخلے کے موقع پر) میں یونہی سوچتا کہ اگر میری جگہ محمد ﷺ ہوتے (بطور ذہین وفطین انسان) تو وہ اس موقع کو کیسے ہینڈل کرتے؟ دوسرے الفاظ میں اگر میرے بھی کچھ مرید ہوں اور میں انہیں اس خاص کی مناسبت سے کوئی اصولی ہدایت دینا چاہوں تو کیا دوں گا جس سے معاشرے میں مثبت تبدیلی آئے۔ اور یقین کیجیے کہ بعد میں جب بھی میں نے تحقیق کی تو میرے سوچے ہوئے اصولوں سے زیادہ قابل عمل اور قابل فہم اصول (شادی، غمی، اور زندگی کے فیصلوں سے متعلق) پہلے سے مسلمانوں کے پاس ہوتے، جو انہیں محمد ﷺ بتا کر گئے تھے۔

یہ بھی حقیقت تھی کہ میں نے پوری کوشش کی تھی کہ میری زندگی خوشیوں سے بھرپور اور پر سکون ہو، میں نے حتی الوسع زندگی کی لذتوں کو ہاتھ سے جانے کا کوئی موقع ضائع نہ کیا تھا۔ لیکن ابھی تک میرے دل میں موت کا خوف بیٹھا ہوا تھا۔ صرف اپنی موت کا نہیں، پوری دنیا کی اچانک تباہی کا خوف۔ میں وہ رات کبھی نہیں بھول سکتا جب میں نے ویب سائٹ پر ناسا کا اعلان پڑھا تھا کہ زمین کے حجم سے دوگنا سیارہ زمین کے مدار کے بالکل قریب پہنچ گیا ہے اور ہو سکتا ہے رات کے کسی پہر وہ زمین سے ٹکرا جائے۔ اتفاق کی بات یہ تھی اس رات قریبی مسجد میں مولویوں کا جلسہ ہو رہا تھا۔ ان کا مقرر جوش خطابت میں فریق مخالف کی دھجیاں اڑانے میں

مصروف تھا۔ میں کرب آگہی کا مارا عالمی تباہی کے خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور احمقوں کی وہ جماعت زور زور سے نعرے لگانے میں مصروف تھی۔اس رات مجھے شدت سے خواہش ہوئی کہ کاش مجھے بھی قیامت کا یقین ہوتا، قیامت کی علامات صغریٰ و کبریٰ پر یقین ہوتا تو آج یہ خوف مجھے لاحق نہ ہوتا۔

اس رات بھی میں نے سوچا، اس کرہ ارض پر پر سکون زندگی گزارنے کے لیے محمد ﷺ اپنے مریدوں کو کتنا اچھا لائف پیکج (علامات صغریٰ، کبریٰ) دے کر گئے ہیں، کہ اب مذہبی لوگ ڈٹ کے زندگی گزارتے اور گلے پھاڑ کے نعرے لگاتے ہیں۔

مجھے خوب یاد ہے دسمبر 2015 کو میں اپنے گاؤں میں آیا تو اپنی عادت کے مطابق شام کو گاؤں کے قریبی پہاڑ پر چلا گیا۔ ہمارا یہ گاؤں ضلع خوشاب میں دامن کوہ میں واقع ہے جسے ہم اپنی زبان میں "مہاڑ" کہتے ہیں۔شام کا وقت تھا اور میں نسبتاً ایک بڑے پتھر پہ بیٹھ کر چھوٹے چھوٹے پتھروں کو نیچے پھینک رہا تھا۔مجھے خیال آیا کہ مسلمان اللہ کو کیوں مانتے ہیں؟ کیا یہ کسی بھی طریقے سے Rational نظریہ ہو سکتا ہے؟تب میں نے سوچا، میں کہتا ہوں اس پہاڑ، اس وادی، ان چھوٹے چھوٹے پتھروں کو بنانے والا کوئی نہیں، اور مسلمان کہتا ہے اس پہاڑ، اس وادی، ان پتھروں کو ایک سپر پاور نے بنایا۔

ان دونوں نظریات میں سے عقل میں آنے والا نظریہ کون سا ہے؟ زیادہ لاجیکل، زیادہ ریشنل، زیادہ منطقی اور زیادہ عقلی نظریہ وہ ہو گا

جسے ثابت کرنا زیادہ آسان ہو گا۔ اور مجھے لگا کہ عقلی لحاظ سے یہ ثابت کرنا کہ ان چیزوں کو کسی نے نہیں بنایا، خود بخود بن گئیں، زیادہ مشکل ہے بہ نسبت اس کے کہ کہا جائے ان کو ایک سپر پاور نے بنایا۔

اس رات میں نے انٹرنیٹ پر قرآن کی ایسی آیات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے کی کوشش کی جس میں قرآن براہ راست ایتھسٹ، ملحدین کے بارے میں کچھ کہے:

What Quran says about Atheists?

لیکن حیرت کی بات کہ مجھے کفار (اللہ کا انکار کر کے دوسرے معبودوں کی پرستش کرنے والے) مشرکین، منافقین وغیرہ کے متعلق تو بہت آیات ملی، لیکن براہ راست ملحدین کے نظریے کے متعلق کوئی آیت نہ ملی۔ حالانکہ مشرکین، کفار اور منافقین سے بھی زیادہ سخت دشمنی تو ملحدین کی اسلام کے ساتھ ہے۔

مجھے ایک اور پوائنٹ مل گیا کہ چونکہ محمد ﷺ کے زمانے میں ملحدین کا وجود ہی نہ تھا اس لیے قرآن ملحدین کے ذکر سے خاموش ہے۔ کیا اللہ کو علم نہ تھا کہ بعد کے زمانے میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گا جو سرے سے اللہ تعالیٰ کا ہی منکر ہو گا؟

لیکن اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا فیصلہ کرنا چاہے اسے ناقابل یقین طریقے سے علم پہنچا دیتے ہیں۔

ان واقعات کے چند ہی دن بعد مجھے جوہر آباد سے لاہور جانے کا اتفاق ہوا تو گاڑی میں میری اتفاقاً ایک مولوی صاحب جن کی عمر 55،60

سال ہو گی، کے برابر سیٹ آگئی۔ میں کھڑکی والی سائیڈ پہ بیٹھا تھا اور ہینڈ فری لگایا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مولوی صاحب نے شاید خاموشی سے تنگ آکر مجھ سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ باتوں سے کافی خوش مزاج لگ رہے تھے۔ میں نے بھی بظاہر اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہینڈ فری نکال دیا اور ان سے باتیں کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ موصوف سرگودھا کے کسی دینی مدرسے میں حدیث کی کتابیں پڑھاتے ہیں۔ میں نے اپنی دانست میں ان کے کانوں پر دھماکہ کرتے ہوئے کہا:

بابا جی میں تے اللہ نوں نئیں مندا" اور میری توقع کے عین مطابق ان کی آنکھوں کی پتلیاں لمحہ بھر کے لیے پھیلیں پھر سکڑ گئیں۔ اب ان کے طرز گفتگو میں عجیب سی بیگانگی در آئی تھی۔ میں نے اس کی پروا کیے بغیر ان کے ساتھ دلائل کی جنگ چھیڑ دی۔ اور سب سے پہلے یہی پوچھا کہ کیا آپ کے قرآن میں ملحدین کے بارے کوئی آیت ہے؟

انہوں نے کہا کہ اس کی ضرورت ہی نہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیوں؟ کہنے لگے اس لیے کہ ہر انسان فطری طور پر اللہ کے ہونے کے یقین کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، اس کے ڈی این اے میں اللہ کی پہچان موجود ہے۔ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر بعد میں کوئی شخص اللہ کا انکار کرتا ہے تو وہ اپنے وجود کی فطرت کا انکار کر رہا ہوتا ہے۔

میں مولوی صاحب کی اس دلیل کو بآسانی رد کر سکتا تھا کہ آپ کی اس بات کا کوئی سائنسی ثبوت نہیں ہے لیکن میں خاموش ہو گیا۔ میری خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ میرا دل کہہ رہا تھا وہ سچ کہہ رہے ہیں۔ مجھے خود کئی

بار محسوس ہوتا تھا کہ اللہ کے وجود کے متعلق میرے خیالات نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ میں دوبارہ تذبذب کی کیفیت میں تھا اور میری بالکل وہی کیفیت تھی جو الحاد کا اعلان کرنے سے پہلے تھی۔ سب خیالات گتھم گتھا تھے، جیسے کوئی ڈور الجھ گئی ہو۔ میرا ایک دوست راشد رانا جو راولپنڈی کا رہائشی تھا ،میری اس حالت پر بہت متفکر تھا۔ اس کے ساتھ میری فون پر لمبی چوڑی بے مقصد اور لاحاصل بحثیں ہوتیں، وہ الوہیت کے جدید نظریے کو یونانی فلاسفہ کی پیداوار قرار دیتا تھا اور تصور اللہ کو اسی نظریے سے اخذ شدہ لیکن ناقابل فہم تصور سمجھتا تھا۔ حتیٰ کہ ہندوؤں کا بے شمار دیوتاؤں کا نظریہ بھی اس کے نزدیک کسی حد تک قابل فہم تھا کہ ایک خدا دنیا کے اتنے سارے کام اکیلے کیونکر سنبھال سکتا ہے؟

اس سے پہلے میں اپنی ایک عادت کے متعلق بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مذہب و سائنس کے موضوع پر کسی بھی کتاب میں سائنسی حقائق و نظریات کو میں بہت توجہ اور انہماک سے پڑھتا اور سمجھتا تھا لیکن اگر درمیان میں عربی میں لکھی ہوئی کوئی حدیث یا قرآن کی آیات یا ان کا ترجمہ و تفسیر آجاتی تو دل یکدم مکدر ہو جاتا، بالکل ایسے ہی جیسے کباب میں ہڈی آگئی ہو۔ میں وہ پیراگراف چھوڑ کر آگے سے پڑھنا شروع کر دیتا تھا کہ اس پیراگراف میں مسلمانوں کی فضول منطق ہی لکھی ہو گی۔ یہ عادت میری ہمیشہ سے تھی، صرف وہ آیات اور حدیثیں میں حافظے میں رکھتا تھا جو کسی بحث میں ہماری دلیل بن سکتی ہوں۔ اسی طرح کسی تقریر میں اگر کوئی مقرر سائنسی حوالوں سے بات کر رہا ہوتا تو میں اس سے کافی متاثر ہو جاتا

لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اپنی کسی تھیوری کی پختگی کے لیے کوئی حدیث یا آیت پڑھ دیتا تو ایک دم اس کا امیج میری نظروں میں گر جاتا اور میں سوچتا کہ اس کے علم کا کیا فائدہ جب یہ بھی خدا کے فرسودہ تصور کو قابل اعتنا اور مذہبی حوالوں کو اہم سمجھتا ہے۔یہی وجہ تھی کہ مولانا طارق جمیل، ذاکر نائیک ، طاہر القادری وغیرہ میری نظر میں جاہلوں کے امام تھے۔اور ان کی نسبت سے کوئی بھی بات مجھ پہ بے اثر تھی۔

لیکن عجیب بات یہ تھی کہ بس میں بیٹھے ہوئے مولوی صاحب کی یہ بات کہ انسان کبھی خدا کے تصور سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا کیونکہ خدا کا تصور اس کے DNA میں ہے، مجھ پہ گہرا اثر چھوڑ گئی۔میں آج بھی یہ مانتا ہوں کہ عقلی لحاظ سے یہ بات بالکل کمزور ہے، لیکن کچھ لمحے ایسے ہوتے ہیں جن میں انسان نہایت حقیر سی چیز کو بہت عظیم اور بہت عظیم بات کو نہایت حقیر سمجھ بیٹھتا ہے۔شاید وہ بھی ایسا کوئی لمحہ تھا۔

اگلے کچھ عرصہ تک میں انٹرنیٹ پر صرف "اللہ" کو Search کرتا رہا کہ مسلمانوں کا اللہ، حدیث اور قرآن کی روشنی میں کیسا ہے؟ اس کی کیا خوبیاں اور خامیاں ہیں اور اس کی کیا کمزوریاں مجھے مل سکتی ہیں۔وہ جو کہتے ہیں کہ ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے، میں بھی انٹرنیٹ کے ذریعے خدا کو ڈھونڈ رہا تھا۔

مجھے بے شمار ایسی ویڈیوز ملیں جن میں اللہ پر عجیب وغریب الزامات لگائے گئے تھے، کسی میں کہا گیا ہوتا کہ دراصل مسلمان چاند کو اللہ کہتے ہیں، تو کسی میں کہا جاتا کہ درحقیقت شیطان کا دوسرا نام اللہ

ہے۔(نعوذباللہ) یہ بات ذہن میں رہے کہ میں بچپن سے لے کر پندرہ سال کی عمر تک مسلمان رہا تھا۔ بچپن سے ہی میں اللہ سے متعارف ہو چکا تھا۔ میں کھلے دل سے یہ مانتا تھا کہ یہ صرف کھوکھلے الزامات تھے۔

تشکیک کا وہ مرحلہ میرے لیے بے حد اذیت ناک تھا۔ میں اکثر (اپنے گاؤں میں) پہاڑ پر جاکر بیٹھتا (وہ میری پسندیدہ ترین جگہ تھی اور ہے) اور کبھی بہت مایوسی کے عالم میں اوپر سر اٹھا کے کہتا اے اللہ، اگر تو واقعی موجود ہے تو میں تجھے صرف ایک ہفتے کا الٹی میٹم دیتا ہوں، مجھے بس ایک ہلکی سی جھلک دکھا دے، اگر یہ بھی نہیں تو کوئی معمولی سا اشارہ ہی کر دے تاکہ میں تمہیں پہچان جاؤں۔ اگر یہ امتحان ہے تو میں یہ امتحان دینے سے انکاری ہوں کیونکہ میں کمزور انسان ہوں۔ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں، تیری کوئی نشانی کوئی اشارہ پانا چاہتا ہوں۔ اور اگر تو موجود نہیں ہے تو تو جانتا ہے کہ میں پھر اسی ڈگر پہ چل پڑوں گا اور اب کی بار میں پوری طاقت سے تمہارا انکار کروں گا۔ یہ ایک بے ہودہ سی دعا تھی، لیکن میں "غیر یقینی خدا" سے اس سے اچھی دعا نہیں کر سکتا تھا۔ کبھی کبھی میں دعا کرنے کے بعد اپنے اوپر ہنسنے لگتا۔ کبھی ایسا لگتا جیسے میں نفسیاتی مریض بنتا جا رہا ہوں۔ اس خیال سے میرا دل اور پریشان ہو جاتا۔ میں اس کیفیت سے جلد از جلد نکلنا چاہتا تھا ورنہ مجھے یقین تھا کہ میں نفسیاتی بن جاؤں گا۔

ایک بار میں نے یوٹیوب پہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مناظرے پر مشتمل ایک ویڈیو دیکھی۔ یہ مناظرہ مسلم مناظر شیخ احمد دیدات اور ایک عرب عیسائی کے درمیان تھا۔ یہ ویڈیو تقریباً دو گھنٹے پر مشتمل تھی۔ میں

غیر جانبداری سے تجزیہ کرتے ہوئے ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ شیخ احمد دیدات کے دلائل بہت وزنی اور مضبوط تھے، جبکہ عیسائی مناظر کے پاس ان دلیلوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ جب یہ ویڈیو ختم ہوئی تو بے حد عجیب بات یہ ہوئی کہ مجھے اندر ہی اندر خوشی کا احساس ہوا۔ اگرچہ یہ احساس اتنا قوی نہ تھا، تاہم میں نے اپنے اندر آنے والی اس خوشی کی لہر کو محسوس کیا تھا، اور مجھے اس خوشی سے یک گونہ ناگواری محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس عیسائی مناظر کے پاس دلائل کی کمی ہوگی، ہو سکتا ہے کسی عیسائی عالم نے بعد میں انہی نکات Crucifixion, Trinity اور Resurrection پر شیخ احمد دیدات کو لاجواب کر دیا ہو۔

چنانچہ میں نے چند دنوں میں شیخ دیدات کی تقریباً ساری ویڈیوز دیکھ لیں، ان ویڈیوز سے جہاں میرے علم میں اضافہ ہوا وہاں اللہ تعالیٰ سے متعلق میرے چند انتہائی بنیادی سوالات کا بے حد شافی جواب مل گیا۔

اگر میں ان جوابات کی تفصیل اور ان پر میرا تجزیہ اسی تحریر میں لکھوں تو یہ کافی طویل ہو جائے گی، اس لیے میں اصل مقصد کی بات کی طرف آتا ہوں کہ شیخ دیدات کی چند ویڈیوز کے بعد مجھے اپنے اندر اللہ کا یقین محسوس ہونے لگا تھا۔ میں اس بات پر حیران تھا کہ یہ کتنی آسان اور سادہ سی بات تھی جسے میرا دماغ مسترد کرتا رہا۔

جب میں نے تھوڑا مزید اپنے محسوسات کو کریدا تو مجھے صاف نظر آنے لگا کہ میرا ملحد بننے کا سبب صرف دو چیزیں تھیں۔ ایک علم کی کمی، اور دوسرا احساس کمتری۔ یقین جانئے ہر ملحد کے اندر یہ دونوں چیزیں بدرجہ

اتم موجود ہوتی ہیں۔ علم کی کمی ہمیشہ ضد اور تکبر کو جنم دیتی ہے۔ اور احساس کمتری کی بھی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔

علم کی کمی کی وجہ سے ملحدین کے دلائل مجھے بہت اچھے لگے تھے، میں نے ان کی ظاہری مضبوطی دیکھ کر اپنے اندر اسلام کی نسبت احساس کمتری محسوس کی تھی۔ اور پھر مسلسل ملحدین کی مجلس نے مجھے اٹھا کر اسلام سے کوسوں دور پھینک دیا تھا۔

شیخ دیدات کی ویڈیوز میں وہ تمام پوائنٹ جو وہ عقیدہ تثلیث کے رد میں اور ایک اللہ کے اثبات میں بیان کرتے ہیں، مجھے بے حد قریب الفہم اور منطقی لگے تھے۔ اور ان پوائنٹس کی روشنی میں میں نے اپنے ذہن میں جو اللہ تعالیٰ کا ہیولا بنایا تھا وہ اس طرح سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کسی تخت پر بیٹھا ہوا قدیم زمانے کے کسی ظالم وجابر بادشاہ کی طرح ہرگز نہیں، بلکہ وہ ایک سپر انٹیلیجنٹ پاور، دنیا کے انجینئرز سے بدرجہا ارفع انجینئر، ذہین وفطین ڈاکٹروں سے بدرجہا اعلیٰ ڈاکٹر، اور عظیم سائنسدانوں کے وہم وگمان سے بھی بڑا سائنسدان ہے۔

اللہ قدیم ترین بھی ہے اور جدید ترین بھی۔ وہ دیوہیکل سیاروں کو کائنات کے ان دیکھے رستوں پہ ناقابل فہم ریاضیاتی اور فزکس کے اصولوں کے تحت دوڑانے والا بھی ہے اور انسانی جسم کی ساخت، اس کی رگ رگ میں بہترین انجینیرنگ کرکے ڈیزائن کرنے والا بھی۔ اور یہ سب کچھ کرکے وہ کہتا ہے کہ "انسان کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے" (القرآن)۔ تم ابھی اس کائنات کے ڈھانچے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہو، تم اس کے خالق کے

وجود تک کیسے پہنچ سکتے ہو؟اب میں ایک اور زاویے سے اس سارے مقدمے کو دیکھنا چاہ رہا تھا۔

اسلام کا دعویٰ ہے کہ اللہ نے ہر زمانے اور ہر شہر میں رسول بھیجے، جنہوں نے آکر "اسلام" کی دعوت دی تھی۔

اگر واقعی اللہ نے ابتدا سے انسانوں کے لیے صرف ایک دین "اسلام" پسند کیا تھا تو آج اس قدیم ترین مذہب کے آثار کہاں ہیں؟ آج کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں، جب کہ ہم ہزاروں سال قبل کی قدیم تہذیبوں کا مطالعہ کرنے اور ان کو سمجھنے کے قابل ہیں تو ہمیں ان قدیم تہذیبوں اور تباہ شدہ معاشروں میں اللہ، اسلام، مسلمان وغیرہ کے الفاظ ملنے چاہئیں، اور نہیں تو اسی خالق کی عبادت کا طریقہ ہی ملنا چاہیے اور یہ طریقہ تمام تہذیبوں میں یکساں ہونا چاہیے۔اس سلسلے میں میری تحقیق کے مطابق قدیم ترین مذہب دین زرتشتی جو 10000 قبل مسیح رائج تھا، میں تصور خدا حیرت انگیز طور پر اسلام سے مشابہ ہے۔زرتشت نے توحید کا پیغام دیا تھا، اس نے کائنات کا خالق صرف ایک ذات کو قرار دیا تھا اور اس ذات کو بعد میں اہورمزدا کہا جانے لگا۔زرتشت نے ہی اپنی قوم کو "شیطان" کا تصور دیا، لیکن بعد میں آنے والے دین زرتشتی کے پیروکاروں نے زرتشت کے مذہب کو خلط ملط کر دیا اور "شیطان" کو مبدء شر سمجھ کر اسے بھی معبود بنالیا۔اسی پر بس نہیں بلکہ دین زرتشتی میں عبادت کا طریقہ بعینہ ویسا ہے جیسا آج کے مسلمانوں کا ہے۔اس میں بھی قیام، رکوع

اور سجدہ ہے۔ لیکن افسوس بعد کے لوگوں نے اس طریقہ عبادت میں بھی اپنی ذہنی اختراعات شامل کر کے اسے اس کی اصل سے دور کر دیا۔

ایک اور قدیم مذہب ہندومت ہے۔ اگر ہندومت کی کتب کو گہرائی میں دیکھا جائے تو وہ بھی صرف ایک خالق کے ہونے کا پیغام دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ ہندومت میں عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ بدن کے آٹھ حصوں کو زمین پر ٹکا کر عبادت کی جائے۔ اور آٹھ حصوں کو زمین پر ٹکانے کا ایک ہی مطلب ہے یعنی سجدہ۔ (ماتھا، ناک، دو ہاتھ، دو گھٹنے اور دو پاؤں) جزیرہ فجی، نیوگنی اور جزائر سالومن وغیرہ میں آباد پالی نیشیا قبائل کا عقیدہ ہے کہ ان کے معبود کا نام ناروان ہے، اس نے کچھ مٹی لے کر انسان کو بنایا اور پھر اس کی ایک پسلی نکال کر عورت کو بنایا۔ سوچنے کی بات ہے کہ ان جنگلیوں کو یہ معلومات کس نے دی تھیں؟

فینقی قوم جسے 5866 قبل مسیح بخت نصر نے برباد کر دیا تھا، وہ ابتداء میں موحد تھے۔ اور ایک اعلیٰ قوت کے قائل تھے جسے وہ "ایل" (اعلیٰ) یا ایلیون (اعلیٰ ترین) کہتے تھے۔ مشہور یونانی فلسفی ارسطو (Aristotle) 3844 قبل مسیح بھی ایک خدا پر یقین رکھتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ "خدا خالص روح یا خالص تصور ہے، اس لیے خدا کے اندر مادے کا کوئی شائبہ نہیں" جہاں تک یہودی مذہب کی بات ہے تو اسلام اور یہودیت میں اتنی یکسانیت اور مشابہت ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

مشہور اسرائیلی "ربی بن ابراہامسن Rabbi Bin Abrahmsonn جو کہ اسلام اور یہودیت کے درمیان یکسانیت پر لیکچرز کے

حوالے سے معروف ہے، اپنے ایک ویڈیو پروگرام میں کہتا ہے کہ "ہماری مذہبی کتب کے مطابق یہودیت سے بھی پرانا ایک مذہب تھا، جو کہ سب انسانوں کا مشترکہ تھا، ہر پیدا ہونے والا بچہ اسی مذہب پر پیدا ہوتا تھا۔ اس مذہب کو ہماری کتابوں میں مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے، جیسے "ییروشمائن" یعنی دوزخ کی آگ سے ڈرنے والے، "بنی نوآخ" یعنی حضرت نوح کی اولاد اور ربی بن موزد کے نظریے کے مطابق اس بنیادی مذہب کو "اِزلام" بھی کہا جاتا تھا۔ اسی طرح قدیم یروشلم میں غیر یہودی لوگوں کی بہت بڑی تعداد یہودیوں کے ساتھ مل کر قربانی کرنے آتی تھی جسے وہ لوگ "قربان اشلامی" کہتے تھے۔ ان لوگوں کو "سالامائے" "مسلمائے" اور "مسلمی" کہا جاتا تھا۔ وہ مزید کہتا ہے کہ یہ ہمارے لٹریچر میں ایک واضح اشارہ ہے کہ اسلام یہودیت سے بھی قدیم تر مذہب ہے۔ آج کے اسلام کے بنیادی اصول وہی اصول ہیں جو "بنی نوآخ" لوگوں کے تھے۔ یہ مذہب بہت زیادہ قدیم ہے، یہودیت سے بھی قدیم۔ کیونکہ یہ آدم کا مذہب تھا۔ یہ ویڈیو یوٹیوب پر موجود ہے۔ چنانچہ ان سارے حوالوں کے بعد مجھے کچھ دن قبل ایک پی ڈی ایف کتاب بذریعہ ای میل ملی، جو جرات تحقیق نے مدون کی ہے، اس میں سارے قدیم مذاہب کی مختصر تاریخ اور حسب معمول اسلام کے متعلق شکوک وشبہات پھیلانے کی کوشش کی گئی تھی۔

میں وہ کتاب پڑھتا جارہا تھا اور قدیم ادیان ومذاہب میں اسلام کے تصور توحید اور تصور عبادت کو دیکھ کر ملحدین کی عقلوں پر مسکرا رہا تھا کہ

انہوں نے خود ہی مسلمانوں کے ہاتھ میں ان کے مذہب کی سچائی کی دلیل پکڑادی ہے۔

الحمدللہ، میرے دل میں اب اس بات کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی کہ میں اسلام جیسے لافانی، ازلی وابدی اور خوبصورت مذہب کو چھوڑ کر اپنی ناقص عقل کو خدا بنا کے رہوں۔ چنانچہ میں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی گزشتہ زندگی کے تمام گناہوں، لغزشوں اور گستاخیوں کی معافی مانگی۔ وہ ذات تو ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والی ہے۔ اب بھی یہ سطور لکھتے وقت میرا ضبط جواب دے رہا ہے۔

میں نے جس طریقے سے الحاد کا باقاعدہ اعلان کیا تھا اسی طرح اپنے اسلام کا باقاعدہ اعلان کرنے کے لیے میں نے کسی مولوی یا مسجد کا رخ نہیں کیا بلکہ اسی فیس بک پر آیا جہاں سے پہلی مرتبہ میں نے تشکیک کے زہر کا پہلا گھونٹ پیا تھا۔ مورخہ 18 نومبر 2016 کو میں نے پہلی بار نماز فجر پڑھی اور الحمدللہ اس وقت سے میری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ میں پچھلی زندگی کی نمازوں کی قضا بھی شروع کی ہوئی ہے۔ روزوں کی قضا بھی مکمل کرنے کا بھرپور ارادہ ہے۔

آپ سب دوستوں سے دعا ہے کہ میرے ایمان کی سلامتی کے لیے دعا فرمائیں۔ اور خاتمہ بالخیر کی بھی دعا فرمائیں۔

اے اللہ! میں تجھے گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ کوئی خالق نہیں۔ اس کائنات کو چلانے والا تیرے علاوہ کوئی نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ تیرے رسول ہیں۔ ان پر لاکھوں لاکھوں درود وسلام ہوں۔"

دوسرا باب

عقائد اسلام
عقل اور سائنس
کی روشنی میں

وجود باری تعالیٰ، واقعات

سبق آموز واقعہ:

ایک ملحد ٹیچر کلاس میں بچوں کے سامنے ریماکس دے رہا تھا: بچو! دنیا میں کوئی خدا نہیں ہے، اس لیے کہ سائنس کہتی ہے کہ جب تک کوئی چیز مشاہدے میں نہ آئے اسے تسلیم نہ کرو! اگر خدا موجود ہوتے تو نظر ضرور آتے، چونکہ وہ نظر نہیں آتے اس لیے وہ موجود بھی نہیں۔

کلاس روم میں ایک سمجھ دار طالب علم موجود تھا اس نے کھڑے ہو کر کہا: سر جی! آپ کے دماغ میں عقل ہے؟ ٹیچر نے کہا: بالکل عقل ہے۔ تب ہی تو میں یہ لیکچر آپ کو دے رہا ہوں۔ طالب علم نے کہا: جو استدلال آپ نے پیش کیا ہے اس کے مطابق آپ کے سر میں عقل نہیں ہے؛ کیونکہ سائنس کہتی ہے کہ جب تک کوئی چیز دیکھ نہ لو اسے تسلیم نہ کرو! ہمیں آپ کی عقل نظر نہیں آرہی اس لیے ہم یہی اخذ کر رہے ہیں کہ آپ کے سر میں عقل نہیں ہے۔ اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ عقل ہے تب ہی میں اتنا اچھا سا لیکچر دے رہا ہوں تو یہی استدلال یہاں بھی اپلائی ہو گا کہ خدا کا وجود اس لیے ہے کہ اتنی خوب صورت اور وسیع کائنات خود سے کبھی نہیں بن سکتی، ضرور اسے کسی بڑی عظیم ہستی نے بنایا ہے!!! یہ کائنات کسی اتفاقی حادثے کے نتیجے میں وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کا ایک خالق ہے جس نے اسے وجود بخشا ہے۔ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس بات کی دلیل ہرگز نہیں کہ وہ موجود نہیں۔ دیکھیے نا! بجلی، بخار، آواز، خوشبو، روح،

خیالات اور بے شمار چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتیں، لیکن ان کیا ان کا وجود نہیں ہے؟ سب نے بیک آواز کہا: کیوں نہیں، ضرور موجود ہیں۔

طالب علم نے کہا: اسی طرح اللہ پاک موجود ہیں اگرچہ نظر نہیں آتے۔

ذرا سوچیے! جس طرح ایک چھوٹی سی محفل کسی کے منعقد کیے بغیر سجتی نہیں تو یہ اتنی بڑی کائنات بغیر کسی ہستی کے کیسے قائم رہ سکتی ہے وہ "اللہ" ہی کی ہستی ہے۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے ایک مثال سے بات واضح کی کہ دیکھیے! ہماری آنکھوں میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں۔ اس بات کو ہم ایک مثال سے سمجھتے ہیں: سورج کی روشنی بہت تیز ہوتی ہے جب ہم اسے دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھیں چندھیا جاتی ہیں جبکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اسے ہم دیکھ نہیں پاتے تو اللہ تعالیٰ کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں اور پھر یہ بات ضروری نہیں ہے کہ جو چیز دنیا میں موجود ہے وہ نظر بھی آئے بہت سی چیزیں دنیا میں موجود تو ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتیں، جیسے: ہوا، گیس، سانس اور ٹمپریچر وغیرہ۔

طلبہ بہت خوش ہوئے جبکہ ٹیچر کا سر شرم سے جھک گیا۔ اس نے حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے طالب علم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے شاباشی دی۔ کلاس روم تالیوں سے گونج اٹھا۔

ایک بڑھیا سے کسی نے پوچھا کہ اماں جی! آپ نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟ اس نے کہا: اپنے اس چرخے سے (دور حاضر میں سلائی مشین بھی کہہ سکتے ہیں) پوچھا گیا: وہ کیسے؟ اس نے کہا: دیکھو بیٹا! میں جب تک یہ چرخا چلاتی رہتی

ہوں یہ چلتا رہتا ہے اور جیسے ہی چلانا بند کر دیتی ہوں یہ نہیں چلتا۔ میں نے سوچا کہ جب یہ چھوٹی سی چیز بغیر چلانے والے کے خود سے نہیں چل سکتی تو اتنی بڑی کائنات بغیر چلانے والے کے خود سے کیسے چل سکتی ہے؟

امام ابو حنیفہ کا ایک ملحد سے مناظرہ

امام ابو حنیفہ کے زمانے میں خلیفہ کے دربار میں ایک دہریہ آیا، اس نے کہا میں نہیں مانتا کہ خدا موجود ہے، یہ کائنات طبعی رفتار سے خود بنی ہے اور خود چل رہی ہے۔ لوگ مر رہے ہیں اور پیدا ہو رہے ہیں وغیرہ. یہ سب ایک طبعی کارخانہ ہے کوئی بنانے والا نہیں ہے، اور اس نے چیلنج کیا کہ مسلمانوں میں جو سب سے بڑا عالم ہو، اس کو میرے مقابلے میں لایا جائے تاکہ اس سے بحث کروں۔

اس زمانے میں سب سے بڑے عالم امام ابو حنیفہؒ تھے۔ خلیفہ نے امام صاحبؒ کے پاس ایک آدمی کے ساتھ یہ پیغام بھیجا کہ وہ آکر اس دہریے سے بحث کریں، اور اسے سمجھائیں اور راہ راست پر لائیں، رات کا وقت تھا، رات ہی کو خلیفہ کا دربار منعقد ہوتا تھا۔ چنانچہ آدمی پہنچا۔

بغداد میں ایک بہت بڑا دریا ہے، اسے دجلہ کہتے ہیں، اس کے ایک جانب شاہی محلات تھے، ایک جانب شہر، امام ابو حنیفہؒ شہر میں رہتے تھے اس لیے دریا پار کر کے آنا پڑتا تھا، اس نے کہا اصل میں دربار میں ایک دہریہ آگیا ہے، اور وہ دعویٰ کر رہا ہے کہ خدا کا وجود نہیں ہے، کائنات خود بخود چل رہی ہے، آپ کو مناظرہ کے لیے بلایا ہے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا: اچھا آپ جا کے کہہ دیں کہ میں آرہا ہوں، وہ آدمی واپس گیا اور کہا کہ امام صاحبؒ کو میں نے خبر کر دی ہے، وہ آنے والے ہیں۔

اب دربار لگا ہوا ہے۔ خلیفہ، امراء، وزراء بیٹھے ہوئے ہیں اور دہریہ بھی بیٹھا ہوا ہے، امام صاحبؒ کا انتظار ہے مگر امام صاحب نہیں آرہے۔ رات کافی گزر گئی امام صاحبؒ ندارد۔ دہریے کی بن آئی، اس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ ڈر گئے ہیں اور سمجھ گئے ہیں کہ کوئی بڑا فلسفی آیا ہے۔ میں اس سے نمٹ نہیں سکوں گا، اس واسطے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے اور آپ یقین رکھیں وہ نہیں آئیں گے، میرے مقابلے میں کوئی نہیں آسکتا۔ اب خلیفہ بھی متامل ہے، درباری بھی حیران ہیں اور دہریہ بیٹھا ہوا شیخی دکھا رہا ہے۔ جب رات کا ایک بجا تو امام صاحب دربار میں حاضر ہوئے، خلیفہ وقت نے تعظیم کی، تمام دربار کھڑا ہو گیا۔

خلیفہ نے امام صاحبؒ سے کہا کہ آپ اتنی دیر میں کیوں آئے؟ آدمی رات کے آٹھ بجے بھیجا گیا تھا، اب رات کا ایک بجا ہے، آخر اتنی تاخیر کی کیا وجہ پیش آئی؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک عجیب و غریب حادثہ پیش آگیا جس کی وجہ سے مجھے دیر لگی اور عمر بھر میں، میں نے ایسا واقعہ کبھی نہیں دیکھا تھا، میں حیران ہوں کہ کیا قصہ پیش آیا، اس شد و مد سے بیان کیا کہ سارا دربار حیران ہو گیا کہ کیا حادثہ پیش آگیا۔ فرمایا: بس عجیب و غریب ہی واقعہ تھا اور خود مجھے بھی ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا، کہ کیا قصہ تھا؟ جب سارے دربار کو خوب شوق دلا

دیا اور سب سر تاپا شوق بن گئے، حتیٰ کہ خود امیر المومنین نے کہا کہ فرمایئے کیا قصہ پیش آیا۔

فرمایا: ''قصہ یہ پیش آیا، جب میں شاہی محل میں آنے کے لیے نکلا تو دریا بیچ میں تھا، دریا کے کنارے پر جو پہنچا تو اندھیری رات تھی، نہ کوئی ملاح تھا نہ کشتی تھی، آنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ میں حیران تھا کہ دریا کو کس طرح پار کروں، اس شش و پنج میں کھڑا ہوا تھا کہ میں نے یہ حادثہ دیکھا کہ دریا کے اندر سے خود بخود لکڑی کے نہایت عمدہ بنے ہوئے تختے نکلنے شروع ہوئے اور ایک کے بعد ایک نکلتے چلے آرہے ہیں، میں تحیر سے دیکھ رہا تھا کہ یا اللہ! دریا میں سے موتی نکل سکتا ہے، مچھلی نکل سکتی ہے۔ مگر یہ بنے بنائے تختے کہاں سے آئے؟ ابھی میں اسی حیرت میں تھا کہ اس سے زیادہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ تختے خود بخود جڑنے شروع ہوئے، جڑتے جڑتے کشتی کی صورت ہو گئی، میں نے کہا یا اللہ! یہ کس طرح سے کشتی بن گئی، آخر انہیں کون جوڑ رہا ہے کہ اوپر نیچے خود بخود تختے لگے چلے جا رہے ہیں۔

ابھی میں اسی حیرت میں تھا کہ دریا کے اندر سے لوہے کی کیلیں نکلنی شروع ہو گئیں اور خود بخود اس کے اندر ٹھکنے لگیں اور جڑ جڑا کے بہترین قسم کی کشتی بن گئی۔ میں حیرت میں کہ یہ کیا ماجرا ہے، یہ تختے جو جڑے ہوئے تھے، ان کی درجوں سے پانی اندر گھس رہا تھا کہ دریا کے اندر سے خود بخود ایک روغن نکلنا شروع ہوا اور ان درجوں میں وہ بھرنا شروع ہوا جس سے پانی اندر گھسنا بند ہو گیا۔ ابھی میں اسی حیرت میں تھا کہ وہ کشتی خود بخود میری طرف بڑھنی شروع ہوئی اور کنارے پر آکر ایسے جھک گئی، گویا مجھے سوار کرانا چاہتی ہے، میں بھی

بیٹھ گیا، وہ خو بخود چلی اور مجھے لے کر روانہ ہو گئی، دریا کی دھار پر پہنچی، پانی ادھر کو جارہا تھا کشتی خود بخود ادھر کو جا رہی تھی، کیونکہ شاہی محلات ادھر کو تھے. میں حیران تھا کہ یا اللہ! آخر پانی کے بہاؤ کے خلاف کون اسے لے جا رہا ہے؟ یہاں تک کہ شاہی محل کے قریب کنارے پر پہنچ گئی اور آخر جھک کر پھر کنارے پر کھڑی ہو گئی کہ میں اتر جاؤں تو میں اتر گیا، پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کشتی غائب بھی ہو گئی، گھنٹہ بھر اس کنارے اور گھنٹہ بھر اس کنارے سوچتا رہا کہ یہ کیا قصہ تھا؟ یہ سانحہ جس کی وجہ سے تحیر میں کئی گھنٹے لگ گئے، اب تک سمجھ میں نہیں آیا، کیا ماجرا تھا؟ اور میں امیر المومنین سے معافی چاہتا ہوں کہ آٹھ بجے بلایا گیا اور ایک بجے پہنچا ہوں۔"

دہریے نے کہا: میں نے تو یہ سنا تھا کہ آپ بڑے عالم ہیں، بڑے دانش مند ہیں مگر بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں، بھلا یہ ممکن ہے کہ پانی میں سے خود بخود تختے نکل آئیں، خود ہی جڑنے لگیں، خود ہی کیلیں ٹھک جائیں، خود ہی روغن لگ جائے، خود آ کے کشتی اپنے آپ کو جھکا دے، آپ اس پر بیٹھ جائیں اور خود ہی لے کے چل دے، خود ہی وہ کنارے پر پہنچا دے، یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے؟ میں نے سمجھا تھا کہ آپ بڑے دانش مند، فاضل اور عالم ہیں، امام آپ کا لقب ہے اور باتیں کر رہے ہیں آپ نادانوں اور بچوں جیسی؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی کشتی بنانے والا نہیں، خود بخود بن گئی، کوئی کیلیں ٹھونکنے والا نہیں، خود بخود ٹھک گئیں، کوئی روغن بھرنے والا نہیں، خود ہی بھر گیا، کوئی چلانے والا ملاح نہیں، خود ہی چل پڑی، کوئی سمجھانے والا نہیں، خود ہی سمجھ گئی کہ مجھے شاہی محل کے اوپر جانا ہے، یہ عقل میں آنے والی بات ہے؟

امام صاحبؒ نے فرمایا: ''اچھا یہ بات نادانی اور بے وقوفی کی ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں!

فرمایا: ''ایک کشتی بغیر بنانے والے کے بن نہ سکے، بغیر چلانے والے کے چل نہ سکے، بغیر کیلیں ٹھونکنے والے کے اس کی کیلیں ٹھک نہ سکیں اور یہ اتنا بڑا جہان جس کی چھت آسمان ہے، جس کا فرش زمین ہے، جس میں لاکھوں جانور ہیں، یہ خود بخود بن گیا، خود ہی چل رہا ہے۔ میں نادان ہوں یا تم نادان ہو؟'' دہریہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

یہ واقعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سوانح پر لکھی گئی کتابوں میں کسی قدر اختصار کے ساتھ موجود ہے، کسی نے اس کو پھیلا کر دل چسپ انداز میں لکھا ہے، ہم نے افادیت کے پیش نظر کاپی کر کے کچھ حذف و ترمیم کے ساتھ یہاں نقل کر دیا ہے۔ اصل واقعہ جو بعض کتابوں میں مذکور ہے وہ یہ ہے:

معارج القبول بشرح سلم الوصول (111/1)

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى أَنَّ بَعْضَ الزَّنَادِقَةِ سَأَلُوهُ عَنْ وُجُودِ الْبَارِي تَعَالَى فَقَالَ لَهُمْ دَعُونِي فَإِنِّي مُفَكِّرٌ فِي أَمْرٍ قَدْ أُخْبِرْتُ عَنْهُ، ذَكَرُوا إِلَيَّ أَنَّ سَفِينَةً فِي الْبَحْرِ مُوقَرَةٌ فِيهَا أَنْوَاعٌ مِنَ الْمَتَاجِرِ وَلَيْسَ بِهَا أَحَدٌ يَحْرُسُهَا وَلَا يَسُوقُهَا وَهِيَ مَعَ ذَلِكَ تَذْهَبُ وَتَجِيءُ وَتَسِيرُ بِنَفْسِهَا وَتَخْتَرِقُ الْأَمْوَاجَ الْعِظَامَ حَتَّى تَخْلُصَ مِنْهَا وتسير حيث شائت بِنَفْسِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَسُوقَهَا أَحَدٌ، فَقَالُوا: هَذَا شَيْءٌ لَا يَقُولُهُ عَاقِلٌ، فَقَالَ: وَيْحَكُمْ هَذِهِ الْمَوْجُودَاتُ بِمَا فِيهَا مِنَ الْعَالَمِ الْعُلْوِيِّ وَالسُّفْلِيِّ وَمَا

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْأَشْيَاءِ الْمُحْكَمَةِ لَيْسَ لَهَا صَانِعٌ؛ فَبُهِتَ الْقَوْمُ وَرَجَعُوا إِلَى الْحَقِّ وَأَسْلَمُوا عَلَى يَدَيْهِ.

قال ابن أبي العز الحنفي - رحمه الله تعالى - في شرح الطحاوية:

(وَيُحْكَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: أَنَّ قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكَلَامِ أَرَادُوا الْبَحْثَ مَعَهُ فِي تَقْرِيرِ تَوْحِيدِ الرُّبُوبِيَّةِ. فَقَالَ لَهُمْ: أَخْبِرُونِي قَبْلَ أَنْ نَتَكَلَّمَ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ عَنْ سَفِينَةٍ فِي دِجْلَةَ، تَذْهَبُ، فَتَمْتَلِئُ مِنَ الطَّعَامِ وَالْمَتَاعِ وَغَيْرِهِ بِنَفْسِهَا، وَتَعُودُ بِنَفْسِهَا، فَتَرْسُو بِنَفْسِهَا، وَتُفْرِغُ وَتَرْجِعُ، كُلُّ ذَلِكَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُدَبِّرَهَا أَحَدٌ؟! فَقَالُوا: هَذَا مُحَالٌ لَا يُمْكِنُ أَبَدًا! فَقَالَ لَهُمْ: إِذَا كَانَ هَذَا مُحَالًا فِي سَفِينَةٍ، فَكَيْفَ فِي هَذَا الْعَالَمِ كُلِّهِ عُلْوِهِ وَسُفْلِهِ!! وَتُحْكَى هَذِهِ الْحِكَايَةُ أَيْضًا عَنْ غَيْرِ أَبِي حَنِيفَةَ.

(ص35-ط وزارة الشؤون الإسلامية)

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

1426ھ میں لکھی گئی راقم کی ایک تحریر۔۔۔جو معہد الخلیل الاسلامی کے ترجمان ماہ نامہ سلوک واحسان میں شائع ہوئی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ (ابراھیم 10)

ترجمہ: کیا اللہ کے جود میں بھی شک ہے؟

عقیدہ وجود باری، تمام مذاہب میں ایک بنیادی مسئلہ رہا ہے۔ دنیا کی ہر قوم ایک ایسی ہستی کے وجود پر یقین رکھتی ہے جو اس کائنات کو اتنے نظم ونسق اور شان وشوکت سے چلا رہی ہے۔ گویا روئے زمین کے تمام ادیان وملل اس عقیدہ پر اجماع اور اتفاق کر چکے ہیں۔

قرآن کریم میں توحید کا تو جگہ جگہ ذکر ملتا ہے لیکن وجود باری تعالیٰ، کے مسئلہ کا شاذ ونادر مواقع پر ہی ذکر ہے، اس کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں اس مسئلہ کو یہود وہنود، نصاریٰ ومجوس سب ہی مانتے تھے اور آج بھی انسانوں کی اکثریت اسے مانتی ہے؛ گویا یہ عقیدہ ہماری گھٹی میں پڑا ہوا اور ہمارے جینٹک سسٹم میں موجود ہے۔

ایک وقت تھا جب صرف دہریہ مذہب کو منکر خدا کے نام سے جانا جاتا تھا، لیکن پھر بھی علمائے اسلام نے اس چھوٹی سی جماعت کے بطلان کو واضح

کیا؛ لیکن آج کے اس دور میں جبکہ الحاد بہت پھیل گیا ہے اس پر کام کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

مادی ترقی اور اخلاقی زوال کا رشتہ

آج کا دور مادی ترقی کا دور ہے۔ آج ایک طرف مادی ترقی افزوں تر ہے، نت نئے انکشافات اور محیر العقول ایجادات کی بھرمار ہے، حضرت انسان نے چاند اور مریخ پر کمندیں ڈال دی ہیں تو دوسری طرف الحاد وزندقہ کا دور دورہ ہے خدا کی ہستی کو فراموش کیا جارہا ہے۔

مادی ترقی اور اخلاقی زوال تاریخ انسانی میں لازم ملزوم رہے ہیں۔ آج ایک طرف سائنس کی تیز رفتاری ہے تو دوسری طرف انسانیت اخلاقی اعتبار سے انتہائی پستی کی طرف رواں ہے ایسے دور میں منکرین خدا تعالیٰ کی تردید کی زیادہ ضرورت ہے۔

چونیتس (34) فی صد طلبہ الحاد کا شکار

ایک یورپین تحقیق کے مطابق کالج میں پڑھنے والے 34 فیصد طلبہ منکر خدا ہو جاتے ہیں۔

ہمارے اسلامی ممالک میں ایسی نوجوان نسل کی کمی نہیں جنہیں ان کے والدین اعلیٰ تعلیم کے خیال سے لندن اور امریکہ بھیجتے ہیں لیکن کچے ذہن کے یہ طلبہ وہاں سے ملحدانہ اور دہریانہ عقائد کے حامل بن کر لوٹتے ہیں۔ رفتہ رفتہ مسلم ممالک کا مغربی تعلیم یافتہ طبقہ بھی خدا اور دین ومذہب کی قید بندیوں سے نکلتا نظر آرہا ہے، مادی ترقی تو عروج پر ہے پر باطنی ترقی کا کسی کو خیال نہیں،

سائنس ٹیکنالوجی اور اسباب کو خالق کا درجہ دے کر حقیقی سبب کو بھلا بیٹھے ہیں اسی کو علامہ اقبالؒ نے کہا۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

ایسے نازک حالات میں ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ کہیں کائنات کو منصہ شہود پر لانے والی ہستی پر ہمارا ایمان متزلزل تو نہیں ہو رہا ہے؟

اس عقیدہ پر استحکام اس وقت پیدا ہو گا جب ہم کائنات میں ودیعت کردہ قدرت کی ان گنت نشانیوں میں غور کریں گے، آثار سے مؤثر تک پہنچیں گے، مخلوق سے خالق کو پہچانیں گے اور یہی قرآن کا بھی طرز استدلال ہے اور اسی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ (سورۃ البقرہ:164)

ترجمہ: بیشک آسمان اور زمین کی تخلیق میں رات دن کے لگاتار آنے جانے میں اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدے کا سامان لیکر سمندر میں تیرتی ہیں اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا اور اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشی اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے، اور ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع دار بن کر کام میں لگے ہوئے ہیں، ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔(آسان ترجمۂ قرآن، مفتی محمد تقی عثمانی)

شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی مدظلہم العالی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ کائنات کے ان حقائق کی طرف توجہ دلائی ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلے پڑے ہیں اور اگر ان پر معقولیت کے ساتھ غور کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں؛ چونکہ روزمرہ ان کو دیکھتے دیکھتے ہماری نگاہیں ان کی عادی ہو گئی ہیں، اس لئے ان میں کوئی حیرت کی بات ہمیں محسوس نہیں ہوتی ورنہ ان میں سے ایک ایک چیز ایسے محیر العقول نظام کا حصہ ہے جس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سوا کائنات کی کسی طاقت کے بس میں نہیں ہے، آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات جس طرح کام کر رہی ہیں، چاند اور سورج جس طرح ایک لگے بندھے نظام الاوقات کے تحت دن رات سفر میں ہیں، سمندر جس طرح نہ صرف پانی کا ذخیرہ کئے ہوئے

ہے؛ بلکہ کشتیوں کے ذریعے خشکی کے مختلف حصوں کو جوڑے ہوئے ہے اور ان کی ضرورت کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہا ہے، بادل اور ہوائیں جس انداز میں انسانوں کی زندگی کا سامان مہیا کر رہے ہیں ان سب چیزوں کے بارے میں بدترین حماقت کے بغیر یہ سمجھنا ممکن نہیں ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود کسی خالق کے بغیر ہو رہا ہے۔"

علامہ آلوسیؒ اس آیت کے تحت نقل فرماتے ہیں:

ویل لمن قرأها ولم یتفکر فیها (روح المعانی 33/2)

یعنی ہلاکت ہو اس کے لیے جو یہ آیت پڑھے اور غور نہ کرے۔

آیئے! ہم سورۃ بقرہ کی اس آیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان میں غور کریں:

آسمان میں وجود باری تعالیٰ کے دلائل

اس آسمان کے نیچے بسنے والے ہمارے نظام شمسی اس کے 10 سیاروں اور اس جیسے ہزاروں نظام شمسی اور ان کے سیاروں، ستاروں پھر ان کے کم اور زیادہ چاند اور ان کا اپنے اپنے سیاروں کے گردش سیاروں کی سورج کے گرد گردش، پھر ان پر لیل ونہار دن مہینے اور سال کا عظیم فرق ان کے رنگ، اسباب کے درجہ میں ان کی تاثیر اور ان کے اس مضبوط نظم ونسق پر غور کریں!

ہمارے نظام شمسی کے علاوہ دوسری کہکشاؤں، ستاروں دمدار ستاروں اور شہاب ثاقب پر غور فرمائیں کس منظم انداز سے چل رہے ہیں پھر یہ لامحدود خلا بھی قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔

امریکن خلانورد جان گلین (Red john glenn) اپنے ایک مقالے میں لکھتا ہے:

" یہی ایک واحد شئی ہے جو خلا میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز و محور سے وابستہ رکھتی ہے۔"

آگے جہاز کو قطب نما کی ضرورت پیش آنے کے متعلق لکھتا ہے:

"وہ قوت جو قطب نما کو متحرک رکھتی ہے۔ ہمارے تمام حواس خمسہ کے لیے ایک کھلا چیلنج ہے اسے ہم نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں نہ چکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں، حالانکہ نتائج کا ظہور واضح دلالت کرتا ہے کہ کوئی پوشیدہ قوت ضرور موجود ہے۔(معارف القرآن)

اندازہ لگائیں کہ یہ آسمان کتنا بڑا ہو گا لیکن غور کریں کیا ہمیں کہیں ستون دکھائی دیتے ہیں؟ایک چھوٹی سی کٹیا بغیر ستونوں کے قائم نہیں رہ سکتی لیکن عجب شان ہے اس قادر کی جس نے اتنے بڑے آسمان کو بغیر ستونوں کے قائم کر دکھایا۔

زمین میں وجود باری کے دلائل

زمین کی خشکی پر جن نظر نواز مناظر کا سامان ہے اس میں غور فرمائیں یہ سبزہ و سمن، دل کش بلندیاں، رنگا رنگ بستیاں، فراز کوہ سے گرتی ہوئی نغمات گاتی ندیاں، بنجر زمینیں، گھٹاؤں میں لپٹی ہوئی کوہستانی سلوٹیں، خوب صورت

کہساروں کی حسین اونچائی، ان کی رنگا رنگی، اپنے دامن میں لیے ہوئے غاروں کی رعنائی یہ سب وجود باری پر ناطق ہیں۔

پہاڑی سلسلوں میں وادی جاوا جسے وادی موت سے موسوم کرتے ہیں قابل غور ہے، اس میں جو جان دار گیا واپس نہیں آیا کتنے ہی جان داروں کی ہڈیاں اور کپڑے وہاں ملتے ہیں، یہ ایک خاص قسم کے زہریلے درخت، یا آتش فشاں پہاڑوں کی زہریلی گیس کا اثر ہے جو قدرت نے انہیں ودیعت کیا۔

ان لہلہاتے کھیت اور مسکراتے نباتات میں عجائب کا کیا ہی بیان ہے؟ پھولوں کی خوش نمائی، پتوں کی دل ربائی کتنی حسین لگتی ہیں؟ ہر درخت کی سبزی دوسرے سے مختلف، پتوں کی لکیریں دوسرے پتوں سے مختلف، ہوا سے غذا حاصل کرنے والے پودوں پر معلق پودے جن کی جڑیں زمین میں نہیں ہوتیں۔

بیروت میں پائے جانے والے انسان اور چڑیا کی شکل کے پودے، چھوئی موئی کا درخت کہ جو حرکت یا چھونے سے سکڑ جاتا ہے۔ نباتاتی گھڑی، جانوروں اور مکھیوں کو شکار کرنے والے نباتات اور بے پناہ نشانیاں یہ سب قادر مطلق کے وجود پر دلالت کرنے والی ہیں۔

اب تو خوردبین (مائکرواسکوپ) کی کرشمہ سازی نے تو دیواروں اور پانی کی سطح پر تیرتی ہوئی کائی اور سبز غبار میں جنگلات اور مرغزاروں کو دریافت کرلیا ہے۔ جن میں ہر قسم کے پھل، پھول، درخت، بیلیں اور ان کے پتوں کا تفاوت بھی معلوم ہوا ہے۔ (تفصیل کے لیے اسلام اور سائنس ترجمہ الرسالتہ الحمیدیہ 383 تا 288 ملاحظہ فرمائیں)

کشتی، بحری جہازوں اور سمندر میں وجود باری تعالیٰ کی نشانیاں

ہماری اس زمین کا 75 فیصد حصہ پانی ہے اسے آپ بحر محیط کہہ سکتے ہیں پھر 25 فیصد خشکی میں بھی پانی کے ذخیرے ہیں، سوائے چند ذخیروں کے سارا بحر محیط نمکین پانی ہے اگر یہ پانی میٹھا ہوتا نمکین اور کڑوا نہ ہوتا تو تابکاری اثرات، آلائشوں اور سمندری مخلوق کی وجہ سے بہت پہلے خراب ہو چکا ہوتا یہ خالق کی کرم نوازی ہے جو اسے کڑوا بنایا ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ (الرحمٰن 19.20)

ترجمہ: اسی نے دو سمندروں کو اس طرح چلایا کہ وہ دونوں آپس میں مل جاتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے دریاؤں کو اس طرح ملا کر چلایا ہے کہ ایک میٹھا ہے جس سے تسکین ملتی ہے، اور ایک نمکین ہے، سخت کڑوا۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور ایسی رکاوٹ حائل کر دی ہے جس کو (دونوں میں سے) کوئی عبور نہیں کر سکتا۔

دنیا کے متعدد ساحلوں پر ہر شخص اس نظارے کو دیکھ سکتا ہے کہ درمیان میں ایک دھاری سی نظر آتی ہے اس کے ایک پار میٹھا پانی ہوتا ہے اور دوسرے پار کڑوا، کڑوے پانی میں طوفانی تلاطم ہوتا ہے اور میٹھا ساکن۔

شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہم فرماتے ہیں:

"دریاؤں اور سمندروں کے سنگھم پر یہ نظارہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دو الگ الگ قسم کے پانی ساتھ ساتھ چلتے ہیں؛ لیکن ایک دوسرے میں گڈ مڈ نہیں ہوتے، بلکہ دور تک ان کی خصوصیات الگ الگ دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہیں، یہی وہ عجیب و غریب آڑ ہے جو دونوں کو ایک دوسرے کی سرحد عبور کرنے نہیں دیتی۔"

چاٹگام، باریساں اور گجرات میں ڈابھیل سملک ضلع سورت یہ ایسی جگہیں ہیں جہاں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ (بیان القرآن: ج8 ص55 تفسیر عثمانی: ص472 معارف القرآن: ج6 ص479)

سائنسی تحقیق

کوسٹو (Kusto) ایک بڑا فرانسیسی سائنسدان ہے پانی کی تحقیقات میں مشہور ہے اس نے اس بارے میں بہت تحقیق کی کہ ایک سمندر کا رنگ مختلف ہے، دوسرے کا اس سے مختلف ہے، دونوں آپس میں ملتے کیوں نہیں؟ اس نے تحقیق کے بعد یہ دریافت کیا کہ بحیرہ روم اور بحیرہ اوقیانوس اٹلانٹک کیمیاوی اور حیاتیاتی لحاظ سے بہت مختلف ہے وجہ یہ بیان کی جبرالٹر (قدیم جبل لطارق) کے جنوبی ساحلوں (مراکش) اور شمالی ساحلوں (اسپین) سے بالکل غیر متوقع طور پر میٹھے پانی کے بہت بڑے چشمے ابلتے ہیں، یہ چشمے ایک دوسرے کی طرف 45 ڈگری زاویہ پر تیزی سے بڑھتے ہوئے ایک ڈیم نما کنگھی کے دندانوں کی شکل

اختیار کرلیتے ہیں، یہ دونوں پانی میں آڑ بن جاتی ہے جس کی وجہ سے بحیرہ روم اور اٹلانٹک ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے۔

اس تشخیص کے بعد جب سورہ رحمٰن کی مذکورہ آیات دکھلائی گئی تو بے حد حیران ہوا اور قرآن کی عظمت کی تعریف کرتے ہوئے مسلمان ہو گیا۔

سمندر کی مخلوق خشکی کی مخلوق سے زیادہ، سمندری پھول زمینی پھولوں سے انتہائی خوب صورت، سمندری موتی اور مونگے زمینی جواہرات سے اعلیٰ درجہ، سمندری پہاڑ ٹیلے صحراسب خالق کے وجود کی نشانیاں ہیں۔ سمندر کی اندھیری گہرائیوں میں 30 مختلف رنگ دیتی ہوئی لاتعداد مچھلیوں اور اعلیٰ درجہ سمندری پہاڑ، ٹیلے، صحراسب خالق کے وجود کی نشانیاں ہیں سمندر کی اندھیری گہرائیوں میں 30 مختلف رنگ دیتی ہوئی لاتعداد مچھلیوں اور نیلے رنگ کی مکڑیوں نے طلسماتی سماں پیدا کیا ہوتا ہے۔

سمندری انسان سمندری کتا اور خنزیر کوئی پہیلیاں نہیں، شاید حقیقت ہیں، تبھی علامہ دمیری متوفی 808ھ نے حیوۃ الحیوان میں اور ھدایہ ص 442 جلد 4 پر بھی ان کا ذکر علامہ مرغینانی نے کیا ہے۔

دنیا میں جتنی تجارت ہوتی ہے اکثر حصہ کا دارومدار بحری جہازوں اور راستوں پر منحصر ہے اگر یہ نہ ہوں تو دنیا کا کاروبار ٹھپ ہو جائے۔

لیل ونہار میں وجود خداوندی کے دلائل

دن رات کی مختلف حالتوں کو دیکھیے! دن سراپائے روشنی ہے تو رات تاریکی کی بستی۔ اگر دن میں روشنی ہی روشنی ہوتی، رات کی تاریکی نہ ہوتی یا تاریکی کو دوام ہوتا دن کی سفیدی غائب ہوتی توزندگی کس قدر بے کیف ہوتی؟

دھوپ سے لدی ہوئی دن کی ساعتوں میں جو احساس ہوتا ہے آسمان کی قندیلوں سے مزین راتوں میں آپ کا وجدان اس سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ پھر دن کو دیکھیے کہ کاروباری سرگرمی ہے رات کو دیکھیے کہ سبھی بستر پر خوابیدہ ہیں، نیند صحت کی جان ہے۔

روشنی میں نیند کم آتی ہے اگر آتی ہے تو آنکھ جلد کھل جاتی ہے اگر اللہ نیند کو رات کے بجائے دن میں رکھتے تو کتنی دقت ہوتی؟ تمام ذی روح کی نیند ایک وقت میں جبری کردی گئی ہے کیونکہ اگر ہر انسان کے نیند کے اوقات مختلف ہوتے تو جس وقت کچھ لوگ سونا چاہتے دوسرے لوگ کاموں میں مشغول ہوتے تو شوروشغب اور مزدوروں کی چلت پھرت ان کی نیند میں خلل انداز ہوتی، انسان کی ہزاروں حاجتیں دوسرے سے متعلق ہوتی ہیں۔ اگر آرام کے اوقات مختلف ہوتے تو باہمی اس تعاون میں شدید حرج ہوتا۔

وجود باری تعالی کے سائنسی دلائل:(scientific evidence)

وجود باری تعالی کے سائنسی دلائل بے شمار ہیں۔ اہل علم ان دلائل میں اضافہ کرتے رہیں گے، تاہم یہاں وہ چند دلائل بیان کیے جارہے ہیں جو راقم کی

نظر سے گزرے۔ ان دلائل کو نمبر وار بیان کیا جارہا ہے تاکہ ہضم کرنے میں آسانی رہے۔

1۔سائنس غلطی سے پاک نہیں:

ایک ہے سائنس کا تجربہ (experiment) اور مشاہدہ اور دوسری چیز ہے ان مشاہدات سے استنباط کیے گئے مفروضے اور تھیوریز (theories)۔

☜ پہلی بات یہ ہے کہ غلطی کا امکان دونوں میں رہتا ہے گو مشاہدے میں غلطی کا امکان کم ہے لیکن بہر حال غلطی کا امکان اس میں بھی ہے۔ خود سائنس کی تاریخ میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ مثلاً: گزشتہ عشروں میں جب کم طاقت کی دور بینوں سے آسمان کا مشاہدہ کیا گیا تو بہت سے ایسے اجسام مشاہدے میں آئے جو پھیلے ہوئے نور کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ یہ ایک مشاہدہ تھا جس کے بل پر یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ یہ گیس کے بادل ہیں جو ستارہ بننے کے پہلے کے مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ مگر جب مزید طاقت ور دور بینیں ایجاد ہوئیں اور ان اجسام کو قریب سے دیکھا گیا تو نظر آیا کہ یہ گیس کے بادل نہیں بلکہ بے شمار ستاروں کا مجموعہ ہے جو غیر معمولی دوری کی وجہ سے بادل کی مانند نظر آرہا تھا۔ معلوم ہوا کہ مشاہدے میں غلطی ہو سکتی ہے۔

توجب مشاہدے میں غلطی ہو سکتی ہے تو مشاہدات و تجربات سے حاصل شدہ قیاس و استنباط میں غلطی کے امکانات تو اور بھی زیادہ ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سائنس کی بیان کردہ ہر چیز قطعی نہیں، بلکہ غلطی کا امکان ہر وقت موجود ہے۔

2۔ کیا سائنسی تھیوریز اور قوانین قطرت غیر مرئی نہیں؟

دوسری بات جو اصل میں مطلوب ہے کہ مشاہدہ نظر آنے والی چیزوں کا کیا جاتا ہے لیکن سائنس دان، ان سے قدرت کے جن قوانین کا استنباط کرتے ہیں وہ سب غیر مرئی ہوتے ہیں۔

پانی ایک رقیق اور سیال چیز ہے۔ یہ ایک مشاہدہ ہے، آنکھوں سے نظر آنے والی حقیقت ہے مگر یہ فارمولا کہ پانی کا ہر مالیکیول (molecule) ہائیڈروجن (hydrogen) کے دو ایٹم (atoms) اور آکسیجن (oxygen) کے ایک ایٹم پر مشتمل ہوتا ہے، یہ فارمولا ہمیں کسی خوردبین سے بھی نظر نہیں آسکتا۔

- کشش ثقل کو آج تک کس نے دیکھا ہے؟
- انرجی کو کس نے دیکھا ہے؟
- ایٹم اور اس کے اجزا کا کس نے مشاہدہ کیا ہے؟
- نیچر کیا ہے؟ کس نے نیچر کا مشاہدہ کیا ہے؟
- قدرت کے اٹل اصولوں کا کب کسی نے مشاہدہ کیا ہے؟

کوئی سائنس دان نہیں جانتا کہ قدرت اور نیچر کیا ہے؟ بس اندھا اعتقاد بلکہ ایمان بالغیب ہے۔ سو آپ کا ایمان بالغیب قوانین قدرت پر ہے اور مذہب کا ایمان بالغیب ان قوانین قدرت کے محرک اور خالق پر ہے۔ بتایئے کس کی بات میں زیادہ وزن ہے؟

3۔ سائنس جزئیات و تفصیلات بتاتی ہے، مکمل حقائق نہیں؟

سائنس کے تجربات و مشاہدات ہمیں جو چیزیں بتاتے ہیں وہ پہلے سے موجود واقعات کی تفصیلات اور جزئیات ہوتی ہیں، مکمل حقائق نہیں۔ مثلاً: قدیم علم اتنا تھا کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے۔ اب سائنس اسی کی مزید تفصیلات بیان کر دیتی ہے کہ پہلے بخارات اٹھتے ہیں جس سے بادل بنتے ہیں پھر ہوائیں انہیں آگے لے جاتی ہیں اور جب منفی اور مثبت قوتوں والے بادل آپس میں ٹکراتے ہیں تو بجلی اور کڑک پیدا ہوتی ہے اور بارش ہوتی ہے۔ قدیم انسان نظام ہضم کے بارے میں مجمل سی معلومات رکھتا تھا، سائنس نے اسی کی مزید تفصیل کر دی ہے اور مکمل جزئیات کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ غذا انسانی جسم میں داخل ہونے کے بعد کس عجیب و غریب اور خود کار نظام کے تحت مختلف مراحل سے گزرتی ہے۔ کائنات کی وسعتوں کے بارے میں انسانوں کو پہلے اتنی تفصیلی معلومات نہ تھیں جتنی اب ہیں۔ یہی حال تمام علوم و فنون کا ہے۔ بگ بینگ بھی صرف تخلیق کائنات کا ممکنہ عمل بتاتا ہے کہ شاید کائنات اس طرح دھماکے سے وجود میں آئی ہو گی اور اس کی تفصیلات و جزئیات یہ رہی ہوں گی۔

اگر آپ غور کریں تو سائنس صرف تفصیلات بیان کرتی اور ان کے پیچھے کار فرما قوانین قدرت کا کھوج لگاتی ہے، سائنس یہ ہر گز نہیں بتاتی کہ دنیا میں موجود اس منظم اور محیر العقول کائنات، اس کی وسعتوں اور ان کے پیچھے موجود قوانین فطرت کا واضع (creator) کون ہے اور اس کا ان سے کیا مقصد ہے؟ جیسے کسی مشین کے اوپر ایک ڈھکن لگا ہوا ہو تو ہم صرف یہ جانتے ہیں مشین چل رہی ہے لیکن اگر ڈھکن اتار دیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ باہر کا چکر اندر کے

ایک چکر کی وجہ سے چل رہا ہے اور وہ چکر بھی بہت سے پرزوں کے ساتھ مل کر حرکت کرتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ ہمیں مشین کے بارے میں مکمل جانکاری مل جائے؛ لیکن کیا اس جانکاری کے بل پر ہم یہ دعوی کرسکتے ہیں کہ یہ مشین خود بن گئی تھی؟

اسی طرح کائنات کی بعض جھلکیاں دیکھ لینے سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ یہ کائنات خود بن گئی ہے؟

یہ مذہب ہی ہے جو بتاتا ہے کہ اس نظام کے خالق اللہ تعالی ہیں جس نے یہ تمام کائنات اور اس کے خودکار قوانین وضع کیے اور اسی نے امتحان کے لیے ہمیں دنیا میں بھیجا ہے۔

4-اشیاء کی ابتدا و انتہا کس کا پتا دیتی ہے؟

سائنس تسلیم کرچکی ہے کہ کائنات اپنا آغاز رکھتی ہے اور ایک وقت آئے گا کہ کائنات فنا ہو جائے گی۔ بگ بینگ کائنات کے آغاز کو بتاتا ہے۔ آئن اسٹائن (Einstein) کہتا ہے کہ کائنات غبارے کی طرح پھیل رہی ہے اور آخر کار غبارے کی طرح پھٹ جائے گی۔ قانون ناکارگی ہمیں باور کراتا ہے کہ کائنات کی ناکارگی بڑھ رہی ہے، ایک وقت آئے گا کہ تمام موجودات کی حرارت یکساں ہو جائے گی اور کوئی کارآمد توانائی باقی نہیں رہے گی اور زندگی بھی اسی کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔

جب کائنات اپنا آغاز رکھتی ہے تو یہی نکتہ خدا کی صداقت کو ثابت کردیتا ہے، کیونکہ جو چیز اپنا آغاز رکھتی ہو وہ اپنے آپ شروع نہیں ہوسکتی۔

یقیناًوہ ایک محرک اول، ایک خالق، ایک خدا کی محتاج ہے۔اس قانون کو Entorpy کا قانون کہتے ہیں۔

کائنات کے وجود کو اتفاق کہنا حقائق کی نفی کرنا ہے؟

منکرین خدا، اتفاق اور اچانک ہو جانے والے حادثے کے فارمولے سے کائنات کا وجود ثابت کرتے ہیں۔حالانکہ یہ محض ایک لغو بات ہے۔ آج تک کے علوم ایسے کسی اتفاق سے قطعاناواقف ہیں جس کے نتیجے میں اتنا عظیم، اس قدر بامعنی اور مستقل واقعہ وجود میں آجائے جیسی کہ یہ کائنات ہے۔پروفیسر ایڈون(professor Edwin) کے الفاظ میں "زندگی کا بذریعہ حادثہ وجود میں آجانا ایسا ہی ہے جیسے کسی پریس میں دھماکا ہو جانے سے ایک ضخیم لغت کا تیار ہو جانا۔"

امریکی ماہر عضویات ایم۔بی۔ کریڈ لکھتا ہے:

"تخلیق کے ضروری اسباب کا صحیح تناسب کے ساتھ اتفاقاً اکٹھا ہو جانے کا امکان ریاضیاتی طور پر قریب قریب نفی کے برابر ہے۔"

◘ امریکی عالم طبیعیات جارج اول ڈیوس کہتا ہے:

"اگر کائنات خود اپنے آپ کو پیدا کر سکتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ اپنے اندر خالق کے اوصاف رکھتی ہے۔ایسی صورت میں ہم یہ ماننے پر مجبور ہوں گے کہ کائنات خود خدا ہے۔اس طرح اگرچہ ہم خدا کے وجود کو تو تسلیم کر لیں گے لیکن وہ نرالا خدا ہو گا جو بیک وقت مافوق الفطرت بھی ہو گا اور مادی بھی۔میں اس طرح کے کسی مہمل تصور کو اپنانے کے بجائے ایک ایسے خدا پر عقیدے کو ترجیح دیتا ہوں جس نے عالم مادی کی

تخلیق کی ہے اور اس عالم کا وہ خود کوئی جزو نہیں بلکہ اس کا فرماں روا اور ناظم و مدبر ہے۔"

5۔مادی ذہن غیر مادی چیز کو سمجھنے سے قاصر ہے

سائنس مادے سے بحث کرتی ہے جبکہ خدا اور عالم آخرت غیر مادی چیزیں ہیں۔ مادی چیزوں سے بحث کرنے والا غیر مادی چیز سے بحث کرے گا تو یقیناً غلط نتیجہ ہی نکالے گا۔اس لیے سائنس کو یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ رسول اور آخرت سے بحث کرے۔ماہرِ طبیعیات کا الٰہیات میں دخل اندازی کرنا ایسا ہے جیسے درزی کا انجینئرنگ میں رائے دینا اور ایک معالج کا کاشت کاری کے امور میں رائے دینا۔

6۔اے انسان! کیا اپنا کیا ہوا وعدہ بھول گئے؟

آگسٹ کامٹے (جو انیسویں صدی کا فرانسیسی مفکر گزرا ہے) کہتا ہے:

"تاریخی لحاظ سے انسان فکری طور پر تین مراحل سے گزرا ہے۔تاریخ کے بالکل ابتدائی دور میں انسان خدائی طاقتوں کا قائل تھا۔"

اس کے بعد کامٹے نے دوسرے دو مرحلے بھی بیان کیے لیکن اس سے ہمیں فی الحال کوئی سروکار نہیں،اس لیے ہم انہیں ذکر بھی نہیں کر رہے، ہمارے سامنے ابھی یہ بات ہے کہ کامٹے کے تجزیے سے کم از کم یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسان اپنی اصل کے لحاظ سے خدا کا قائل ہے اور دراصل یہی اصل فطرت ہے،اس فطرت کو دور جدید مسخ کرنے کے درپے ہے لیکن وہ مسخ کر نہیں پائے گی۔خدا کے وجود پر ایمان ایک طرح سے انسان کی جنیٹنگ

کوڈنگ میں موجود ہے۔ ہر دور میں عالمگیر طور پر سب ہی خدا کو مانتے آئے ہیں، اس لیے اس کا انکار اپنی اصل اور فطرت سے آنکھیں چرانا ہے۔

تعصب کی عینک اتار کر تو دیکھ، وہ سمجھ میں نہ آیا تو کہنا!

بہت سے سائنس دان ڈھکے چھپے الفاظ میں اللہ تعالی کے وجود کا اعتراف کر چکے ہیں لیکن آزادی سلب ہونے کا خوف، مخصوص طرز فکر پر جمود، تعصب اور سائنسی سماج انہیں اس حق کی طرف آنے نہیں دیتا۔

وحید الدین خان اپنی کتاب "علم جدید کا چیلنج" میں ص 54،53 پر لکھتے ہیں:

"جیمز جینز نے اپنی کتاب "پر اسرار کائنات" کے آخر میں نہایت صحیح لکھا ہے کہ ہمارے جدید ذہن، واقعات کی مادی توجیہ کے حق میں ایک طرح کا تعصب رکھتے ہیں۔

وھٹکر چیمبر ز نے اپنی کتاب "شہادت" میں لکھا ہے:

میں ایک بار اپنی بچی کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر بچی کے کان پر پڑی اور غیر شعوری طور پر وہ اس کی ساخت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا "یہ کتنی غیر ممکن بات ہے کہ ایسی پیچیدہ اور نازک چیز محض اتفاق سے وجود میں آجائے، یقینا یہ پہلے سے سوچے سمجھے نقشے کے تحت ہی ممکن ہو سکی۔" مگر پھر اس نے بہت جلد ہی یہ خیال اپنے دل سے نکال دیا کیونکہ اسے احساس ہوا کہ اگر وہ اس کو ایک منصوبہ مان لے تو اسے منصوبہ ساز یعنی خدا کو بھی ماننا ہو گا۔ اور یہ اس کے لیے ایک ایسا تصور تھا جسے قبول کرنے کے لیے ذہن آمادہ نہ تھا۔

اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے ٹامس ڈیوڈ پارکس لکھتا ہے:

"میں اپنے پروفیسروں اور ریسرچ کے سلسلے میں اپنے رفقائے کار میں بہت سے سائنس دانوں کے بارے میں جانتا ہوں کہ علم کیمیا اور طبیعیات کے مطالعے و تجربے کے دوران انہیں بھی متعدد مرتبہ اس طرح کے احساسات سے دوچار ہونا پڑا۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى (ابراھیم۔آیت 10)

ترجمہ: "کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تمہیں بلا رہا ہے تاکہ تمہارے قصور معاف کرے اور تم کو ایک مدتِ مقرر تک مہلت دے۔"

غور کیا جائے تو زمین و آسمان، چاند، سورج، دن رات، خشکی پانی، نباتات جمادات، بادل، فضا، خلا اور تمام ہی مخلوقات بلکہ ذرہ ذرہ کے اندر اللہ رب العزت کی ان گنت نشانیاں ہیں۔ کائنات کی ابتدا سے لے کر انتہا تک ہر چیز انتہائی خوب صورت ہے اور ایسے بے مثال نظم و ربط سے قائم ہے کہ مادے جیسی بے عقل چیز کی طرف اس کی نسبت کو سوائے حماقت اور تجاہل عارفانہ کے کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔

وجود باری تعالیٰ اور قدرت کی ان گنت خوب صورتیوں کو جاننے کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

1- علم جدید کا چیلنج (مؤلف: مولانا وحید الدین خان)

2- قرآن کے سائنسی انکشافات (ڈاکٹر ولی رازی)

(سلوک و احسان میں شائع شدہ مضمون یہاں تک مکمل ہو گیا۔)

بگ بینگ اور قرآن کریم

یہ مضمون بندے کے دروس قرآن "تفسیر سورۃ الانبیاء" سے ماخوذ ہے۔ ہمارے یوٹیوب چینل پر مکمل قرآن پاک کی درسی تفسیر موجود ہے۔ شائقین سماعت فرماسکتے ہیں۔

بگ بینگ، کائنات کی پیدائش کے بارے میں پیش کیا جانے والا ایک سائنسی نظریہ ہے جس کے معنی ہیں: عظیم دھماکا۔ اس کے مطابق آج کے دور سے تقریبا14 ارب سال پہلے، جب کائنات کا سارا مادہ ایک نقطے میں بند تھا ،ایک عظیم الشان دھماکا ہوا تھا، جس سے یہ مادہ پھیلنا شروع ہوا اور مختلف کہکشائیں، ستارے اور سیارے وجود میں آئے۔ امریکی ماہر فلکیات ایڈون ہبل نے کائنات کے پھیلاؤ کا نظریہ پیش کیا اور کہا کہ کائنات عدم سے معرض وجود میں آنے کے بعد سے مسلسل پھیل رہی ہے۔

اس نظریے کو مقبولیت حاصل ہوئی اور سائنس دانوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور اس میں مختلف تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔

جہاں تک اسلامی عقیدہ کی بات ہے تو قرآن ہمیں واضح طور کائنات کے پھیلاؤ کے بارے میں بتاتا ہے:

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ۔ (ذاریات47)

ترجمہ: ہم نے آسمان کو ایک خاص قدرت سے بنایا اور یقینا ہم وسعت پیدا کرنے والے ہیں۔

گویا اس کائنات کی تخلیق اور مسلسل وسعت پذیر ہونا خود بخود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کو اپنی قدرت سے بنانے والے ہیں۔ دنیا میں ہونے والے سب تصرفات اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور یہ اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔

{أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (81) إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ} [یس: 81،82]

ترجمہ: اور جس نے زمین آسمان پیدا کیے ہیں کیا وہ قادر نہیں ہے کہ ان جیسے آدمیوں کو دوبارہ پیدا کر دے ضرور قادر ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا تو معمول یہ ہے کہ اس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا آیتیں ثابت کرتی ہیں کہ کائنات ازل سے نہیں تھی، بلکہ اس کو اللہ رب العزت نے اپنے "کن" سے تخلیق کیا، اگر ضد وعناد کو ایک طرف رکھ کر انصاف سے دیکھا جائے تو بگ بینگ کا نظریہ، ملحدین اور منکرین خدا کی تائید نہیں، بلکہ تردید کر رہا ہے۔ کائنات عدم سے وجود میں آئی نہیں، لائی گئی ہے اس کے پیچھے اللہ کی قدرت کا دخل ہے، جس نے تخلیق کے ارادے سے اپنے "کن" کے ذریعے اس کو وجود بخشا اور پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

مسلمہ اصول ہے کہ ہر حرکت کے پیچھے اس کا کوئی محرک (حرکت پیدا کرنے والا) ہوتا ہے جو اس کو نظم وترتیب کے ساتھ حرکت دیتا ہے اور اس کو آگے بڑھاتا ہے اور اگر اس کے ساتھ کوئی محرک نہ ہو تو حرکت اور عمل

نامکمل، بے ترتیب رہ جاتا ہے؛تو انسان جب اس عالم کو دیکھتا ہے تو اس میں ایک غیر معمولی نظم اور اصول نظر آتا ہے جو دلالت کرتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جو اپنے علم سے اس میں کام کررہا ہے؛لهٰذا ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ کائنات کی تخلیق کے وقت اتنا عظیم دھماکا(بشرطیکہ وہ واقعی کوئی دھماکا ہو!) اور اس کے بعد پے درپے تبدیلیاں کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہوسکتیں، یا یہ سب بغیر کسی خالق کے خود وجود میں نہیں آسکتا، جیسا کہ منکرین خدا کا گمان ہے، بلکہ ان سب کے پیچھے ایک ذات عالی ہے جو عظیم طاقت اور قدرت کا مالک ہے، جس نے اس جہاں کو بنایا اور منظم طریقے سے اس کو چلارہا ہے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا

فَفَتَقۡنٰہُمَا وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ (انبیاء 30)

ترجمہ:جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ سارے آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے انہیں کھول دیا۔ اور پانی سے ہر جاندار چیز پیدا کی ہے؟ کیا پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے؟

رتق اور فتق کے معنیٰ

رَتقًا:بند، ملے ہوئے۔ فَفَتَق: کھولنا

آج کے سائنسی دور میں اس آیت کی بڑی اہمیت ہے۔ آسمان زمین پہلے بند تھے ہم نے ان کو کھول دیا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

1- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، تفسیر در منثور میں یہ روایت آتی ہے اور علامہ نسفیؒ نے بھی اس کو لکھا ہے کہ آسمان بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بارش رک جاتی ہے۔ اور کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بارش برساتا ہے۔ اور زمین بند ہونے کا مطلب ہے کہ قحط سالی آجاتی ہے اور کو کھول دیتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ وہ اس پانی کو چوس لیتی ہے اور دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے۔

2- اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ آسمان الگ تھے زمینیں الگ تھیں۔ اللہ تعالی نے آسمانوں کا جو ایک مادہ تھا اس سے بہت سے آسمان بنائے۔ فرض کریں! پہلے ایک ہی آسمان تھا۔ اللہ تعالی نے سات آسمان بنا دیے وہ آسمان سب سے بڑا تھا اسی کے مادے سے ساتوں آسمان بنا دیے۔ اور زمین پہلے ساری کی ساری ایک ہی تھی ، پھر اللہ تعالی نے اپنی مصلحت اور حکمت سے تمام زمینوں اور کہکشاؤں کو الگ الگ کر دیا۔

3۔ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ آسمان ، زمین، نظام شمسی ، کہکشائیں اور ان کے علاوہ اتنی بڑی کائنات یہ سب کے سب ایک مادے میں بند تھے۔ اللہ تعالی اسی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو کھول دیا یعنی اسی بند گیسز کے مادے سے آسمانوں کو الگ کیا، زمینوں کو الگ کیا۔ پہلے یہ سارے اکائی کی صورت میں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان ، زمین صدیوں پہلے، جب یہ نظام موجود نہیں تھا تو وہ کسی اکائی کی صورت میں موجود تھے۔ تو اللہ تعالی نے اپنی عظیم قدرت کو استعمال کرتے ہوئے اپنی صفت کا ظہور فرمایا۔ ان سب کو الگ الگ کیا اتنا بڑا نظام بنا دیا اور ابھی بھی مسلسل یہ کائنات پھیل رہی ہے۔

بگ بینگ کے مقابلے میں قرآن پاک کا نظریہ

قرآن کریم بگ بینگ کے مقابلے میں ایک دوسرا نظریہ پیش کرتا ہے کہ ہاں ٹھیک ہے ایک وحدت تھی، ایک اکائی تھی، ایک مادہ تھا لیکن اس کے مادے میں کوئی دھماکا نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے وہ مادہ پیدا کیا اور آسمانوں، زمینوں کو ہم نے الگ کیا۔ سورہ حم سجدہ میں اس کا ذکر آتا ہے کہ وہ دھوئیں یا گیسز کی صورت میں تھا۔ اور گیس سے اللہ تعالی نے چھ دنوں میں آسمان زمین کو الگ کیا جو اللہ کے ہاں کے چھ دن ہیں۔

تو ہمارا یہ سوال ہے کہ دھماکے سے تو فساد، تباہی، خون خرابہ ہی ہوتا ہے۔ کسی دھماکے سے کوئی عظیم الشان مخلوقات وجود میں آئی ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور انسانی عقل کبھی بھی اس کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ دھماکے سے خوبصورت کائنات پیدا ہو جائے۔ انسان تو بیچارہ کم عقل والی ہی باتیں کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں نے تو بڑا تیر مار دیا۔ جبکہ اللہ تعالی جو نظریہ پیش کرتے ہیں وہ بالکل عقل کے مطابق ہے کہ کوئی دھماکا نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے یہ پیدا کیا۔ ظاہر ہے اللہ تعالی کا علم، اس کی انجینئرنگ اس کا سائنسی علم بہت زیادہ ہے۔ اس نے ہی تمام کائنات کو الگ الگ کیا۔

نکتہ

اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا کہا اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا نہیں کہا۔ کافروں کی طرف نسبت کی کہ یہ کافر لوگ نہیں دیکھتے کہ آسمان، زمین بند تھے ہم نے ان کو کھول دیا۔ اس کے اندر یہ نکتہ چھپا ہوا ہے کہ اصل میں مخاطب کافر ہیں کیونکہ

وہ نہیں سمجھتے ان کو سمجھانے کے لیے ان کا ذکر کیا ایمان والے تو ایمان لا چکے ہوتے ہیں تو ان کو اس کی ضرورت نہیں۔

دوسرا نکتہ اس میں یہ ہے کہ اللہ کو پتہ تھا کہ سائنس کا علم کافروں کے پاس پہلے آئے گا۔ کسی زمانے میں کافر بہت ترقی کریں گے اسی لیے کافروں سے خطاب کیا۔ جیسے کہ سائنس دانوں کا طبقہ ہے ان میں سے اکثر 98 فیصد طبقہ کافر ہے۔ انہی سے خطاب ہے کہ اے اہل سائنس! جو کفر پر اڑے ہوئے ہو! تم ذرا اس چیز پر غور کرو کہ پہلے آسمان زمین ایک مادے میں بند تھے ہم نے ان کو کھول دیا۔ ظاہر ہے وہ خود بخود تو نہیں ہوا ہو گا، کیونکہ قاعدہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی حرکت ہوتی ہے تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے اور اگر تم کہتے ہو کہ بم پھٹا تھا دھماکا ہوا تھا تو بتاؤ دھماکا کس نے کیا تھا؟

یہ بھی یاد رکھیے! جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت کافر ان چیزوں کو سمجھتے ہی نہیں تھے۔ آج کے سائنس دان اس کو سمجھتے ہیں۔ پہلے زمانے میں اعتراض ہوتا تھا کہ یہ جو کہا جا رہا ہے کہ کافر لوگ دیکھتے نہیں تو انہوں نے تو دیکھا ہی نہیں تھا۔ آسمان و زمین کی تخلیق کا نظارہ تو کسی نے بھی نہیں دیکھا نہ کافروں نے نہ مسلمانوں نے۔ اگر اس لفظ کے حقیقی معنی لیے جائیں تو واقعی میں کافروں نے نہیں دیکھا تھا تو اس زمانے میں اس کا جواب مشکل ہو سکتا تھا، اس وقت اولم یر کے معنی اولم یعلم کے لیے گئے، لیکن آج کے زمانے میں اس کے معنی اس قدر واضح ہیں جیسے آنکھوں دیکھا حال! اللہ تعالیٰ نے الفاظ ایسے چنے ہیں کہ آج کل کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اہل سائنس کے لیے یہ بات بالکل واضح ہے جیسے کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ رکھا ہو کہ آسمان و زمین پہلے ایک مادے میں بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا۔ اس طرح یہ قرآن کا اعجاز ہے جو آج کے دور میں ظاہر ہوا۔

عقیدۂ معاد

معاد کو اردو میں آخرت، قیامت اور حشر نشر بھی کہتے ہیں۔ جس طرح انسانی جسم پر موت طاری ہوتی ہے، اسی طرح کائنات پر بھی موت طاری ہو سکتی ہے۔ انسانی جسم چھوٹی کائنات ہے اور یہ دنیا بڑی کائنات، جب چھوٹی کائنات کا دی اینڈ حقیقت ہے تو بڑی کائنات کا دی اینڈ بھی حقیقت ہے۔

اللہ جل شانہ نے ہر چیز کو جوڑے کی صورت میں پیدا فرمایا ہے۔ آسمان کی جوڑی زمین، اندھیرے کی جوڑی روشنی، زندگی کی جوڑی موت، مرد کی جوڑی عورت، وجود کی جوڑی عدم، اسلام کی جوڑی کفر، آزادی کی جوڑی غلامی، عروج کی جوڑی زوال، غرض یہ کہ جب ہر چیز جوڑے دار پیدا کی گئی ہے تو اس دنیا کی بھی ایک جوڑی ہے اور وہ ہے قیامت اور آخرت!

قیامت اور سائنس

سائنسی لحاظ سے قیامت عین ممکنات میں سے ہے۔ سائنس تسلیم کر چکی ہے کہ کائنات اپنا آغاز رکھتی ہے اور ایک وقت آئے گا کہ کائنات فنا ہو جائے گی۔ آئن اسٹائن (Einstein) کہتا ہے کہ کائنات غبارے کی طرح پھیل رہی ہے اور آخر کار غبارے کی طرح پھٹ جائے گی۔ قانون ناکارگی ہمیں باور کراتا ہے کہ کائنات کی ناکارگی بڑھ رہی ہے، ایک وقت آئے گا کہ تمام موجودات کی حرارت یکساں ہو جائے گی اور کوئی کارآمد توانائی باقی نہیں رہے گی اور زندگی بھی اسی کے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ سائنس کے مطابق وقوع قیامت کا سبب کچھ اور بھی ہو سکتا ہے، مثلاً: ہولناک زلزلہ جو کسی بشر کو باقی نہ رہنے دے، فلکی اجرام کا باہمی تصادم یا پھر اندھا طوفان جو ہر ایک چیز کو نگل جائے۔

بعث بعد الموت

قیامت کا وقوع الگ چیز ہے اور قیامت کے بعد کی زندگی الگ چیز۔ ملحدین کا دعوی ہے کہ قیامت یعنی دنیا کی تباہی تو ممکن ہے لیکن بعد الموت یعنی مرنے کے بعد دوسری زندگی کا ہونا خیالاتی باتیں ہیں، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

بعث بعد الموت کے قرآنی دلائل

قرآن کریم میں بعث بعد الموت بے شمار دلائل ہیں۔ چند ایک دلائل ذکر کیے جارہے ہیں:

1۔ سورہ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے میں فرمایا:

رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى (سورہ بقرہ :260) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ سے کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھلا دیجیے کہ آپ قیامت کے دن مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندے لے لو، ان کے ٹکڑے کرو اور ان ٹکڑوں کو خلط کر کے پہاڑوں پر تقسیم کردو اور پھر ان کو بلاؤ، وہ پرندے زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تمہارے پاس چلے آئیں گے، اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بدن کے متفرق اجزا کو جمع کر کے پہلی صورت پر اس کو زندہ کر دے گا۔

2۔ اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے قصے میں فرمایا گیا:

فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ (بقرہ 259) حضرت عزیر علیہ السلام نے جب دریافت کیا کہ اے اللہ اس بستی کو آپ دوبارہ کیسے زندہ کریں گے ؟ تو

اللہ تعالیٰ نے ان کو سو برس تک کے لیے سلا دیا، مگر ان کا جسم صحیح سالم رہا، اور خدا کی قدرت سے اس میں کوئی تغیر نہ ہوا، مگر ان کی سواری (گدھا) مر کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گدھے کو ان کے روبرو زندہ کیا اور قیامت کے دن مخلوق کے زندہ ہونے کا نمونہ دکھلا دیا اور بتلا دیا کہ موت اور حیات ہر وقت ہماری قدرت میں ہے۔

3۔ سورہ کہف میں ارشاد ہے :

وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۔ **(سورہ کهف:21)**

ترجمہ: ہم نے اصحاب کہف کو تین سو سال کی نیند کے بعد بیدار کیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔

چونکہ اس زمانہ میں بعث بعد الموت کے متعلق بڑا جھگڑا تھا کوئی قائل تھا اور کوئی منکر تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ تے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھلا دیا کہ جو خدا تین سو سال کی نیند کے بعد جگانے پر قادر ہے وہ صدہا سال کی موت کے بعد زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

4۔ سورہ حج میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ **(سورہ حج:5)**

ترجمہ: اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ زندہ ہونے میں شک اور تردد ہے تو (اپنی پیدائش میں غور کر لو۔) تحقیق ہم نے تم کو اول مٹی سے پھر نطفہ سے

پیدا کیا(اس سے تم کو خدا کی قدرت کا اندازہ ہو جائے گا)۔"

5۔ سورہ یٰس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قَالَ مَنۡ يُّحۡيِ الۡعِظَامَ وَهِىَ رَمِيۡمٌ. قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ‌ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِيۡمٌ ۙ (سورہ یٰس:78-79)

ترجمہ: کافر کہتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس ذات نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہی ان کو دوبارہ پیدا کرے گا اور وہ تو ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

6۔ سورہ احقاف میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَلَمۡ يَعۡىَ بِخَلۡقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰى (سورہ احقاف:33)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو بنایا اور ان کے بنانے سے تھکا نہیں وہ مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو خدا زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے عاجز نہ ہوا تو کیا وہ مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہ ہو گا؟

بعث بعد الموت کے سائنسی پہلو

1۔ انسانی جسم عام اجسام کی طرح نہیں کہ پرانا ہو گیا تو ٹوٹ گیا اور ختم ہو گیا، بلکہ انسانی جسم تو پانی کے گھاٹ کی مانند ہے، جہاں ہر وقت پانی بہتا رہتا ہے، جو پانی ایک وقت کسی جگہ بہہ رہا ہوتا ہے تھوڑی دیر بعد اس کی جگہ دوسرا پانی لے لیتا ہے۔ یہی مثال انسانی جسم کی ہے، انسانی جسم خلیات کا گھاٹ

ہے جہاں ہر وقت خلیات کی روانی رہتی ہے، خلیات ناکارہ ہو جاتے ہیں تو خود کار سسٹم کے تحت ان کی جگہ نئے خلیات لے لیتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ہر دس سال میں انسانی جسم مکمل طور پر تبدیل ہو چکا ہوتا ہے، یعنی پچاس سال میں پانچ بار اور ستر سال میں سات بار۔ عجیب بات ہے کہ یہ تبدیلی صرف جسم سے تعلق رکھتی ہے، انسانی ذہن کا لاشعور ان تبدیلیوں کو قبول نہیں کرتا حتی کہ وہ وقت کی قید سے بھی آزاد رہتا ہے۔ انسان کے شعور اور لاشعور کی مثال برف کے تودے کی ہے جس کا صرف نواں حصہ اوپر دکھائی دیتا ہے اور بقیہ آٹھ حصے سطح سمندر کے نیچے رہتے ہیں۔ انسان کو شعوری طور پر صرف دس فی صد معلومات یاد رہتی ہوں گی لیکن اس کی نوے فی صد معلومات، حرکات وسکنات، حتی کہ اس کی نیتیں اور تاثرات، سب لاشعور میں غیر فانی حقیقت کے روپ میں محفوظ رہتی ہیں اور سینکڑوں سال تک اس طرح محفوظ رہتی ہیں جیسے ابھی کل ہی وجود میں آئی ہوں۔ وقت بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ محیر العقول ریکارڈ آخر کس مقصد کی تکمیل کرتا ہے؟ اس کا حقیقی اور درست ترین جواب عقیدہ بعث بعد الموت ہی کی صورت میں سامنے آتا ہے، قرآن کریم نے نامہ اعمال کی یہی صفت بتائی ہے کہ مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا یعنی وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کا ریکارڈ رکھتا ہے، مذہب کہتا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ فرشتے مقرر ہیں جو اس کی تمام حرکات وسکنات کو محفوظ کر لیتے ہیں، تحت شعور میں حرکات وسکنات کا یہ ریکارڈ درحقیقت مذہبی بیانیے کی تصدیق کرتا نظر آتا ہے۔

2۔ جدید تحقیقات سے ثابت ہوا کہ انسان کی آواز فضا میں محفوظ رہتی ہے۔ ہر انسان کا ہر بول فضا میں موجود ہے۔ بس ایسی ٹیکنالوجی کی ضرورت ہے جس سے ہر آواز کو دوسری آواز سے الگ کیا جا سکے۔ تحقیقات یہ بھی ثابت کرتی ہیں کہ انسان اور ہر چیز جس حالت میں بھی ہو اس کے جسم سے خاص حرارت نکلتی ہے جس کی وجہ سے اس عمل کی وہ تصویر فضا میں محفوظ ہو جاتی ہے اور کسی بھی وقت انہیں یکجا کر کے ہر شخص کا اور ہر چیز کا، کارنامہ حیات معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسی ٹیکنالوجی دریافت ہو گئی جو اسے سامنے لا سکے تو انسانیت کو اپنے بہت سے سوالوں کے جواب مل جائیں گے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حیرت انگیز عمل کے کیا مقاصد ہو سکتے ہیں؟ کیا یہ محض ایک طبعی چیز اور اتفاقات کا شاخسانہ ہے یا اس کے پیچھے کوئی انتہائی ذہین ہستی ہے؟ یقیناً یہ خالق کائنات کا فعل ہے اور وہ عظیم بھید ہے جو اس نے وحی کے ذریعے انسانوں کو پہلے ہی بتادیا ہے: يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا یعنی قیامت کے دن کائنات اپنا تمام ریکارڈ پیش کر دے گی۔

3۔ حقائق اس کی محتاج نہیں ہوتے کہ وہ خارجی واقعات اور ہمارے مزعومات کے مطابق ہو۔ ہمارے پاس علم ہے ہی کیا؟ سائنس تسلیم کرتی ہے کہ اس کے پاس بہت تھوڑا سا اور جزوی علم ہے! جب تھوڑا سا علم ہے تو اس کے بل پر ایسے دعوے زیب نہیں دیتے جس سے ابدی حقائق کی نفی ہو جائے! سائنس ویسے بھی مادے سے بحث کرتی ہے جبکہ عالم آخرت غیر مادی حقیقت ہے۔ مادی چیزوں سے بحث کرنے والا غیر مادی چیز سے بحث کرے گا تو یقیناً نتیجہ غلط ہی نکالے گا۔ اس لیے سائنس کو یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ آخرت سے بحث کرے

۔ماہر طبیعیات کا الہیات میں دخل اندازی کرنا ایسا ہے جیسے درزی کا انجینئرنگ میں رائے دینا اور ایک معالج کا کاشت کاری کے امور میں رائے دینا۔

4۔انسانی جسم مر جاتا ہے لیکن اس کی روح باقی رہتی ہے جب روح کو اکثریت تسلیم کرتی ہے تو اس کے نتائج کیوں تسلیم نہیں؟ یہ کیوں نہیں سوچا جاتا کہ روح آخر کہاں جاتی ہے؟روح یعنی اندر کا انسان ہی اصل انسان ہے وہ جب باقی ہے تو سمجھ لو کہ انسان باقی ہے اور وہ دوبارہ آسکتا ہے۔

5۔کائنات کو اتفاقات کا نتیجہ کہنے والے کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب اتفاق سے انسان پہلی بار پیدا ہو سکتا ہے تو اسی اتفاق سے دوبارہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔پہلی بار کوئی بھی کام مشکل لگتا ہے لیکن ایک بار کر لینے کے بعد دوبارہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔

بعث بعد الموت کے نفسیاتی پہلو:

1۔قدیم ترین زمانے سے عالمگیر پیمانے پر انسان کی نفسیات میں یہ طلب رہی ہے کہ اسے دوسری زندگی ملے اور اس کی دیرینہ خواہش یعنی دائمی حیات کی تکمیل ہو۔یہ بات بعث بعد الموت کا نفسیاتی ثبوت ہے اس لیے کہ جس طرح پیاس لگنا اس بات کی دلیل ہے کہ پانی موجود ہے اور پانی کا انسان سے خاص ربط و تعلق ہے اسی طرح بعث بعد الموت کی طلب اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کا اس کے ساتھ خاص رشتہ ہے اور وہ ایک واقعی حقیقت ہے۔

2۔یہ بات کتنی عجیب ہے کہ انسان جیسی عظیم مخلوق کا کوئی مستقبل نہ ہو۔ہر انسان بذات خود ایک عظیم شے ہے۔ہر انسان اپنی تکمیل چاہتا ہے لیکن

وہ ایسا کر نہیں پاتا بلکہ عین اس وقت جب وہ کچھ حاصل کرلیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے تو اچانک موت آجاتی ہے۔ بعث بعد الموت ہی اس کے مستقبل کی تکمیل کرتا ہے۔ اس کے بغیر انسانی زندگی ادھوری ہی ادھوری ہے۔

بعث بعد الموت کے اخلاقی پہلو:

1۔ دوسری زندگی کا اخلاقی پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ یقین کرلے کہ اس دنیا کا کوئی خدا نہیں ہے، موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے جہاں اسے اپنے کیے کا حساب دینا ہوگا تو پھر حکومت کے قوانین کے سوا کوئی چیز دنیا میں اسے کسی برائی کو اختیار کرنے سے نہیں روک سکتی۔ اور جب الحاد غالب آئے گا تو پھر حکومت کے قوانین بھی صرف انسانوں کو ایک دوسرے کی آزادی میں مخل ہونے سے روکنے کے لیے ہوں گے۔ یوں پھر زندگی کا مقصد اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ لذت کوشی ہی رہ جائے گی۔ پھر مادر پدر معاشرتی آزادی ایک انسان کو برہنہ پھرنے کا حق دے گی اور انسان کو جانوروں کی سطح پر آنے میں کوئی چیز مانع نہ رہے گی۔ حالانکہ ظاہر ہے انسان اور جانور میں نمایاں فرق ہے۔ اس لیے معاد یعنی قیامت کے فلسفے کو سمجھنا ضروری ہے۔ جسے معاد کی سمجھ آگئی، سمجھ لیں اس کی ساری گتھیاں سلجھ گئیں۔

2۔ اس دنیا میں نہ نیکی کرنے والے کو اس کی نیکی کا پورا پورا بدلہ ملتا ہے نہ گناہ گار کو اس کے گناہ کی پوری پوری سزا۔ اس پر انسانی ضمیر اور فطرت آواز اٹھاتی ہے کہ کوئی ایسا سلسلہ ضرور ہونا چاہیے جس سے نیکو کار کو اس کی نیکیوں کا

پورا پورا بدلہ ملے اور گناہ گار کو اس کے گناہوں کا انجام بد بھگتنا پڑے۔ انسانی ضمیر کی اسی آواز کا جواب ''عقیدۂ آخرت'' ہے۔

ابطال عقیدہ تناسخ

ہندوستان کے ہندو بھی بعث بعد الموت کے منکر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ قیامت کا کوئی وجود نہیں ہے، البتہ کسی بھی انسان کے مرنے کے بعد اس کی روح منتقل ہو جاتی ہے، یعنی نیک لوگوں کی روحیں اچھے جسموں میں اور بد لوگوں کی روحیں کتے، بلی، سور، ریچھ، گدھے وغیرہ کے قالب میں منتقل ہوتی رہتی ہیں اور روح کا اس طرح مختلف جسموں میں منتقل ہونے کا نام تناسخ ہے۔
اہل اسلام کہتے ہیں کہ عقیدہ تناسخ بالکل مہمل اور خلاف عقل ہے، اس لیے کہ جزا اور سزا کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس کو سزا دی جارہی ہے اس کو علم ہونا چاہئے کہ یہ اس کے فلاں جرم کی سزا ہے مگر دوسرے جنم میں آنے والے کو اس کا مطلق علم نہیں ہوتا کہ میں اس جنم میں کس گناہ کی وجہ سے آیا ہوں۔ سب کو معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص سالہا سال کسی شہر میں رہ کر آیا ہو تو دوسرے شہر میں پہنچ کر اس کو پہلے شہر کے اکثر واقعات یاد رہتے ہیں اور لوگوں کو سناتا ہے۔ پس اگر ہندوؤں کے بقول آدمی اس سے پہلے دنیا میں رہ چکا ہو تو کیا سبب ہے کہ وہ یہاں آکر اُس جنم کے کسی حال کی خبر نہیں دیتے؟ معلوم ہوا کہ اس سے پہلے کبھی وہ اس دنیا میں نہیں آئے۔

بعث بعد الموت کے عقلی دلائل

1۔انبیاء ورسل کی دعوت اور قیامت کو جن قوموں نے نہیں مانا وہ دنیا میں ہی عذاب کا شکار ہوئی۔ نبیوں کی دعوت کا اہم جزو قیامت سے ڈرانا اور اس کے وقوع کی خبر دینا تھا، قوموں پر عذاب اس عقیدے سے انکار کی وجہ سے آئے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ وقوع قیامت برحق ہے۔

2۔آسمان و زمین اور کوئی بھی مخلوق اس دنیا میں موجود نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو عدم سے وجود میں لائے۔ اس کے بعد سے اب تک تخلیق کا سلسلہ رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ غلہ اناج اور پھلوں کو عدم سے وجود میں لاتے ہیں۔ ایک بے جان انڈے سے زندہ چوزے کو اور زندہ مرغی سے بے جان انڈے کو پیدا فرماتے ہیں۔ ایک دن کے ختم ہونے کے بعد اگلے دن دوبارہ صبح پیدا فرماتے ہیں۔ اللہ رب العزت جب ان سب مخلوقات کو عدم سے وجود میں لا سکتے ہیں تو انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر سکتے؟

3۔ عقل مند انسان ہمیشہ احتیاط پر عمل کرتا ہے۔ وہ اہم امور کے لیے ایسی پیش بندی اور پلاننگ کرتا ہے جس میں خطرات کم سے کم ہوں۔ قیامت کا انکار کرنے والے ذرا سوچیں کہ اگر ان کی سوچ اور آئیڈیا کے برخلاف قیامت کا وقوع ہو گیا تو یہ ان کے مستقبل کی زندگی کے لیے کس قدر بھیانک خطرہ ہو گا، یقیناً یہ بڑے خطرے کا الارم ہے۔ اس لیے احتیاط اور پیش بندی کا تقاضہ یہ ہے کہ عقیدۂ آخرت پر ایمان لے آئیں ورنہ کہیں بھیانک انجام نہ ہو۔

عقیدۂ نبوت ورسالت

وحی کی ضرورت واہمیت

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

جس طرح انسانی حواس کا ایک خاص کام اور اس کام کی ایک خاص حد ہے کہ اس سے آگے وہ کام نہیں کرتے اسی طرح عقل کا بھی ایک کام ہے جو بہت ہی اعلیٰ ہے لیکن اس کی بھی ایک خاص حد ہے اس سے آگے عقل کام نہیں کرسکتی۔ناک سے انسان سونگھ سکتا ہے، دیکھ نہیں سکتا۔ آنکھ سے دیکھ سکتا ہے، سونگھ نہیں سکتا۔ہاتھ سے چھو سکتا ہے، دیکھ ،سونگھ نہیں سکتا، ذائقہ محسوس نہیں کرسکتا۔زبان سے ذائقہ محسوس کرسکتا ہے، لیکن سمجھ نہیں سکتا،نہ دیکھ سکتا یا سونگھ سکتا ہے۔ہر حس کا ایک خاص کام ہے جس سے دوسرا کام نہیں لیا جاسکتا۔ البتہ جو کام لیا جاسکتا ہے وہ بھی محدود ہے لامحدود نہیں، ناک سے ایک خاص مسافت تک سونگھ سکتا ہے، اس سے دور نہیں۔ آنکھ سے ایک خاص مسافت تک دیکھ سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔اسی طرح عقل بھی ایک حس ہے جس سے انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے لیکن عقل کی بھی ایک حد ہے اس سے آگے وہ بھی کام نہیں کرسکتی۔بہت سے سوالات ہیں جن کا جواب دینے سے عقل قاصر ہے۔

انسان خود اپنے اوپر غور کرے کہ بچپن سے بڑھاپے تک اس کی عقل وشعور نے کتنی منازل طے کیں؟جو چیز بچپن میں سمجھ نہیں آئی تھی، جوانی اور

شعور کی عمر میں کس طرح سمجھ آگئی؟ پھر انسانی عقلوں میں تفاوت بھی کوئی مخفی راز نہیں۔ایک ہی سبق ہوتا ہے لیکن کوئی بہت اچھا سمجھتا ہے کوئی کم۔ایک ہی فیلڈ کے دو ڈاکٹروں میں اختلاف رائے پیدا ہوجاتا ہے۔ایک ہی فن کے دو ماہرین کی رائے میں اختلاف ہوجاتا ہے۔ میاں بیوی کا اپنی ہی اولاد کے مستقبل کے حوالے سے اختلاف ہوجاتا ہے۔ سیاسی، مذہبی غرض ہر ایشو پر لوگوں کی آراء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔(ٹاک شوز talk shows اس کی واضح مثال ہے) یہ سب عقل وشعور کے مدارج کا فرق ہے۔

عقل و فہم کے اسی فرق کی وجہ سے بسا اوقات خیر کو شر اور شر کو خیر کہہ دیا جاتا ہے۔ نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی کہہ دیا جاتا ہے۔ حق دار سے حق چھین لیا جاتا ہے اور ناحق کو نہال کر دیا جاتا ہے۔

انسانیت کے حق میں کیا چیز بہتر ہے اور کون سی چیز نقصان دہ ہے؟ حتمی فیصلہ ہو نہیں پاتا۔ سکون کس چیز میں ہے؟راحت کس شے کا نام ہے؟انسان بھٹکتا پھرتا ہے، تشکیک کا شکار ہوجاتا ہے، لیکن ان سوالوں کے جواب حاصل نہیں کر پاتا۔

- کیا یہ کائنات خود سے بن گئی ہے یا کوئی ہے جس نے اسے وجود دیا؟ عقل سلیم یہی جواب دیتی ہے کہ کسی نے اسے پیدا کیا ہے۔
- لیکن جس ہستی نے اسے پیدا کیا ہے اس کا مقصد کیا تھا؟
- وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟اس سے ہم کیسے بات کر سکتے ہیں؟ وہ اپنی بات ہم تک کیسے پہنچاتا ہے؟
- کیا اس کائنات کے بعد دوسرا بھی کوئی جہاں ہے؟

❖ ہماری ابتدا کیا ہے اور انتہا کیا ہو گی؟

❖ ہم دوسرے حیوانات سے الگ کیوں ہیں؟

❖ کائنات کی ہر بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز انسانوں کے تابع کیوں؟

ان سوالوں کا جواب بہت اہم ہے؛ کیونکہ اگر ہم کسی کی پروڈکٹ اور مخلوق ہیں تو یقینا ہم بہت بڑے خطرے اور خسارے میں ہیں اگر ہمیں ان کے جواب معلوم نہ ہوں!

پہلے زمانے کے رسم ورواج الگ تھے، آج کے زمانے کے الگ ہیں۔ پہلے زمانے کا خاندانی نظام الگ تھا آج کے دور میں الگ ہے۔

ان میں سے صحیح غیر صحیح کا پتا کیسے چلے گا؟

حاکم اور محکوم، آقا اور ملازم کا رشتہ صدیوں سے قائم ہے لیکن کس کے کیا حقوق ہیں؟ اس کا صحیح رخ کس طرح متعین ہو سکتا ہے؟

دل میں اٹھنے والی کون سی خواہشات اور جذبات کو انسان پورا کر سکتا ہے اور کن خواہشات اور احساسات کو دبا کر رکھنا ہے؟

کیا انسان دنیا کے فیصلے کرنے میں بالکل ہی آزاد و خود مختار ہے یا اسے کسی اصول اور قاعدے کا پابند رہنا ہے؟

الغرض ایسے کئی سوالات ہیں جن کا جواب انسانی عقل سے باہر ہے۔ ان کے درست جواب کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ خود خالق کائنات کی طرف سے راہ نمائی دی جائے اور ایسا ہی ہوا ہے اور یہی وحی ہے۔

اس حقیقت کو ایک مثال سے سمجھیے!

موبائل اور کمپیوٹر میں جو پروگرام انسٹال کیے جاتے ہیں اور جتنے جی بی ڈیٹا کی اس کے اندر گنجائش ہوتی ہے اس سے زیادہ وہ لوڈ نہیں کر سکتا۔ زیادہ لوڈ کیا جائے گا تو وہ خراب ہو جائے گا لیکن لوڈ نہیں اٹھائے گا۔ جو پروگرام انسٹال کیا ہی نہیں گیا وہ اٹھائے گا کیسے؟ اسی طرح انسانوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے ہزارہا خوبیاں اور کمالات ودیعت فرمائے ہیں لیکن ان سب کے باوجود وہ مخلوق ہی ہے اس کی عقل و شعور کی ایک خاص حد ہے اس سے آگے کا جواب اس کے پاس نہیں ہے اس سے اوپر کے سوالات کے جواب یا وہ دے ہی نہیں پائے گا یا دینے کی کوشش کرے گا تو غلطی کر جائے گا۔

تو کون جواب دے گا؟ بے شک وہ خالق کائنات ہی ہے جو ان کے جوابات ہمیں دے سکتا ہے۔ خالق کائنات نے ہر دور میں قوموں کے اندر ان کے سب سے معزز، وجیہ، کامل عقل، نڈر اور صاف اور بے داغ کردار کے مالک اشخاص کو منتخب فرمایا ہے۔ ان کو وحی کی ہے جس میں ان تمام سوالوں کے جواب موجود ہوتے ہیں۔ جب جب وحی کی ضرورت پڑی خالق کائنات نے وحی بھیجی۔ ہاں! آخری دور کے انسانوں کے اندر بلا کی عقل و سمجھ ہے، اس لیے خالق کائنات نے آخری پیغمبر کو مبعوث کیا اور اسے عالمگیر، بہت سے مواقع پر لچک دار اور انسانی خرد برد سے محفوظ ابدی اصول وحی دیے جس کے بعد نئی وحی کی ضرورت نہیں رہی۔

نزولِ وحی کے طریقے

نزول وحی کے متعدد طریقے تھے:

(1) خواب۔ نبیوں کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

(2) الہام ربانی۔ اولیائے کرام کو ہونے والا الہام وحی میں داخل نہیں۔ نبیوں کو ہونے والا الہام حجت اور وحی ہے۔

(3) فرشتے کا انسانی صورت میں آنا۔ جیسے: حضرت جبرئیل آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں تشریف لاتے تھے۔

(4) فرشتے کا اپنی اصلی صورت میں آنا۔ جیسے مقام اجیاد اور معراج کے موقع پر ہوا۔

(5) اللہ تعالی کا حجاب میں کلام فرمانا، جیسے حضرت موسی علیہ السلام سے کوہ طور پر کلام فرمایا۔

(6) اللہ تعالی کا براہ راست کلام فرمانا، جیسے: معراج کے موقع پر براہ راست کلام ہوا۔

(7) صلصلۃ الجرس یعنی مسلسل گھنٹیوں کی آوازیں جو چاروں طرف سے آتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ وحی کی یہ کیفیت سب سے مشکل ترین ہوتی تھی۔ سخت سردی میں بھی پیشانی مبارک سے پسینہ آجایا کرتا تھا۔ ادھر یہ کیفیت ختم ہوتی ادھر آپ ﷺ کو آیت یاد ہوتی۔

وحی کی کیفیت سمجھنے کے لیے چند مثالیں

وحی کی کیفیت سمجھنے کے لیے عصر حاضر میں بہت سی مثالیں موجود ہیں:

1-خواب

خواب دیکھنے والا خواب میں بہت کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے لیکن ہمیں کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔اسی طرح نبیوں پر وحی نازل ہوتی تھی لیکن لوگوں کو کچھ نظر نہیں آتا تھا کہ کون آیا ہے اور کیا بات کی گئی ہے۔عذاب قبر کی بھی بالکل یہی مثال ہے۔

2-ہپناٹزم(hypnotism)

ہپناٹزم میں ماسٹر اپنے معمول کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے لیتا ہے اور جو چاہتا ہے کرواتا ہے۔اسی طرح فرشتہ یا اللہ تعالی اپنے نبیوں سے جو چاہتے ہیں کرواتے اور کہلواتے ہیں جو در حقیقت وحی ہوتی ہے۔

3-جدید ذرائع ابلاغ:(Modern ways of communication)

انسان نے آج ایسے آلات ایجاد کر لیے ہیں جن سے اسے میلوں دور کی آواز سنائی دیتی ہے۔موبائل فون،اسکائپ،واٹسپ،انٹرنیٹ کی مواصلاتی سہولتیں،وائرلیس سسٹم یہ سب ذرائع ابلاغ ہماری بات کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سیکنڈوں میں پہنچادیتے ہیں۔یہ تو اس دنیا کی بات ہے۔انسان نے ایسے آلات بھی ایجاد کر لیے ہیں کہ وہ کائناتی شعاعوں کے تصادم تک کو ریکارڈ کرلیتا ہے۔دوسرے سیاروں کی رپورٹیں بھی منگوا سکتا ہے

جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغام رسانی کے لیے فاصلوں کی دوریاں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔

4-حیوانات کے حواس

جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ انسانوں کے مقابلے میں جانوروں کے حواس کا معاملہ مختلف ہے۔ کتنے جانور ایسے ہیں جو ایسی آوازیں سنتے ہیں جو ہماری قوت سماعت سے باہر ہیں۔ ایک مادہ پتنگے کو بند کوٹھی میں کھلی کھڑکی کے پاس رکھ دیجیے۔ وہ کچھ مخصوص اشارے کرے گی۔ یہ اشارے نر پتنگے حیرت انگیز فاصلے سے سن لیں گے اور اس کا جواب دیں گے۔ بہر حال! ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فاصلاتی سرحدیں اضافی چیز ہے اور دور کی آواز یا پیغام کو سن لینا کوئی بعید بات نہیں۔

اگر چمگادڑ کو دن کی روشنی میں نظر نہیں آتا تو اس میں بھلا سورج کا کیا قصور؟

انبیاء کا وجود عین تقاضائے فطرت !!!

جس طرح ایک ملک، کسی دوسرے ملک سے کسی معاملے پر گفتگو کرنا چاہے یا کوئی معاہدہ کرنا چاہے تو اس ملک کے تمام لوگ دوسرے ملک نہیں جاتے، اور نہ ہی بادشاہ یا وزیر اعظم خود جاتا ہے، بلکہ اپنے کسی قابل اعتماد، باصلاحیت سفیر (ambassador) کو بھیجا جاتا ہے، تاکہ اپنا پیغام اس دوسرے ملک تک پہنچایا جاسکے، یہی مثال انبیاء کی ہے کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ وحی انسان کی عین ضرورت ہے تو اس وحی کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے ایسے

سفیروں کی ضرورت تھی جو قابل اعتماد، باصلاحیت، پاک باز، باکردار ہوں، اور حقیقی بادشاہ وخالق کا پیغام اپنی مخلوق تک پہنچائے۔

معجزاتِ انبیاء:

انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں کو سیدھی راہ بتانے آئے، وہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، ان کی سچائی ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں پر مافوق الاسباب چیزیں ظاہر کیں جو دوسرے لوگوں کے ہاتھوں پر ظاہر نہیں ہوسکتیں۔ ایسی باتوں کو معجزہ کہتے ہیں۔

جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ فرمادیتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جاتی تھی، لاٹھی پتھر پر مارنے سے بارہ چشمے پھوٹ پڑنا، نبی کریم ﷺ کے اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہونا وغیرہ، یہ سب معجزات ہیں۔

انبیائے کرام کی تعداد:

انبیاء کرام علیہم السلام میں سب سے پہلے آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ ہیں۔ انبیاء کرام میں سے تقریبا 25 انبیاء کرام کے نام قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں، جیسے: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ

السلام، حضرت داؤدعلیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت الیسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ذوالکفل علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، وغیرہ

انبیائے کرام کی صحیح تعداد کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، تاہم بعض روایات میں تعداد کا ذکر آتا ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے انبیاء کی تعداد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ اور ایک روایت میں دولاکھ چوبیس ہزار کا ذکر ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے انبیاء کی تعداد کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزاران میں رسولوں کی تعداد 313 تھی، سب سے پہلے آدم علیہ السلام تھے، اور آخری محمد ﷺ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! انبیاء کی کل تعداد کتنی ہے؟ فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزاران میں سے رسولوں کی تعداد ۳۱۵ ہے۔

و قد ورد ان النبی ﷺ سئل عن عدد الانبیاء علیہم السلام فقال مائۃ الف و اربعۃ و عشرون الفا و فی روایۃ مائتا الف و اربعۃ و عشرون الفا۔ (شرح الفقہ الاکبر للملا علی قاری ص: ۵۶،۵۷۔ قدیمی)

وقد ورد ایضاً ان محمدﷺ سئل عن عدد الانبیاء علیھم السلام فقال:مائةالف و اربعة و عشرون الفاً و الرسل منھم ثلاث مائة و ثلاثة عشر ،اولھم آدم و آخرھم محمدﷺ (مسند احمد)

قال شعیب الارناؤط: ''اسنادہ ضعیف جدا،لجھالة عبید بن الخشخاش ،و لضعف ابی عمر الدمشقی،قال الدارقطنی:المسعودی عن ابی عمر الدمشقی : متروك ۔ المسعودی:ھو عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عتبہ۔'' (تحقیق مسند احمد ۳۵،۴۳۲)

وفی روایة ابی امامة قال ابو ذر ،قلت یا رسول اللہ! کم وفاء عدة الانبیاء قال:مائةالف واربعةوعشرون الفا الرسل من ذلك ثلاث مائة و خمسة عشر جما غفیرا۔(مشکاة المصابیح:ص:۵۱)

تاہم جن روایات میں تعداد مذکور ہے وہ سب ضعیف روایات ہیں اور ایسی احادیث سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا،لہذا ہم بغیر گنتی کی تعیین کے ان سب پر ایمان لاتے ہیں جن کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا۔

مراتب پیغمبر

انبیائے کرام کے مابین مراتب موجود ہیں۔سب سے زیادہ مرتبہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ کا ہے۔

ختم نبوت

آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا پیغمبر کسی بھی شکل میں نہیں آسکتا۔ جو شخص آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے، جیسے: مرزا غلام احمد قادیانی اور اس جیسے تیس سے زائد جھوٹوں نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا، وہ سب کذاب اور دجال ہیں، اس لیے علماء نے ایسے جھوٹوں اور ان کے ماننے والوں کو زندیق کہا ہے۔

تصدیق انبیاء کے دلائل

اگر آپ کے پاس کوئی آکر یہ کہے کہ میں فلاں کمپنی کا نمائندہ ہوں، تو آپ جانچ پڑتال کرتے ہیں، مکمل تسلی کرتے ہیں، آپ کو اس کا حق بھی پہنچتا ہے کہ تسلی کریں، جب اطمینان ہو جاتا ہے تو آپ اسے کمپنی کا نمائندہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد جب وہ آپ سے بطور نمائندہ کوئی معاہدہ کرتا ہے تو آپ کو یقین ہوتا ہے کہ یہ جو بھی ایگریمنٹ کرے گا، اپنی فرم کی نمائندگی میں کرے گا۔ آپ اس کی ہر بات کو فرم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے اس دنیا میں انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے ہی کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کو منتخب کیا تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کی پہچان کروائیں اور دین حق کی دعوت دیں۔ اور پھر ان رسولوں کو مختلف معجزات دیئے تاکہ لوگ ان معجزات کو دیکھ کر اطمینان حاصل کرے

اور انہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔ انبیاء کرام نے اپنی ذمہ داری بحسن خوبی انجام دی۔

پیغمبر انسانوں میں سے ہی کیوں؟؟؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تے انسانوں میں سے ہی اپنے نمائندوں کو کیوں منتخب کیا؟ اللہ براہ راست بھی اپنا پیغام دے سکتے تھے یا فرشتوں کے ذریعے ہر ایک تک پیغام پہنچا سکتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح جاری ہے کہ وہ اپنی مخلوق سے دوبدو گفتگو نہیں فرماتے۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کے اندر اللہ نے وہ طاقت ہی نہیں رکھی کہ اللہ تعالیٰ کو یا فرشتوں کو دیکھ سکیں، اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا پیغام انسانیت تک پہنچانے کے لیے انسانوں کا ہی انتخاب فرمایا۔

انسان کے علاوہ اگر کسی اور مخلوقات میں سے نبی ہوتے تو یا تو جنات میں سے ہوتے یا فرشتوں میں سے ہوتے۔ اگر بالفرض جنات میں سے کسی کو نبی بنا کر بھیجا جاتا تو دو صورتیں ہیں یا تو جنات کو ان کی اصلی صورت میں بھیجا جاتا یا یا انسانی صورت میں۔ اگر اپنی اصلی صورت میں آتے تو انسان ڈر کے مارے بے ہوش ہی ہو جاتے، اور اگر انسانی صورت میں بھیجا جاتا تو پھر یہ اشکال کرنا بے معنی ہوا کہ انسانوں میں سے کیوں نبی بھیجے گئے؟

اور اگر پیغمبر فرشتوں میں سے ہوتا تو بھی وہی صورتیں ہوں گی کہ فرشتہ اگر اپنی اصل شکل و جسامت میں ظاہر ہو تو انسان برداشت نہیں کر پاتے،

اور اگر فرشتے انسانی صورت میں آئیں تو بات جہاں سے چلی تھی وہیں پہنچ گئی اور مدعیٰ ثابت ہو گیا کہ پیغمبروں کا انسانوں کی جنس سے ہی آنا ضروری ہے۔

نبوت ورسالت کے تمام واقعات وبراہین آج تک تواتر اور مستند ذرائع کے ساتھ بحفاظت ہم تک پہنچے ہیں، جنہیں دیکھنے سننے کے بعد ان نفوس قدسیہ کی رسالت وپیغمبری میں ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں رہتا۔ جب تواتر اور معتبر ذرائع سے یقین ہو گیا کہ انبیائے کرام برحق اور سچے ہیں تو ان کی ہر بات سچی ہو گی۔ اس لیے ان کی ہر ہر بات کی دلیل اور لاجک جاننے کی ضرورت نہیں ہو گی؛ کیونکہ ان کی ہر بات اللہ تعالی کی طرف سے مصدقہ ہوتی ہے۔

نبوت ورسالت کے عقلی دلائل

1- نبوت ورسالت کی ایک عقلی دلیل وہ عطائی علوم، وہ پاکیزہ اور مقدس تعلیمات اور وہ واضح دلائل ہیں جو انبیائے کرام کو دیے گئے۔ انبیائے کرام کے بلند اخلاق، ان کی سچائی، امانت داری، طہارت وصفائی، عدالت وحق گوئی، ساری قوم کے مقابلے میں تن تنہا عزم ویقین کے ساتھ بغیر خوف وخطر کے حق کی دعوت دینا، مناظروں ومباحثوں میں مخالفین پر اعلیٰ عقلی دلائل سے غالب آنا، دعوت وتبلیغ پر کسی طرح کی اجرت ومحنت نہ مانگنا، غیب کی سچی خبریں بتانا، وحی آنا، بغیر مخفی یا ظاہری اسباب کے خارق عادت واقعات کا ظہور پذیر ہونا، یہ سب نبوت ورسالت کے دلائل ہیں۔

2- اگر انسانوں کو تنہا ان کی عقلوں پر چھوڑ دیا جاتا تو پورے طور پر سعادت ونجات کا راستہ معلوم نہیں کر سکتے تھے۔ دنیا کے عقلاء کا حال دیکھا

جاسکتاہے، رات دن مشاہدے میں آنے والی چیزوں میں بھی ایک بات پر متفق نہیں تو عالم آخرت کے بارے میں صحیح بات کیسے معلوم کرسکتے ہیں؟ نتیجہ یہ ہوتا کہ زمین میں انتشار و فساد عام ہوتا، ہر کوئی اپنی بات منوانے کی کوشش کرتا۔ لہذا یہ بات ماننی پڑے گی کہ بغیر واسطہ پیغمبر، عقل انسانی سعادت و نجات کا راستہ معلوم نہیں کرسکتی۔

3۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"مخلوق کو اپنے دین و دنیا میں جس چیز کی ضرورت زیادہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اتنی ہی زیادہ تعداد میں اس کو پیدا فرمایا، دینی پہلو سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بعد سب سے زیادہ ضرورت نبوت کی تھی، ایک انسان جب اپنے جیسے دوسرے انسان کی خوشی اور ناراضی کے اسباب بغیر اس کے بتائے نہیں جان سکتا تو خالق کی خوشی و ناراضی کے اسباب بغیر اس کے بتائے کیسے جان سکتا ہے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء بھیجے تاکہ ان کے ذریعے اپنی خوشی و ناخوشی کے اسباب کے ساتھ اپنی ذات و صفات کا اشرف علم بخشے۔ حشر نشر، جنت دوزخ، اور انسان کی ابدی زندگی اور عالم غیب کے بے شمار حقائق سے پردہ اٹھادے۔"

نبی کریم ﷺ کی رسالت کے دلائل

سب سے آخر میں اللہ رب العزت نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بناکر بھیجا۔ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر دلائل قائم فرمائے۔ لوگوں نے آپ کو ہر طرح سے جانچا۔ آپ ان کی ہر کسوٹی پر پورے اترے۔ مکہ

کے باشندوں نے آپ ﷺ کو بچپن سے عمر کی چالیس بہاروں تک ہزاروں بار دیکھا، پرکھا۔ سینکڑوں بار آپ ﷺ سے ملاقاتیں کیں، معاملات کیے، کبھی آپ کو جھوٹا نہیں پایا۔ مکہ والے آپ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ صادق کے معنی "سچا" اور امین کے معنی "امانت دار"۔ ولادت سے پہلے، ولادت کے بعد اور نبوت کی زندگی میں سینکڑوں ایسے واقعات پیش آئے جو آپ کی نبوت ورسالت کے سچے گواہ تھے۔

ما قبل میں نبوت ورسالت سے متعلق کئی دلائل بیان کر دیے گئے ہیں، ذیل میں نبی کریم ﷺ کی نبوت پر چند خصوصی دلائل پیش خدمت ہیں! نبی کریم ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل قرآن ہے: ذیل میں قرآن کریم ہی سے نبی کریم ﷺ کی نبوت پر چند دلائل بیان کرتے ہیں!

1۔ نبی کریم ﷺ کو آخری آسمانی کتاب یعنی قرآن کریم عطا کیا گیا، اس پر کفار مکہ نے اعتراض کیا کہ یہ قرآن محمد ﷺ نے اپنی طرف سے بنایا ہے، یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ حالانکہ اگر وہ قرآن میں غور کرتے تو کبھی یہ اعتراض نہ کرتے، کیونکہ ایک شخص اپنی تحریر کردہ کتاب میں کبھی اپنے خلاف کوئی بات لکھنا گوارا نہیں کرتا، ہمیشہ وہ اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی نفی ہی کرتا ہے، جبکہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر انبیائے کرام بشمول نبی کریم ﷺ کو (بشری تقاضے سے سرزد ہو جانے والی لغزشوں پر) تنبیہ کی گئی ہے۔ یہ واضح دلیل ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کا ثبوت ہے۔

2۔ قرآن کریم گزشتہ انبیاء ورسل کے واقعات اور قدیم آسمانی کتابوں کے مضامین کو بالکل درست انداز میں بیان کرتا ہے، آسمانی کتابوں میں جو تحریفات کردی گئیں ان کا پردہ چاک کرتا ہے۔

3- قرآن کریم اس لیے بھی معجزہ ہے کہ صدیاں گزرنے کے باوجود کوئی اس جیسا کلام پیش نہیں کرسکا، قرآن چیلنج کرتا رہا، لیکن آج تک کوئی اس چیلنج کو قبول نہیں کرسکا، پہلے اس جیسی کتاب لانے کا کہا گیا، کوئی نہیں لاسکا۔ پھر چیلنج نرم کردیا گیا کہ اس جیسی کوئی ایک سورت لے کر آئیں لیکن وہ ایسا بھی نہ کرسکے تو کہا گیا کہ قرآن کریم جیسی ایک آیت بنا کر دکھادیں لیکن وہ ایسا بھی نہ کرسکے۔

4- قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت، اسلوبِ بیان اور منفرد طرزِ تعبیر اپنی آخری حدوں کو چھورہی ہے، جہاں تک انسانوں کی رسائی ہی نہیں۔ بڑے بڑے شاعر اور فصیح اللسان لوگ پیدا ہوئے لیکن کوئی اس کی ہمسری نہیں کرسکا۔ قرآن کریم پُراثر کلام ہے، اسلوب خطیبانہ ہے، اس میں نثر بھی ہے اور نظم بھی، جملوں کی ترکیب اور ساخت بے نظیر ہے، ہر جملہ حسن کا مرقع ہے، ہر جملہ اتنا موزوں ہے کہ اس سے بہتر جملہ اس مقام پر آہی نہیں سکتا، قرآن کریم مختصر پراثر الفاظ پر مشتمل ہے۔ اس میں تشبیہات، تلمیحات اور تمام اصناف ادب موجود ہیں، کہیں کوئی ایسا لفظ نہیں جو زبان وادب کی چاشنی کے خلاف ہو۔ تذکیر وموعظت کے لیے واقعات جابجا ہیں، واقعات سے کلام میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور انسان ان سے عبرت حاصل کرتا ہے، کبھی مخاطبت کا انداز چل رہا ہوتا ہے کہ اچانک غائبانہ کلام شروع ہوجاتا ہے اور کبھی

اس کے برعکس۔ اس کے ایک جملے کے کئی کئی معنی نکلتے ہیں، جتنی بار پڑھا جائے دل نہیں بھرتا، ہر بار معانی و مطالب کا ایک نیا باب عیاں ہوتا ہے۔ صدیاں گزر گئیں لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے قرآن پاک کے تمام معانی و مطالب پر عبور حاصل کرلیا ہے۔ اس کی تعبیرات ایسی لچک دار ہیں کہ ہر زمانے کا ساتھ دیتی نظر آتی ہیں۔ علوم و فنون کتنے ہی ترقی کرلیں لیکن جب انسان قرآن کریم کے بیانات پڑھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ جسے جدید دور کی جدید ترین اور سب سے مستند علمی کاوش سمجھتا تھا قرآن کریم میں اس کے واضح اشارے نظر آتے ہیں۔

عقیدۂ رسالت، ملحدین کے دلائل پر رد

ملحدین کا کہنا ہے کہ بچپن میں بہت سی باتیں اور خواہشات ہوتی ہیں جو پوری نہیں ہو پاتیں اور لاشعور میں تہہ نشین ہو کر بظاہر حافظے سے نکل جاتی ہیں یہی باتیں اور خواہشات غیر معمولی حالات مثلاً: ہسٹریا یا جنون میں یکایک زبان پر جاری ہو جاتی ہیں اسے وحی سمجھ لیا جاتا ہے۔

تبصرہ

پہلی بات تو درست ہے کہ بچپن میں بہت سی باتیں اور خواہشات ہوتی ہیں جو پوری نہیں ہو پاتیں اور لاشعور میں تہہ نشین ہو کر بظاہر حافظے سے نکل جاتی ہیں اور یہی باتیں اور خواہشات غیر معمولی حالات مثلاً: ہسٹریا یا جنون میں یکایک زبان پر جاری ہو جاتی ہیں۔

لیکن وحی کو اس ذہنی مرض پر منطبق کرنا انتہائی درجے کی غلطی ہے۔ انبیائے کرام کے حالات سے ناواقف شخص ہی ایسی لایعنی باتیں کرسکتا ہے۔انبیائے کرام اپنی قوم کے انتہائی ذہین اور اعلی فکرونظر کے مالک شخصیت ہوتے ہیں۔ اعصاب مضبوط اور جسمانی طاقت بہت زیادہ ہوتی ہے۔انہیں کوئی ایساعارضہ لاحق ہی نہیں ہوتا جس سے ان کی شان میں ذرہ برابر کمی آئے۔اگر کبھی قوم کوکسی جسمانی یاذہنی بیماری کا شبہ ہوتا ہے تو اللہ تعالی ان کے شبہات کو دور فرماتے ہوئے ایسے واقعات کا ظہور فرماتے ہیں جن سے حقائق سامنے آجائیں۔

غور کریں!ایسے اشخاص کو جنون کا طعنہ دینے والے خود کتنے ہوش میں ہیں؟ کبھی کسی مجنون یاہسٹریا کے شخص کی زبان سے جامع اور پر تاثیر کلام نکلا ہے؟

دوسری بات یہ کہ لاشعور میں دبی ہوئی خواہشیں اکثر وہ ہوتی ہیں جو ماحول کے خوف سے پوری نہ ہوسکیں۔اگر ایسے کسی شخص کے دماغ میں ہسٹریا یاجنون کی بیماری لاحق ہوگی تو اس کے منہ سے بے ہودہ جذبات اور غلط جنسی خواہشیں ہی نکلیں گی جو اس کے لاشعور میں بھری ہوں گی۔اس کے برعکس انبیائے کرام کی زبان سے جس مذہب اور فلسفہ حیات کا ظہور ہوا ہے وہ سراسر خیر اور پاکیزگی ہے۔انہیں ایک گندی سوچ کے ذہنی بیمار سے تشبیہ دینا حماقت ہے۔

تیسری بات یہ کہ لاشعور کا گودام کبھی نامعلوم حقائق کا خزانہ نہیں بن سکتا۔لاشعور انہی حقائق وخواہشات کا ریکارڈ رکھتا ہے جو کبھی اس کے علم میں

آئے ہوں یا اس نے وہ خواہشات سوچی ہوں۔ جبکہ انبیائے کرام دنیا کو جو کلام سناتے اور جن حقائق سے روشناس کراتے ہیں وہ ان کے تحت شعور میں کبھی بسے ہی نہیں ہوتے۔ وہ بالکل نیا کلام اور نئے حقائق ہوتے ہیں جو کبھی ان کے ذہن میں پہلے آئے ہی نہ تھے۔ انبیائے کرام کو پہلے سے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وحی کیا آئے گی اور کن حقائق کی نقاب کشائی ہونے والی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ملحدین کا موقف کس قدر کمزور، بے کار اور لایعنی ہے۔ کیا اب بھی کہو گے کہ رسالت جنون ہے؟ (نعوذ باللہ)

آسمانی کتابیں

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام پر جو کتابیں اور صحیفے نازل کیے ہیں وہ سب برحق ہیں۔ ان کی تعداد بعض روایات کے مطابق ایک سو چار ہے۔ ان میں سے پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر، تیس حضرت ادریس علیہ السلام پر، دس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور دس حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ چار مشہور کتابیں توریت، انجیل، زبور اور قرآن مجید ہیں۔ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن کریم حضرت محمد مصطفی ﷺ پر نازل ہوا۔

گزشتہ آسمانی کتب کا حکم

قرآن کریم سے پہلے جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر اتاریں، وہ سب برحق ہیں، اور اُس زمانہ کے لوگوں کے لیے ان کتابوں پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا فرض تھا، لیکن امت محمدیہ کے لیے ان کتابوں پر ایمان لانا تو فرض ہے، مگر ان پر عمل کرنا جائز نہیں، اب قیامت تک صرف قرآن کریم پر عمل کیا جائے گا۔

موجودہ زمانے میں جو توریت اور انجیل یہود و نصاریٰ کے پاس ہے، وہ سب تحریف شدہ ہیں۔ قرآن و حدیث سے ان میں تحریف ہونا ثابت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ

(سورہ نساء:46)

ترجمہ: یہودیوں میں سے کچھ وہ ہیں جو (تورات) کے الفاظ کو ان کے موقع محل سے ہٹاڈالتے ہیں (یعنی تحریف کرتے ہیں)"

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (سورہ بقرہ:79)

ترجمہ: خرابی ہے ان کے لیے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے، تاکہ اس پر تھوڑی سی قیمت لیں۔"

قرآنِ مجید سے متعلق عقائد

قرانِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور تمام آسمانی کتابوں میں سب سے افضل ہے، قرآن کریم کو نازل کرکے اللہ تعالیٰ نے پچھلی تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کردیا۔ آج تک قرآن پاک میں کوئی تحریف نہیں ہوئی اور نہ ہی ممکن ہے، کیونکہ قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود خالق کائنات نے لی ہے۔

ارشاد فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورہ حجر:9)

ترجمہ: بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (سورہ فصلت:42)

ترجمہ: "بے شک یہ بڑی عزت والی کتاب ہے، جس تک باطل کی کوئی رسائی نہیں ہے، نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ اس ذات کی طرف سے اتاری جارہی ہے جو حکمت کا مالک ہے، تمام تعریفیں اسی کی طرف لوٹتی ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو یہ خصوصی وصف اور خصوصی حفاظت عطا فرمائی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج تک قرآن پاک میں ایک نقطے اور ایک زبر زیر کی بھی تحریف و تبدیلی ممکن نہیں ہوئی اور قرآن جیسے نازل ہوا تھا ویسے ہی آج بھی موجود ہے اور قیامت تک رہے گا۔

قرآن پاک میں تحریف کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ قرآنِ مجید میں جن چیزوں کے ہونے یا پائے جانے کی خبر دی گئی ہے، ان سب کو صحیح اور سچا ماننا ضروری ہے، ان میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرنا یا اس میں شک کرنا کفر ہے۔

اعجاز قرآن

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور گزشتہ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے لیے ناسخ ہے۔ دیگر کتابیں اور صحیفے صرف مضمون کے اعتبار سے معجز تھے جب کہ قرآن پاک نظم (الفاظ) اور معنی دونوں اعتبار سے معجز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزرنے کے باوجود کوئی قرآن کریم جیسا کلام پیش نہیں کر سکا۔ قرآن نے بارہا چیلنج کیا کہ جو لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ قرآن کسی انسان کا کلام ہے، ان کو چیلنج ہے کہ وہ اس کتاب جیسی کوئی کتاب بنا کر لے آئے، لیکن کوئی اس چیلنج کو پورا نہ کر سکا، پھر چیلنج نرم کر دیا گیا کہ اگر مکمل

کتاب نہیں بناسکتے تو ایک سورت ہی بنادو، لیکن کوئی یہ چیلنج بھی پورا نہ کرسکا، آخر میں قرآن نے یہ چیلنج کیا کہ کم از کم ایک آیت ہی بنا کر لے آؤ، مگر کسی میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ قرآن جیسی ایک آیت بھی بنا سکے۔

بڑے بڑے شاعر اور فصیح اللسان لوگ پیدا ہوئے لیکن کوئی اس کی ہمسری نہیں کرسکا۔ قرآن کریم پُر اثر کلام ہے، اسلوب خطیبانہ ہے، اس میں نثر بھی ہے اور نظم بھی۔ جملوں کی ترکیب اور ساخت بے نظیر ہے، ہر جملہ حسن کا مرقع ہے، ہر جملہ اتنا موزوں ہے کہ اس سے بہتر جملہ اس مقام پر آہی نہیں سکتا۔ قرآن کریم مختصر پُر اثر الفاظ پر مشتمل ہے۔ اس میں تشبیہات، تلمیحات اور تمام اصناف ادب موجود ہیں۔ کہیں کوئی ایسا لفظ نہیں جو زبان وادب کی چاشنی کے خلاف ہو۔ تذکیر و موعظت کے لیے واقعات جابجا ہیں، واقعات سے کلام میں دل چسپی پیدا ہوتی ہے اور انسان ان سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ جتنی بار پڑھا جائے، ہر بار معانی ومطالب کا ایک نیا باب عیاں ہوتا ہے، صدیاں گزر گئیں لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قرآن پاک کے تمام معانی ومطالب پر عبور حاصل کرلیا ہے۔ اس کی تعبیرات ایسی لچک دار ہیں کہ ہر زمانے کا ساتھ دیتی نظر آتی ہیں۔ علوم وفنون کتنے ہی ترقی کرلیں لیکن جب انسان قرآن کریم کے بیانات پڑھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ جسے جدید دور کی جدید ترین اور سب سے مستند علمی کاوش سمجھتا تھا قرآن کریم میں اس کے واضح اشارے نظر آتے ہیں۔

ویکیپیڈیا نے جارج سیل کا قول آویزاں کیا ہے وہ کہتا ہے:

" قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے کہ کوئی انسانی قلم اسے لکھ نہیں سکتا، یہ مُردوں کو زندہ کرنے سے زیادہ بڑا معجزہ ہے۔"

قرآن کریم میں بیان کردہ تمام پیشین گوئیاں درست ثابت ہوئیں۔ قرآن نے کہا کہ بدر میں کفار کو شکست ہوگی، واقعی شکست ہوئی۔ قرآن نے کہا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ عمرہ کریں گے، چنانچہ عمرہ نصیب ہوا۔ الغرض! قرآن کی ہر پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

سطور بالا میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ علوم وفنون چاہے جتنی ترقی کرلیں، زمانہ چاہے جتنا آگے نکل جائے قرآن کریم کے اشارات سے باہر ہرگز نہیں نکل سکتے، انہیں قرآن کے سامنے سرنگوں ہونا ہی پڑے گا۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہر دور کے لوگوں نے بارہا کیا، بگ بینگ کا نظریہ ہو یا نظریہ اضافیت، انکشافات پتھروں کے شعور کے بارے میں ہوں یا کائنات کے پھیلاؤ کے بارے میں۔ انسانی پیدائش کے ترتیب وار مراحل ہوں یا بادلوں کی ثقل کے حقائق، حیوانات، جمادات، نباتات، فلکیات، مابعد الطبیعات؛ غرض! قرآن کریم ان سب کے بارے میں اشارات فراہم کرتا ہے۔

ماضی قریب اور عصر حاضر کے مصنفین میں سے ڈاکٹر موریس بکائیے، شیخ علی الطنطاوی، ڈاکٹر ذاکر نائیک، ڈاکٹر ولی رازی، ڈاکٹر طاہر القادری اور انور بن اختر نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ جبکہ ویب سائٹس کی دنیا میں وکیپیڈیا، دلیل السلطان، الحاد جدید کا علمی محاکمہ، صفہ پی کے اور دیگر ویب سائٹس پر سائنس اور قرآن کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور مزید لکھا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ علوم ختم ہو جائیں گے لیکن قرآن کریم کے عجائبات اور اس کے اعجازی پہلو کبھی ختم نہ ہوں گے۔

جادو، معجزہ اور کرامت

سحر کی حقیقت

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیر معارف القرآن" سورۃ النمل آیت نمبر 40 کے ذیل میں جادو کی حقیقت پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، پہلے اس کو مناسب حذف و تغیر کے ساتھ ملاحظہ فرمالیجیے، اس کے بعد جادو اور معجزے میں فرق واضح ہو جائے گا۔

"سحر (سین کی زیر کے ساتھ) لغت میں ہر ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا کوئی ظاہری سبب نظر نہ آئے، یعنی سبب ہو لیکن وہ مخفی اور پوشیدہ ہو، چاہے وہ کوئی معنوی سبب ہو، جیسے خاص کلمات کا اثر یا غیر محسوس چیزوں کا اثر ہو، جیسے جنات و شیاطین کا اثر۔ یا مسمریزم میں قوت خیالیہ کا اثر۔ یا محسوسات کا ہو مگر وہ محسوسات مخفی ہوں جیسے لوہے کے لیے مقناطیس کی کشش جبکہ مقناطیس نظروں سے پوشیدہ ہو، یا دواؤں کا اثر جبکہ وہ دوائیں مخفی ہوں یا نجوم و سیارات کا اثر۔

عرف عام میں عموماً جادو ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن میں جنات و شیاطین کے عمل کا یا قوت خیالیہ مسمریزم کا یا کچھ الفاظ و کلمات کا دخل ہو؛ کیونکہ یہ بات عقلاً بھی ثابت ہے اور تجربہ و مشاہدہ سے بھی اور قدیم وجدید فلاسفہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حروف و کلمات میں بھی کچھ اثرات ہوتے ہیں، چنانچہ کسی خاص حرف یا کلمہ کو کسی خاص تعداد میں پڑھنے یا لکھنے وغیرہ سے خاص خاص تاثرات کا مشاہدہ ہوتا ہے یا ایسے

تاثرات جو کسی انسانی بالوں یا ناخنوں وغیرہ یا اس کے استعمال کے کپڑوں کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں شامل کر کے پیدا کی جاتی ہیں جن کو عرف عام میں ٹونہ ٹوٹکا کہا جاتا ہے اور جادو میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

اصطلاح قرآن وسنت میں سحر ہر ایسے عجیب کام کو کہا جاتا ہے جس کو وجود میں لانے کے لیے شیاطین کی تعریف یا ستاروں کی عبادت اختیار کی گئی ہو یا کوئی ایسا بڑا گناہ کیا گیا ہو جس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

سحر کی اقسام:

امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں:

سحر کی مختلف قسمیں ہیں ایک قسم تو محض نظر بندی اور تخیل ہوتی ہے جس کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں جیسے بعض شعبدہ باز اپنی ہاتھ کی چالاکی سے ایسے کام کر لیتے ہیں کہ عام لوگوں کی نظریں اس کو دیکھنے سے قاصر رہتی ہیں یا قوت خیاللیہ مسمریزم وغیرہ کے ذریعہ کسی کے دماغ پر ایسا اثر ڈالا جائے کہ وہ ایک چیز کو آنکھوں سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے مگر اس کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں ہوتی کبھی یہ کام شیاطین کے اثر سے بھی ہو سکتا ہے کہ مسحور کی آنکھوں اور دماغ پر ایسا اثر ڈالا جائے جس سے وہ ایک غیر واقعی چیز کو حقیقت سمجھنے لگے۔

قرآن مجید میں فرعونی ساحروں کے جس سحر کا ذکر ہے وہ پہلی قسم کا سحر تھا جیسا کہ ارشاد ہے: سَحَرُوٓا اَعۡيُنَ النَّاسِ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔

اور ارشاد ہے: فَأَلْقٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ان کے سحر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں یہ آیا کہ یہ رسیوں کے سانپ دوڑ رہے ہیں۔

اس میں یخیل کے لفظ سے یہ بتلا دیا گیا کہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں جو ساحروں نے ڈالی تھیں نہ در حقیقت سانپ بنی اور نہ انہوں نے کوئی حرکت کی بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت متخیلہ متاثر ہو کر ان کو دوڑنے والے سانپ سمجھنے لگی۔

دوسری قسم اس طرح کی تخییل اور نظر بندی ہے جو بعض اوقات شیاطین کے اثر سے ہوتی ہے جو قرآن کریم کے اس ارشاد سے معلوم ہوئی: هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيْمٍ میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ کن لوگوں پر شیطان اترتے ہیں، ہر بہتان باندھنے والے گناہگار پر اترتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ یعنی شیاطین نے کفر اختیار کیا لوگوں کو جادو سکھانے لگے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ سحر کے ذریعے ایک شے کی حقیقت ہی بدل جائے جیسے کسی انسان یا جاندار کو پتھر یا کوئی جانور بنا دیں۔

قرآن عزیز میں فرعونی ساحروں کے سحر کو جو تخیل قرار دیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سحر تخیل ہی ہو اس سے زائد اور کچھ نہ ہو اور بعض حضرات نے سحر کے ذریعہ انقلاب حقیقت کے جواز پر حضرت کعب احبار کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو مؤطاء امام مالک میں بروایت

قعقاع بن حکیم منقول ہے:لولا کلمات اقولهن لجعلتنی الیهود حمارا یعنی "اگر یہ چند کلمات نہ ہوتے جن کو میں پابندی سے پڑھتا ہوں تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے۔"

حقیقی اور ظاہری مفہوم اس کا یہی ہے کہ اگر میں یہ کلمات روزانہ پابندی سے نہ پڑھتا تو یہودی جادوگر مجھے گدھا بنا دیتے۔

اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں: اول یہ کہ سحر کے ذریعے انسان کو گدھا بنا دینے کا امکان ہے۔ دوسرا یہ کہ جو کلمات وہ پڑھا کرتے تھے ان کی تاثیر یہ ہے کہ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔ حضرت کعب احبار سے جب لوگوں نے پوچھا کہ وہ کلمات کیا تھے تو آپ نے یہ کلمات بتلائے:

أَعُوذُ بِوَجْهِ اللهِ الْعَظِيمِ. الَّذِي لَيْسَ شَيْءٌ أَعْظَمَ مِنْهُ. وَبِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لاَ يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلاَ فَاجِرٌ. وَبِأَسْمَاءِ اللهِ الْحُسْنَى كُلِّهَا. مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ أَعْلَمْ. مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَبَرَأَ وَذَرَأَ (اخرجه فی الموطا، باب التعوذ عند النوم)

میں اللہ عظیم کی پناہ پکڑتا ہوں جس سے بڑا کوئی نہیں اور پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کی جن سے کوئی نیک و بد انسان آگے نہیں نکل سکتا اور پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے تمام اسماء حسنیٰ کی جن کو میں جانتا ہوں اور جن کو نہیں جانتا ہر اس چیز کے شر سے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور وجود دیا اور پھیلایا ہے۔

سحر اور معجزے میں فرق

جس طرح انبیاء کے معجزات یا اولیاء کرام کی کرامات سے ایسے واقعات مشاہدے میں آتے ہیں جو عادۃ نہیں ہوسکتے اسی لیے ان کو خرق عادت کہا جاتا ہے بظاہر سحر اور جادو بھی ایسے ہی مشاہدے میں آتے ہیں اس لیے بعض جاہلوں کو ان دونوں میں التباس بھی ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ جادوگروں کی تعظیم و تکریم کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے:

سحر اور جادو سے جو چیزیں مشاہدے میں آتی ہیں، یہ دائرہ اسباب سے الگ نہیں ہے بلکہ صرف اسباب کے ظہور و خفاء کا فرق ہے جہاں اسباب ظاہر ہوتے ہیں وہ آثار ان اسباب کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور کوئی تعجب کی چیز نہیں سمجھی جاتی، لیکن جہاں اسباب مخفی ہوں تو وہ تعجب کی چیز ہوتی ہے اور عوام اسباب کے نہ جاننے کی وجہ سے اس کو خرق عادت سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ درحقیقت تمام عادی امور کی طرح کسی جن شیطان کے اثر سے ہوتی ہے۔

بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلاواسطہ حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ کے لیے حق تعالیٰ نے آگ کو فرمایا کہ ٹھنڈی ہو جا مگر اتنی ٹھنڈک نہ ہو جس سے تکلیف پہنچے بلکہ سلامتی والی بن جا۔ چنانچہ آگ سلامتی والی بن گئی۔

یہ بات کہ معجزہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے خود قرآن عزیز کی تصریح سے ثابت ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمٰى کنکریوں کی مٹھی جو آپ نے پھینکی در حقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ہے۔

مراد یہ کہ ایک مٹھی خاک کا سارے مجمع کی آنکھوں تک پہنچ جانا اس میں آپ کے عمل کو کوئی دخل نہیں یہ خالص حق تعالیٰ کا فعل ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ عوام الناس اس فرق کو کیسے پہچانیں؟ کیونکہ ظاہری طور پر جادو اور معجزہ ایک جیسا لگتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عوام کے پہچاننے کے لیے حق تعالیٰ نے کئی فرق ظاہر کر دیے ہیں:

1- معجزہ یا کرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتی ہے جن کا تقویٰ طہارت و پاکیزگی اخلاق و اعمال کا سب مشاہدہ کرتے ہیں۔ جبکہ جادو کا اثر صرف ایسے لوگوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے جو اللہ کے نام سے اور اس کی عبادت سے دور رہتے ہیں۔

2- عادۃ اللہ یہ ہے کہ جو شخص معجزے اور نبوت کا دعویٰ کر کے کوئی جادو کرنا چاہے اس کا جادو نہیں چلتا۔ البتہ نبوت کے دعوے کے بغیر کرے تو چل جاتا ہے۔ (مستفاد از معارف القرآن)

جادو، معجزہ اور کرامت کے درمیان فرق

معجزہ وہ حیرت انگیز بات جو نبیوں اور رسولوں کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ کرامت وہ حیرت انگیز بات جو اللہ تعالی اپنے ولی کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔

معجزہ اور کرامت کا مقصد ان بزرگ ہستیوں کی تائید، ان کی مدد یا دین کی مدد کرنا ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے، کوئی نبی یا ولی اپنی کوشش سے اسے حاصل نہیں کر سکتا۔

امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت کے عقیدے میں ولیوں کی کرامت کی تصدیق بھی داخل ہے۔

جادوگر اور کاہنوں اور انبیائے کرام کے علوم میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ کاہن اور جادوگر پاکیزگی، راست گوئی، بلند اخلاق سے کوسوں دور ہوتے ہیں، وہ نبوت اور پیغمبری کا دعویٰ بھی نہیں کرتے بلکہ خود کو جادوگر یا کاہن ہی کہلواتے ہیں۔ نیز ان کے جادو کے پیچھے مخفی اسباب کا دخل ہوتا ہے جبکہ معجزہ بغیر کسی سبب مخفی کے وجود پذیر ہوتا ہے۔ یہ تین فرق واضح ہیں، غور کر لیجیے!

ایک ضروری بات

البتہ یہاں ایک بات عرض کرنا ضروری ہے۔ بہت سے سیدھے سادھے لوگ معجزات و کرامات سے شبہ میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان محیر العقول چیزوں کا انبیاو اولیا کے ہاتھوں پر ظاہر ہونا ان کے مختار کل اور مشکل کشا ہونے کی دلیل ہے، حالانکہ یہ محض ایک شبہ ہی ہے۔ حقیقت سے اس کا

کیا واسطہ؟ اللہ تعالیٰ کبھی کسی کا محتاج نہیں۔ کائناتِ رنگ وبو میں جو کچھ ہو رہا ہے صرف اور صرف اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ انبیائے کرام علیہم السلام سے معجزات کا اور نیک لوگوں سے کرامات کا ظہور اللہ کی مرضی اور حکم سے ہی ہوتا ہے۔ معجزہ اور کرامت براہ راست اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ بزرگ ہستیوں کا اس میں کوئی اختیار نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات انہیں پتا بھی نہیں ہوتا کہ ایسا محیر العقول واقعہ ہونے جا رہا ہے! ہاں! بعض اوقات اشارہ دے دیا جاتا ہے کہ آپ ایسا کریں ہم ویسا کر دیں گے۔

اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور بزرگان دین کو دین کی خاطر کیسی کیسی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا؟ زخموں سے چور ہونا پڑا۔ صحابہ کرام اور اپنے قریبی رفقا کی شہادتوں کا غم سہنا پڑا۔ جائیداد و املاک سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اگر اختیارات ان کے ہاتھوں میں ہوتے تو یہ مشکلات کیوں پیش آتیں؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ} [الأعراف: 188]

ترجمہ: کہو کہ: جب تک اللہ نہ چاہے میں خود اپنے آپ کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا، اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اچھی اچھی چیزیں خوب جمع کرتا، اور مجھے کبھی کوئی تکلیف ہی نہ پہنچتی، میں تو

بس ایک ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، ان لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: "عرفت ربی بفسخ العزائم " میں نے ارادوں کے ٹوٹ جانے سے اپنے رب کو پہچانا۔ یہ کون فرما رہے ہیں؟ وہی جنہیں مشکل کشا کہا جاتا ہے!!! بقول شاعر

ارادے باندھتا ہوں سوچتا ہوں توڑ دیتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے

توحید باری تعالی

توحید سے مراد یہ ہے کہ دل و دماغ کی گہرائیوں سے یہ یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالی ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ بیوی۔ سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کارخانۂ عالم چلانے کے لیے اسے نہ وسائل کی ضرورت ہے نہ افراد کی۔ اس کی قدرت اور علم ہر چیز کو محیط ہے، اس کا کوئی مثل نہیں، اس کی ذات وصفات کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

حضرت مولانا یحیی مدنی نور اللہ مرقدہ اکثر ایک شعر پڑھا کرتے تھے:

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

ہم جان گئے بس تیری پہچان ہی یہی ہے

سورۃ محمد آیت نمبر 19 میں توحید کا علم حاصل کرنا لازم قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللهُ: "پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"

اس آیت میں فَاعْلَمْ امر ہے جس سے توحید کے علم کو لازمی اور فرض قرار دیا گیا ہے۔

دلائل توحید

قرآن پاک میں توحید کے کئی دلائل دیے گئے ہیں:

ا۔ اللہ تعالی نے انسان پر ہزارہا نعمتیں کی ہیں، اس کے احسانات ان گنت ہیں، ہر پل وہ انسان کی پرورش کر رہا ہے، تو جب اللہ کی اتنی نعمتیں اور احسانات ہیں تو انسان کو عبادت بھی اسی کی کرنی چاہیے، مدد اسی سے مانگنی

چاہیے! یہ کیا بات کہ کھائیں اللہ کا اور عبادت غیر اللہ کی ہو! اس دلیل کو توحید کی دلیل ربوبیت کہہ سکتے ہیں۔

۲۔ دوسری دلیل، دلیل قدرت ہے۔ آسمانوں، سیاروں، ستاروں اور ان کے علاوہ دوسری ہزارہا مخلوقات کی تخلیق اور ان کا قیام، پہاڑ سے اونٹنی کا نکالنا،، بحر وبر، فضا وخلا کے قوانین، کروڑوں انسان اور ان کے بدلتے ہوئے چہرے، ان کے رنگ، زبانیں اور قبائل یہ سب اللہ تعالی کی قدرت کا مظہر ہیں، اس کے علم وارادے کا تو پوچھنا ہی کیا! ماضی، حال، مستقبل، ازل سے ابد تک کی ہر شے اس کے علم میں ہے، درخت کے جھڑتے پتے، اندھیر راتوں میں رینگتی کالی چیونٹیاں غرض ہر چیز اس کے علم وقدرت میں ہے۔ سات سمندر کو سیاہی اور زمین کے سب درختوں کو قلم بنادیا جائے اور اس کے علم وقدرت کو لکھنا شروع کیا جائے تو قلم وروشنائی ختم ہو جائیں لیکن اس کے علم وقدرت اور اس کی مدح وثنا کی باتیں ختم نہ ہوں۔

ایسی ذات کی عبادت کی بجائے لوگ بتوں کی، مخلوقات کی اور بندگان خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں، یہ کتنی بڑی جہالت کی بات ہے؟ جو ذات اتنی بڑی قدرت کی مالک ہے وہ کیا اپنے بندوں کی فریاد نہیں سن سکتے؟ ان کی مدد نہیں کرسکتے؟

۳۔ توحید کی تیسری دلیل خود انسانی فطرت ہے۔ معصوم بچے اللہ، اللہ کہتے ہوئے روتے ہیں۔ انسان سخت مشکلات میں، زلزلوں، طوفانوں میں، سمندری موجوں کے تلاطم کے وقت جب وہ موت کو اپنے سامنے پاتا ہے، اس

وقت ایک اللہ ہی کو پکارتا ہے، تو جب مشکلات میں انسان ایک اللہ کو پکارتا ہے تو عام زندگی میں غیروں کی پرستش کیوں؟

۴۔چوتھی دلیل نظم کائنات ہے۔ آسمان وزمین صدیوں سے اپنی جگہ قائم ہیں، یہ اللہ کے یکتا وتنہا معبود ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ بالفرض اگر اللہ کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو ان خداؤں میں نظام کائنات پر حکمرانی کے لیے رسہ کشی ہوتی، لڑائیاں ہوتیں، ان کے بھی کئی گروپس ہوتے، زمینی خدا سب مل کر آسمانی خدا کی حکومت سے بغاوت کر دیتے۔ اور جب لڑائیاں ہوتی ہیں تو نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ لیکن نظام کائنات اپنی آب وتاب کے ساتھ قائم ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک اللہ کے علاوہ اور خداؤں کا سرے سے وجود ہی نہیں۔

۵۔انسانی روایات، قدیم تہذیب و تاریخ اور آسمانی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایک آسمانی خدا کا تصور ہر دور، ہر مذہب اور ہر تہذیب میں رہا، لیکن مختلف عوامل اور جہالتوں کی وجہ سے لوگوں نے دوسری چیزوں کو مشکل کشا، حاجت روا سمجھنا شروع کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد توحید پر چلتے رہے، ان کے بعد کی نسلوں میں شیطان نے شرک پیدا کیا، اور وہ "ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر "کو خدا بنا بیٹھے۔ پھر اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا، انھوں نے شرک کی نفی کی اور توحید کی دعوت دی، پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔

غرض دنیا میں اصل مذہب توحید پرستی تھا، لیکن حوادث زمانہ بعد والی نسلوں میں شرک پیدا کرتے رہے، یہ سلسلہ ہر دور میں جاری رہا، شیطان انسان

کو صراط مستقیم سے بھٹکاتا رہا۔ لہذا انسان کو اپنی اصل کی طرف لوٹنا چاہیے اور شرک کی جہالتوں سے باز آنا چاہیے!

۶۔ جن عظیم شخصیات کو لوگوں نے اپنی طرف سے خدائی اختیارات تفویض کر رکھے ہیں، خود ان کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنی سب مشکلات اللہ کے سامنے پیش کرتے تھے، اور اللہ ہی ان آزمائشوں سے ان کو نکالتا تھا، تو جب مقدس ہستیاں خود اللہ کی محتاج ہیں تو وہ دوسروں کی حاجتیں کیسے دور کرسکتے ہیں؟

۷۔ دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو ذرہ برابر بھی نفع و نقصان کا مالک ہو، بلکہ ہر ایک اللہ کا محتاج ہے۔ لوگ اپنے ہی ہاتھوں سے بتوں کو تراشتے ہیں، اور جب چاہیں ان کو توڑ سکتے ہیں، یہ سب بت ایسے گونگے بہرے، محتاج اور فنا ہو جانے والے، یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ ارشاد باری تعالی ہے:

قُلْ أَنَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلَى أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا اللَّهُ۔ (الانعام آیت 71)

ترجمہ: (اے پیغمبر) ان سے کہو: کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پکاریں جو ہمیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں، نہ نقصان اور جب اللہ ہمیں ہدایت دے چکا ہے تو کیا اس کے بعد بھی ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟

۸۔ جو چیزیں خود زوال پذیر ہو، کسی بڑی ہستی کے مزدور ہوں، وقت مقرر پر آتے ہوں اور وقت مقرر پر ڈوب جاتے ہوں وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ چاند، سورج، ستارے اور سب ہی وقت مقرر پر آتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں،

ہمیشہ کے لیے کوئی بھی چیز دنیا میں نہیں ہے، پھر یہ سب خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ . فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ . فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ . فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ (الانعام، آیت 75-78)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا نظارہ کراتے تھے، اور مقصد یہ تھا کہ وہ مکمل یقین رکھنے والوں میں شامل ہوں۔ چنانچہ جب ان پر رات چھائی تو انہوں نے ایک ستارا دیکھا۔ کہنے لگے: یہ میرا رب ہے پھر جب وہ ڈوب گیا تو انہوں نے کہا: میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ: یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ پھر جب انہوں نے سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے۔ یہ زیادہ بڑا ہے۔ پھر جب وہ غروب ہوا تو انہوں نے کہا: اے میری قوم! جن جن چیزوں کو تم اللہ کی خدائی میں شریک قرار دیتے ہو، میں ان سب سے بیزار ہوں۔

۹۔ لوگوں کے دلوں میں بتوں کا خوف بٹھا دیا گیا ہے، اس لیے وہ ان سے ڈرتے ہیں اور انہیں پوجتے ہیں۔ حالانکہ عبادت کے لیے آسمانی سند اور وحی کی دلیل چاہیے، اور ظاہر ہے کہ بت پرستی کے دلائل انسانوں کے تراشے ہوئے محض وہم و خیال اور رسم و رواج ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا:

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (الانعام، آیت 81)

ترجمہ: اور جن چیزوں کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، میں ان سے کیسے ڈر سکتا ہوں جبکہ تم ان چیزوں کو اللہ کا شریک ماننے سے نہیں ڈرتے جن کے بارے میں اس نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے؟ اب اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو بتاؤ کہ ہم دو فریقوں میں سے کون بے خوف رہنے کا زیادہ مستحق ہے؟

۱۰۔ دنیا کا کوئی مذہب اللہ کے لیے بیوی تجویز نہیں کرتا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب شرک پرست کسی مقدس ہستی کے حوالے سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ خدا کے بیٹے یا بیٹیاں ہیں تو اولاد کے لیے بیوی چاہیے تو وہ کس کو معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کی بیوی قرار دینے کی جسارت کریں گے؟ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد سرے سے ہے ہی نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

(الانعام۔آیت101)

ترجمہ: وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔اس کا کوئی بیٹا کہاں ہوسکتا ہے، جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں؟اسی نے ہر چیز پیدا کی ہے اور وہ ہر ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔

۱۱۔ انسان اپنے آپ پر غور کرے کہ کیا وہ اپنی ملکیت اور پراپرٹی میں کسی کو شریک کرنا گوارا کرتا ہے؟ اگر کرتا بھی ہے تو بڑی مشکل اور کراہت سے کرتا ہے اور شریک کرنے کے بعد ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں کچھ غبن اور دھوکا نہ ہو جائے۔جب انسان اپنی ملکیت میں کسی کو شریک کرنا برداشت نہیں کرتا تو اللہ کی کائنات اور اس کی تخلیق میں کسی اور کو اپنی طرف سے کیسے شریک بنالیتا ہے؟

۱۲۔ کسی شخص کے کئی باس ہوں، سب کے سب غصیلے اور کم عقل ہوں، اور مالی لحاظ سے بھی کم درجے کے ہوں تو وہ کتنا پریشان رہتا ہے۔ کبھی سکون سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا، تھکن سے چور ہو جاتا ہے، اور حاصل بھی کچھ نہیں ہوتا، اور فکر لگی رہتی ہے کہ کہیں کوئی باس ناراض نہ ہو جائے۔اس کے مقابلے میں دوسرا وہ شخص ہے جس کا ایک ہی مالک اور آقا ہے جو مال دار اور صاحب صفات ہے، اس کا ہر طرح کا خیال رکھتا ہے۔ان دو میں سے کون سا شخص زیادہ بہتر ہے؟ ظاہر ہے دوسرا شخص بہت سکون میں ہے۔یہی مثال اللہ اور غیر اللہ

کی ہے۔ انسان غیر اللہ اور بتانِ دنیا کو کبھی راضی نہیں رکھ سکتا جبکہ ایک خدا جو قادر مطلق اور کریم ذات ہے، کو بآسانی راضی رکھ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

"وہ زندہ ہے، ہر چیز پر اس کو قدرت ہے، کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، وہ سب کچھ دیکھتا ہے، سنتا ہے، کلام فرماتا ہے، لیکن اس کا کلام ہم لوگوں کے کلام کی طرح نہیں۔ جو چاہے کرتا ہے، کوئی اس کی روک ٹوک کرنے والا نہیں۔ وہی عبادت کے لائق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ بادشاہ ہے، سب عیبوں سے پاک ہے، وہی اپنے بندوں کو سب آفتوں سے بچاتا ہے، وہی عزت والا ہے، بڑائی والا ہے، ساری چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، اس کو کوئی پیدا کرنے والا نہیں۔ گناہوں کا بخشنے والا ہے، قوت والا ہے، بہت دینے والا ہے، روزی پہنچانے والا ہے، جس کی روزی چاہے تنگ کر دے اور جس کی چاہے زیادہ کر دے۔ جس کو چاہے پست کر دے، جس کو چاہے بلند کر دے، جس کو چاہے عزت دے، جس کو چاہے ذلت دے، انصاف والا ہے، بڑے تحمل اور برداشت والا ہے، خدمت اور عبادت کی قدر کرنے والا ہے، دعا کو قبول کرنے والا ہے، بردباری والا ہے۔ وہ سب پر حاکم ہے، اس پر کوئی حاکم نہیں، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، وہ سب کا کام بنانے والا ہے، اسی نے سب کو پیدا کیا ہے، وہی قیامت میں پھر پیدا کرے گا، وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا

ہے۔ وہ علامات اور صفات سے پہچانا جاتا ہے، اس کی حقیقت کو کوئی نہیں جان سکتا، گناہگاروں کی توبہ قبول کرتا ہے، جو سزا کے قابل ہیں ان کو سزا دیتا ہے، وہی ہدایت دیتا ہے، کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے، اسی کے حکم سے ہوتا ہے، بغیر اس کے حکم کے ذرہ بھی نہیں ہل سکتا، نہ وہ سوتا ہے، نہ اونگھتا ہے، وہ تمام عالم کی حفاظت سے تھکتا نہیں۔ وہی ساری کائنات کو تھامے ہوئے ہے۔ اس کے لیے تمام صفات کمال ثابت ہیں اور وہ ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ (تسہیل بہشتی زیور)

یاد رکھیں! اللہ تعالی کی ذات کو پہچاننا ناممکن ہے، اللہ تعالی کو اس کی صفات سے ہی پہچانا جاسکتا ہے، اسی وجہ سے قرآن و حدیث میں اللہ تعالی کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ پھر صفات کی دو قسمیں ہیں: ایک ایجابی دوسری سلبی۔ ایجابی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے لیے کوئی صفت ثابت کی جائے جیسے اوپر بیان کی گئی اکثر صفات ایجابی ہیں۔ سلبی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی سے کسی صفت کی نفی کی جائے؛ جیسے: اللہ تعالی محتاج نہیں ہیں۔ اللہ تعالی ظالم نہیں ہیں، وغیرہ۔

کسی شخص کو اس کی ایجابی صفات سے زیادہ بہتر طریقے سے پہچانا جاتا ہے، سلبی صفات سے پہچان کم ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن وسنت میں ایجابی صفات زیادہ بیان ہوئی ہیں، جبکہ فلاسفہ وغیرہ کے پاس آسمانی کتابوں کا علم نہیں ہوتا اس لیے وہ اللہ تعالی کی صفات بیان کرتے ہوئے سلبی صفات بیان کرتے ہیں، ایجابی صفات بیان نہیں کرپاتے، یہی فرق ہے وحی اور عقل کا۔

مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"یہاں قرآن کریم کا ایک عجیب دل آویز نکتہ ہے جس کی طرف سب سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ایک جملہ سے توجہ ہوئی، وہ فرماتے ہیں، فلاسفہ یونان جب اللہ شانہ کی صفات کا ذکر کرتے (جس کو وہ اپنی فلسفیانہ زبان میں "واجب الوجود" یا "مبدا افیاض" سے یاد کیا کرتے تھے) تو وہ ان صفات کی زیادہ تفصیل اور گہرائی میں جاتے تھے، جو ان کے نزدیک اللہ تعالی کے لیے مناسب نہیں ہیں، یعنی سلبی صفتیں (وہ ایسا نہیں ہے، اور اس سے مبراء ہے) اور جب اثباتی صفات کا ذکر ہوتا (اللہ ایسا ہے اور اس کی یہ صفت ہے) تو اس میں اجمال سے کام لیتے، اس طرح فلسفہ میں سلبیات کا بیان مفصل اور ایجابیات کا ذکر اجمالا ملتا ہے، بر خلاف قرآن کریم کے اس میں ایجابیات کی تفصیل ہے اور سلبیات کا اختصار ہے، دوسرے آسمانی مذاہب اور انبیاء کرام کی تعلیمات میں یہی مشترک وصف ملے گا کہ اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے۔

اللہ تعالی کی صفات کا اثباتی بیان ان آیات میں پڑھیے:

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ (22) هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (23) هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (24) (سورہ حشر)

ترجمہ: وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ چھپی اور کھلی ہر بات کو جاننے والا ہے۔ وہی ہے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے۔ وہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو بادشاہ ہے، تقدس کا مالک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امن بخشنے والا ہے، سب کا نگہبان ہے، بڑے اقتدار والا ہے، ہر خرابی کی اصلاح کرنے والا ہے، بڑائی کا مالک ہے۔ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ وہ اللہ وہی ہے جو پیدا کرنے والا ہے، وجود میں لانے والا ہے صورت بنانے والا ہے، اسی کے سب سے اچھے نام ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ اس کی تسبیح کرتی ہیں، اور وہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔

اور سلبی صفات کا ذکر پڑھیے:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡبَصِيرُ (11)(شوری)

ترجمہ: کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے مزید فرمایا کہ سلبی صفات خواہ سیکڑوں کی تعداد میں ہو، ان کا وہ اثر نہیں پڑ سکتا جو ایک اثباتی بیان کا ہوتا ہے، امام ابن تیمیہؒ نے بالکل سچی بات کہی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ ہماری یہ زندگی اور گذری ہوئی نسلوں کی زندگیاں گواہ ہیں کہ انسانی زندگی اثبات پر قائم ہے، نہ کہ نفی پر، نفی کی نسبت انسانی زندگی اور تمدن میں بہت معمولی ہے۔ (اسلام کے تین بنیادی عقائد: ص 22-23)

شرک

اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی اور خدا ماننا یا جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے اس طرح کی عبادت کسی اور کی کرنا شرک کہلاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ شرک صرف یہی نہیں کہ ایک سے زیادہ خدا مانے جائیں، بلکہ شرک یہ بھی ہے کہ خدا کو ایک مانتے ہوئے عبادت اور پوجا پاٹ میں کسی اور کو شریک کیا جائے۔ چنانچہ مجوسی ایک سے زیادہ خداؤں کے قائل ہیں سو وہ مشرک ہیں، جبکہ مشرکین مکہ ایک خدا کے قائل تھے، لیکن بتوں کی عبادت ایسے کرتے تھے جیسے اللہ کی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی مشرک قرار دیا۔

شرک کی اقسام

شرک کی دو قسمیں ہیں: شرک حقیقی اور شرک عملی۔

شرک حقیقی

شرک حقیقی کا دوسرا نام شرک اکبر اور شرک اعتقادی ہے۔ یہ حقیقی اور واقعی شرک ہے، جس سے انسان مجوسیوں، مشرکین مکہ اور ہندوؤں کی طرح پکا مشرک کہلاتا ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ مسلمان سے اس کا نکاح درست نہیں اور مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو نہیں دفنایا جائے گا۔

اس شرک کی صورتیں یہ ہیں:

۱۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہیں بلکہ زیادہ ہیں، جیسے: مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ دو خدا ہیں: ایک خیر کا دوسرا شر کا۔ دونوں میں لڑائی چلتی رہتی ہیں

اور آخر کار نیکی کا خدا جیت جاتا ہے۔ یہ عقیدہ شرکیہ ہے اور یہ ایسا شرک ہے کہ اس سے براءت کا اظہار اور اسلام لائے بغیر عند اللہ اس کی کوئی معافی نہیں۔

۲۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں حلول کرتے ہیں اور انسانی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں، جیسے بعض عیسائی فرقوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی خدا ہیں جو آسمانوں سے زمین میں انسانی صورت میں تشریف لائے تھے۔ ایسا عقیدہ کوئی بھی رکھے گا قرآن کے مطابق وہ کافر و مشرک ہو جاتا ہے اور یہ ایسا شرک ہے کہ اس سے براءت کا اظہار اور اسلام لائے بغیر عند اللہ اس کی کوئی معافی نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ} [المائدۃ: 17]

ترجمہ: جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے وہ یقیناً کافر ہو گئے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

{لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ} [المائدۃ: 72]

ترجمہ: وہ لوگ یقیناً کافر ہو چکے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔

۳۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ چند اکائیاں مل کر ایک خدا ہیں۔ مثلاً: عیسائیوں کی طرح یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ، جبرئیل اور عیسیٰ یہ تینوں مل کر ایک خدا ہیں۔ جو

کوئی بھی ایسا عقیدہ رکھے قرآن کے مطابق وہ کافر ہے۔ یہ ایسا شرک ہے کہ اس سے براءت کا اظہار اور اسلام لائے بغیر عند اللہ اس کی کوئی معافی نہیں۔

ارشاد ہے:

{لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ [المائدة: 73]

ترجمہ: وہ لوگ (بھی) یقیناً کافر ہو چکے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ: اللہ تین میں کا تیسرا ہے، حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

اسی طرح ارشاد ہے:

{يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا} [النساء: 171]

ترجمہ: اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو، اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو محض اللہ کے رسول تھے اور اللہ کا ایک کلمہ تھا جو اس نے مریم تک پہنچایا، اور ایک روح تھی جو اسی کی طرف سے (پیدا ہوئی) تھی۔ لہذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ مت کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ اس بات سے باز آجاؤ، کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے، اللہ تو ایک ہی معبود ہے وہ اس بات سے بالکل پاک

ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور سب کی دیکھ بھال کے لیے اللہ کافی ہے۔

۴۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ صاحبِ اہل وعیال ہیں۔ یہ بھی شرک ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ} [الأنعام: 101]

ترجمہ: وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجود ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کہاں ہو سکتا ہے، جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں؟

اسی طرح ارشاد ہے:

[وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا [الجن:3]

ترجمہ: اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی بہت اونچی شان ہے، اس نے نہ کوئی بیوی رکھی ہے، اور نہ کوئی بیٹا۔

ایک جگہ فرمایا:

{قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَانٍ بِهَٰذَا أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ} [یونس: 68]

ترجمہ: (کچھ) لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ اولاد رکھتا ہے، حالانکہ اس کی ذات پاک ہے، وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس بات کی ذرا بھی کوئی دلیل نہیں ہے، کیا تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں؟

سورہ مریم میں ارشاد ہے:

{وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا (88) لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا
إِدًّا (89) تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ
وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (90) أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا (91) وَمَا
يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا} [مریم: 88-92]

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہے۔ (ایسی بات کہنے والو!) حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ کہ ان لوگوں نے خدائے رحمن کے لیے اولاد ہونے کا دعوی کیا ہے۔ حالانکہ خدائے رحمن کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔

۵۔ کسی بت، درخت، ستارے، انسان، مزار یا کسی بھی چیز کے حوالے سے یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالی نے ان سے خوش ہو کر انہیں اپنی عطا سے مستقل اختیارات دے رکھے ہیں، جیسے بادشاہ اپنے وزیروں کو اختیارات منتقل کر دیتا ہے، جس کے بعد وزیر خود سے تمام کام بادشاہ سے پوچھے بغیر انجام دیتا ہے۔ اسے ہر ہر بات کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ الگ بات ہے کہ بادشاہ کسی کام کو خصوصی حکم نامے سے منسوخ کر سکتا یا رکوا سکتا ہے لیکن ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے۔ یہ بھی شرک حقیقی ہے۔ ہنود، ستارہ پرست اور مشرکین مکہ کے عقائد اسی طرح کے تھے۔ وہ خالق مالک ایک خدا کی ہستی کو مانتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ خود اللہ تعالی نے بتوں کو یہ مستقل اختیارات دے رکھے ہیں، چنانچہ وہ تلبیہ پڑھتے ہوئے کہتے

تھے:لاشريك لك الا شريكا هولك تملكه وماملك "اے اللہ! آپ کا کوئی شریک نہیں، آپ ہی اکیلے خدا ہیں لیکن جن کو آپ نے خود اختیارات دیے ہیں بذات خود انہیں اختیارات نہیں ہیں، آپ کے دینے سے ہیں وہ بھی آپ کے شریک ہیں۔" یہ مشرکین مکہ کا تلبیہ ہے۔اس تاویل سے وہ مشرک ہونے سے بچے نہیں، اللہ تعالی نے انہیں بھی مشرک ہی فرمایا۔ اور یہ ایسا شرک ہے کہ اس سے براءت کا اظہار اور اسلام لائے بغیر عند اللہ اس کی کوئی معافی نہیں۔

ارشاد باری تعالی ہیں!

{إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ} [النساء: 48]

ترجمہ: بیشک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔

{وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ} [لقمان: 13]

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ: میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، یقین جانو شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے!

عَنْ أَنَسٍ يَرْفَعُهُ، إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ كُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ، قَالَ: نَعَمْ،

قَالَ: فَقَدْ سَأَلْتُكَ مَا هُوَ أَهْوَنُ مِنْ هَذَا وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي فَأَبَيْتَ إِلَّا الشِّرْكَ ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس شخص سے پوچھے گا جسے دوزخ کا سب سے ہلکے عذاب میں رکھا گیا ہو گا۔ اگر تمہیں اپنی جان عذاب سے چھڑانے کے لیے ساری دنیا دے دی جائے تو کیا تو اس عذاب سے نجات پانے کے لیے اسے بدلے میں دے دوگے ؟ وہ شخص کہے گا کہ جی ہاں! اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب تو آدم کی پیٹھ میں تھا تو میں نے تجھ سے اس سے بھی معمولی چیز کا مطالبہ کیا تھا (روز ازل میں) کہ میرا کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانا، لیکن (جب تو دنیا میں آیا تو) اسی شرک کا عمل اختیار کیا۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 3334)

ایک اور حدیث میں ہے:

عَنْ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أن أبا هريرة، قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أَنْزَلَ اللَّهُ: وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ سورة الشعراء آية 214، قَالَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت ”اور اپنے خاندان کے قرابت داروں کو ڈرا“ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے (صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر) آواز دی کہ اے قبیلۂ قریش ! یا اسی طرح کا اور کوئی کلمہ آپ نے فرمایا اللہ کی اطاعت کے ذریعہ اپنی جانوں کو اس کے عذاب سے بچاؤ (اگر تم شرک و کفر سے باز نہ آئے تو) اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہیں آوں گا۔ اے بنی عبد مناف! اللہ کے ہاں میں تمہارے لیے بالکل کچھ نہیں کر سکوں گا۔ اے عباس بن عبد المطلب! اللہ کی بارگاہ میں میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔ اے صفیہ، رسول اللہ کی پھوپھی! میں اللہ کے یہاں تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔ اے فاطمہ! محمد ﷺ کی بیٹی! میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے لے لو لیکن اللہ کی بارگاہ میں، میں تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر 4771)

ایک اور حدیث میں ہے:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أَتَى أَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ. قَالَ: تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ. وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ» . قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ. فَلَمَّا وَلَّى قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُر إِلَى هَذَا». (مسلم شریف: حدیث نمبر: 16)

ترجمہ:حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں، ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا: ” تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرو، فرض نماز قائم کرو۔ فرض زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔“ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا، جب وہ چلا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ” جس شخص کو پسند ہو کہ وہ جنتی شخص کو دیکھے تو وہ اسے دیکھ لے۔ (بخاری، مسلم، درجہ: صحیح)

ایک اور حدیث میں ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: ((اَلْمُوْجِبَتَانِ، مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ هُوَ يُشْرِكُ بِهِ دَخَلَ النَّارَ۔)) (مسند أحمد: ١٤٧٦٨)

ترجمہ:سیدنا جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دو باتیں ایسی ہیں جو واجب کر دینے والی ہیں: ایک، جو آدمی اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملا کہ وہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور دوسری، جو شخص اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے کہ وہ اس کے ساتھ شرک کرتا ہو تو وہ جہنم میں داخل ہو گا۔ (مسند احمد، درجہ: صحیح)

شرک کی برائی کے عقلی پہلو

1- جیسے ایک میان میں دو تلواریں نہیں آسکتیں، اسی طرح اس جہاں میں ایک سے زیادہ خالق نہیں ہو سکتے، اگر ایک سے زیادہ خالق ہوتے تو فساد ہوتا اور نظام کائنات تباہ ہو چکا ہوتا!

2- جب اس کائنات کو تن تنہا اللہ پاک نے بنایا ہے تو نذر و نیاز، عبادت اور سجدہ یعنی ساری کی ساری بندگی بھی اسی ایک اللہ کی ہونی چاہیے۔ یہ تو سراسر ناانصافی ہوئی کہ احسان وانعامات اللہ پاک کرتے ہیں اور پوجا کسی اور کو جارہا ہے۔ بقول شاعر

یہ ایک سجدہ، جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

شرک کی برائی کے مزید دلائل عقیدۂ توحید کے ذیل میں دیکھ لیے جائیں، وہاں تفصیلی دلائل موجود ہیں۔

شرک عملی

شرک عملی کا دوسرا نام شرک مجازی ہے۔ یعنی اسے مجازاً شرک کہا جاتا ہے، ورنہ حقیقت میں یہ وہ شرک نہیں جس کی بنا پر انسان دائرۂ اسلام سے نکل جائے اور مشرکین مکہ اور ہنود و مجوس کی طرح پکا مشرک ٹھہرے۔

اس کی صورتیں یہ ہیں:

1- تمام عقائد مسلمانوں والے ہوں، یعنی زبان سے اللہ کو ایک جاننا، ایک ماننا، رسولوں کو ماننا، کلمہ توحید کا اقرار کرنا وغیرہ، لیکن ساتھ ساتھ دل

یازبان سے یااپنے عمل سے یہ عقیدہ ظاہر کرنا کہ چونکہ فلاں فلاں اللہ تعالی کے مقرب اور بندگان خدا میں سے ہیں ،اس وجہ سے اللہ تعالی ان کی سفارش رد نہیں کرتے۔ان کے در پر جو فریاد کی جاتی ہے یہ اسے اللہ کے دربار میں پیش کرتے ہیں اور کیونکہ یہ اللہ تعالی کے محبوب اور مقرب ہیں اس لیے اللہ تعالی ان کی لاج رکھ کر بندوں کا وہ کام خود کر دیتے ہیں۔یہ نہیں کہ ان پر اللہ کی زبردستی ہے کہ اللہ تعالی ان سے خائف ہو کر وہ کام کرتے ہیں بلکہ ان سے محبت کی وجہ سے وہ کام کر دیتے ہیں۔

انبیا واولیا کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا نصوص کے خلاف ہے اور شرک عملی ہے یعنی سخت گناہ اور حرام ہے لیکن اس کی وجہ سے وہ مشرک حقیقی نہیں کہلائے گا، بے نمازی کی طرح فاسق کہلائے گا، لیکن ہندو اور مجوسی کی طرح کافر نہیں کہلائے گا۔

2-نیک اور بزرگ ہستیوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالی نے انہیں اپنی عطا سے اختیارات دیے ہیں لیکن یہ اختیار مستقل نہیں بلکہ ہر بار انہیں اس کی اجازت لینا پڑتی ہے۔اجازت ملتی ہے تو کرتے ہیں ورنہ نہیں۔ جیسے:ایک غلام اور نوکر ہوتا ہے وہ مالک سے پوچھ پوچھ کر ہر کام کرتا ہے اور ڈرتا بھی رہتا ہے کہ کچھ غلط نہ ہو جائے۔اگر چہ فرشتوں کے بارے میں یہی عقیدہ ہونا چاہیے، کیونکہ روح قبض کرنا، بارش برسانا، عذاب مسلط کرنا، جہاد میں شریک ہونا، درود پہنچانا، حفاظت کرنا اور دیگر متعدد امور اللہ تعالی نے فرشتوں کے حوالے کر رکھے ہیں۔ جس کی یہی صورت ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالی سے پوچھ پوچھ کر اور اللہ ہی کے حکم وارادے سے یہ امور انجام دیتے ہیں۔

{وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا(1)وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطًا(2) وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا(3) فَالسَّابِقَاتِ سَبْقًا (4) فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا} [النازعات: 1-5]

ترجمہ: قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو (کافروں کی روح) سختی سے کھینچتے ہیں۔ اور جو (مومنوں کی روح کی) گرہ نرمی سے کھول دیتے ہیں۔ پھر (فضا میں) تیرے ہوئے جاتے ہیں۔ پھر تیزی سے لپکتے ہیں۔ پھر جو حکم ملتا ہے اس (کو پورا کرنے) کا انتظام کرتے ہیں۔

لیکن دنیا سے کوچ کر جانے والے بندگان خدا کے بارے میں ایسا عقیدہ نصوص سے ثابت نہیں اس لیے ان کے حوالے سے ایسا عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے، کسی نے ایسا عقیدہ ظاہر کیا تو اسے شرک اکبر نہیں کہا جائے گا۔ قرآن کہتا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو اپنے امتیوں کے شرک کے بارے میں کچھ علم نہ ہو گا۔ وہ فرمائیں گے:

{مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ} [المائدۃ: 117]

ترجمہ: میں نے ان لوگوں سے اس کے سوا کوئی بات نہیں کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا، اور وہ یہ کہ: اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، میں ان کے حالات سے واقف رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ خود ان کے نگراں تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں۔

لیکن یہاں یہ بات یاد رکھی جائے کہ جس چیزوں کی نفی قرآن وسنت میں آگئی ہے کہ وہ محض اللہ کا فعل ہے یا یہ آیا ہے کہ اسے غیر اللہ نہیں کرسکتے یا جس چیز کے بارے میں نصوص میں صراحت ہے کہ وہ ایسا کرسکتے ہیں تو ان کے بارے میں نصوص کے ظاہر کے مطابق ہی عقیدہ رکھنا لازم ہے۔ جیسے: حدیث میں آتا ہے کہ پیر اور جمعرات کو نبی کریم ﷺ کے سامنے امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں یا آپ ﷺ کے سامنے امتیوں کا درود وسلام پیش کیا جاتا ہے تو اس کو ماننا لازم ہوگا لیکن یہ بات کہ انبیائے کرام یا اولیائے کرام کی ارواح مدد کرنے آتی ہیں، مشکل کشائی کرتی ہیں اس کی صراحتاً نفی آئی ہے اس لیے ایسا عقیدہ رکھنا بالکل حرام ہے۔

{قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا (56) أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا} [الإسراء: 56، 57]

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کو مانتے ہیں، ان سے کہہ دو کہ: جن کو تم نے اللہ کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے، انہیں پکار کر دیکھو، نہ وہ تم سے کوئی تکلیف دور کرسکیں گے، اور نہ اسے تبدیل کرسکیں گے۔ جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ تو خود اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے کون اللہ کے زیادہ قریب ہوجائے، اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں، اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً تمہارے رب کا عذاب ہے ہی ایسی چیز جس سے ڈرا جائے۔

{وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا} [الکھف: 52]

ترجمہ: اور اس دن کا دھیان کرو جب اللہ (ان مشرکوں سے) کہے گا کہ: ذرا پکارو ان کو جنہیں تم نے میری خدائی میں شریک سمجھ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ پکاریں گے، لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے، اور ہم ان کے درمیان ایک مہلک آڑ حائل کر دیں گے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ} [سبأ: 22]

ترجمہ: اے پیغمبر! ان کافروں سے) کہو کہ پکارو ان کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا خدا سمجھا ہوا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، نہ ان کو آسمان و زمین کے معاملات میں (اللہ کے ساتھ) کوئی شرکت حاصل ہے، اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔

دورِ حاضر کے تعزیہ پرست اور قبر پرست مسلمانوں کے بارے میں ہمیں حسنِ ظن رکھنا چاہیے اور یہی سمجھنا چاہیے کہ وہ شرک عملی کرتے ہیں۔ شرک حقیقی نہیں۔ مزارات پر ان کا سجدۂ تعظیمی ہوتا ہے نہ کہ سجدہ عبادت، گو کہ سجدۂ تعظیمی حرام ہے لیکن شرک اکبر نہیں۔ (دیکھیے امداد الاحکام: ج ۱ ص ۱۱۸ ۔ ۱۳۲ طبع مکتبہ دار العلوم کراچی)

تقدیر

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

"دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ ہونے سے پہلے جانتا ہے، اور اپنے علم کے مطابق اس کو پیدا کرتا ہے، تقدیر اسی کا نام ہے اور بری چیزوں کے پیدا کرنے میں بہت سی حکمتیں ہیں جن کو ہر ایک نہیں جانتا۔" (تسہیل بہشتی زیور ص 39 مکتبہ الحجاز کراچی)

تقدیر کا مسئلہ آسان ہے۔ ہر انسان اتنی بات سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب عالم الغیب ہے تو اس کا لازمی مطلب یہ بنتا ہے کہ ماضی حال مستقبل ہر زمانے کی ہر ہر بات جزئیات سمیت اس کے علم میں ہے۔ کون جنتی ہے کون جہنمی ہے؟ کون کس وقت اپنے اختیار سے کیا کام کرے گا؟ ہر چیز اللہ کے علم میں ہے، بس اتنا عقیدہ کافی ہے اور انسان اسی کا مکلف ہے۔

یہ مسئلہ مشکل اس وقت بنتا ہے جب ہم اس کو مکمل سمجھنے اور اس کی گہرائی میں جانے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ صفات باری تعالیٰ اور متشابہات کی طرح مسئلہ تقدیر کی بھی ایک حد ہے جہاں آکر اسے رکنا پڑتا ہے، کیونکہ اس سے آگے انسانی عقل کام نہیں کر سکتی۔

مسئلہ تقدیر تک مکمل رسائی عقل و سمجھ کی پہنچ سے دور ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کا ایک ایسا راز ہے جو نہ تو کسی مقرب فرشتے پر ظاہر کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کا بھید کسی پیغمبر اور رسول کو معلوم ہے تو یہ انسانی عقل میں کس طرح آسکتا ہے؟ اسی وجہ سے جب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو

تقدیر کے بارے میں غور و خوض اور مباحثہ کرتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے اس امر پر انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا، اسی لیے تقدیر کے بارے میں تحقیق و جستجو کو بالکل منع فرما دیا گیا ہے، چنانچہ جو علم ایسا ہو کہ عقل و فکر سے اس کی تہہ تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو اس کو مکمل طور پر مثال سے سمجھنا بھی مشکل ہے۔

جیسے ایک بچہ جو ابھی بالکل ابتدائی سائنس پڑھتا ہو، وہ "ایٹم بم" کی حقیقت کو سمجھنا چاہے تو اس کو یہ تو سمجھایا جا سکتا ہے کہ یہ ایک انتہائی ہلاکت خیز بم ہے جس کی تباہ کاری بہت دور تک پھیل جاتی ہے، مگر اس کو مکمل طور پر سمجھانا کہ کس طرح "عمل انشقاق" (fission) ظہور پذیر ہوتا ہے اور کس طرح یورینیم-235 میں موجود نیوٹران، پلوٹونیم-239 کے نیوکلیس سے ٹکراتے ہیں، جس کے نتیجے میں توانائی کی ایک بہت بڑی مقدار خارج ہوتی ہے، یہ ممکن نہیں، بلکہ یہ تمام باریکیاں اس بچے کی عقل سے بہت دور ہیں اور کتنی بھی کوشش کر لی جائے اس کا ذہن ان باتوں کو نہیں پائے گا۔

تقدیر کا مسئلہ بھی اسی قسم کا ہے کہ اس کی حقیقت نقلی اور عقلی دونوں اعتبار سے نہایت واضح اور آسان ہے اور اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن اس کو مکمل طور پر سمجھنا بھی ممکن نہیں۔ بس آسانی کے لیے یوں سمجھ لیا جائے کہ اگر مکان بنانے کا ارادہ ہوتا ہے تو پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیتے ہیں، تاکہ مکان کی عمارت اس نقشے کے مطابق بنائی جائے اور پھر اسی نقشے کے مطابق مکان تعمیر کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے جب اس کارخانہ دنیا کے بنانے کا ارادہ فرمایا تو بنانے سے پہلے اپنے علم ازلی میں اس کا نقشہ بنایا اور ابتدا سے انتہا تک ہر چیز کا اندازہ لگا لیا۔ اسی اندازۂ خداوندی کا نام تقدیر ہے، کہ تقدیر

کے معنیٰ لغت میں ''اندازہ'' کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اندازہ بنا دیا کہ فلاں وقت فلاں مکان میں فلاں شے اس طرح ہو گی اور فلاں شخص پیدا ہونے کے بعد فلاں وقت میں ایمان لائے گا وغیرہ۔ پھر حق تعالیٰ کا اس کارخانہ عالم کو اپنے نقشے اور اندازے کے مطابق بنانے اور پیدا کرنے کا نام قضا ہے اور لغت میں قضا کے معنی '' پیدا کرنے'' کے ہیں۔

لہذا اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قضا و قدر حق ہے اور کوئی ذرہ اس کی تقدیر سے باہر نہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کی قضا و قدر کو ٹال سکے۔ مگر چونکہ اس کی تہہ تک پہنچنا انسانی عقل کے لیے ناممکن تھا، اس لیے شریعت نے نہایت شفقت سے اجمالی عقیدہ رکھنے کو فرض قرار دیا اور غور و خوض سے منع فرما دیا۔

قال الملا علی القاری ؒ: والقدر سر من اسرار الله تعالیٰ لم یطلع علیها ملکا مقربا ولا رسولا نبیا مرسلا ولا یجوز الخوض فیه والبحث عنه بطریق العقل۔ (المرقاۃ: ۱/۲۵۷)

ترجمہ: تقدیر اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، جس کے بارے میں نہ کوئی مقرب فرشتہ جانتا ہے، نہ کوئی رسول اور نبی جانتا تھا، اور اس کی گہرائی میں جانا اور عقل کے ذریعے اس میں دخل اندازی کرنا (بحث کرنا) جائز نہیں ہے۔

تقدیر کی اقسام

تقدیر ایسی چیز نہیں جس میں تبدیلی نہ ہو سکے۔ تقدیر کی دو قسمیں ہیں:
تقدیر مبرم اور تقدیر معلق۔

پہلی قسم تقدیر مبرم ہے۔ یہ آخری فیصلہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوح محفوظ پر لکھ دیا جاتا ہے اور اس میں تبدیلی ناممکن ہے اسی لیے جب فرشتے قوم لوط علیہ السلام پر عذاب کا حکم لے کر آئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں عرض کے باوجود اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ
وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ

ترجمہ: (فرشتوں نے کہا) اے ابراہیم! اس بات سے درگزر کیجیے، بے شک اب تو آپ کے رب کا حکم (عذاب) آچکا ہے اور انہیں عذاب پہنچنے ہی والا ہے جو پلٹایا نہیں جاسکتا۔ (چونکہ یہ عذاب مبرم تھا اس لیے نہ ٹل سکا)

دوسری قسم تقدیر معلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ اگر کوئی بندہ چاہے تو ہم اس کے نیک عمل اور دعا کے ساتھ ہی اس کی تقدیر بھی بدل دیں گے۔

اسی کی نسبت احادیث میں ارشاد ہے:

لَا يُرَدُّ الْقَضَاءِ إِلَّا الدُّعَاءِ. (ترمذي) "صرف دعا ہی قضا کو ٹالتی ہے۔"

اِنَّ الدُّعَا يَرُدُّ الْقَضَآءَ الْمُبْرَمَ (دیلمي) ”بے شک دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔“

سورۃ الرعد میں ارشاد فرمایا :

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِندَهُ أُمُّ الْكِتَابِ (الرعد)

ترجمہ: ”اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما دیتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) ہے۔“

ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے تعظیم کا سجدہ نہ کیا اور اس وجہ سے وہ کافر ہو گیا لیکن اس بدبخت شیطان نے اللہ سے دعا کی :

قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ: (الحجر)

ترجمہ: ”اس نے کہا اے پروردگار! پس تو مجھے اس دن تک مہلت دے دے (جس دن) لوگ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔“

اللہ نے اسے مہلت دیدی، اگر اللہ شیطان کی دعا قبول کر کے اس کی تقدیر بدل سکتا ہے تو یقیناً اپنے نیک بندوں کی دعاؤں سے ان کی تقدیر بدلے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام میں طاعون کی وبا پھیلی اور اس زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شام کے سفر پر تھے۔ وباء کی وجہ سے انہوں نے وہاں سے نکلنے میں جلدی کی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا أَتَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ ”کیا آپ تقدیر سے بھاگتے ہیں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

أَفِرُّ مِنْ قَضَاءِ اللهِ إِلَى قَدَرِ اللهِ.(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، 3 : 283)

ترجمہ: ''میں اللہ کی قضا سے اس کی قدر کی طرف بھاگتا ہوں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر طاعون جیسا مرض کسی علاقے میں وبا کی صورت میں پھیل جائے اور میں کسی دوسرے علاقے میں پہنچ کر اس مرض سے بچ جاؤں تو میرا بچ جانا اللہ کی تقدیر یعنی علم میں ہوگا۔

لہٰذا آیت مبارکہ اور حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اپنے علم کے مطابق موقع بموقع تقدیر میں رد و بدل کرتے رہتے ہیں، یہ رد و بدل قضائے معلق کی صورت میں ہوتا ہے لیکن جو اللہ کے علم میں آخری فیصلہ ہوتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے ہر تقدیر تقدیر مبرم ہے۔ تقدیر معلق انسانوں کے لحاظ سے ہے۔

(تقدیر سے متعلق مکمل بحث کے لیے دیکھیے: رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ: ج ۱ ص ۶۶۱۔ ۶۸۲)

مذاہب عالم میں حق پر کون؟

ایک اہم سوال جو لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی ایمان اور درست عقیدے کی پہچان کیسے ہو سکتی ہے؟ کیوں کہ آج دنیا میں پایا جانے والا ہر مذہب اپنے حق پرست ہونے کا دعویدار ہے۔ ہر ایک اپنے دلائل رکھتا ہے۔ ایسے میں حق کی تلاش کس طرح ممکن ہو سکتی ہے؟

اس کے جواب سے پہلے چند مشترکہ تصورات اور متفقہ باتوں کو سمجھنا ضروری ہے:

1- یہ کائنات اللہ رب العزت کی تخلیق ہے۔ وہی اس کا حقیقی مالک ہے اس لیے اسی کو کائنات کا نظام وضع کرنے کا اختیار بھی ہے۔ لہٰذا وہی مذہب خدا کا حقیقی پیغام ہو سکتا ہے جو خالق کائنات کی طرف سے نازل کردہ ہو۔ انسانی عقل کے بنائے ہوئے مذاہب حق پر نہیں ہو سکتے۔

2- اقوام عالم کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک وقت میں دنیا میں کوئی ایک مذہب ہی دین برحق ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ تمام مذاہب حق پر ہوں۔

3- ابتدائے آفرینش سے ہی رب العزت نے اپنی خاص مصلحت سے خیر اور شر اور حق اور باطل کی قوتوں کو پیدا فرمایا ہے خیر کے راستے کے لیے روشن دلائل قائم کیے ہیں اور انسان کو عقل دے کر اس کا مکلف بنایا ہے کہ وہ اپنی عقل و دانش اور دیے گئے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے خیر اور حق کے راستے کو پہچانیں اور اپنائیں۔

۴۔ آسمانی کتابوں کے مطالعے اور انسانی عقل کے مطالبے سے دین برحق کی چند واضح نشانیاں یہ معلوم ہوتی ہیں:

(الف) آسمانی مذاہب توحید کے پرستار اور شرک سے بیزاری کے علمبردار ہوتے ہیں۔

(ب) تمام آسمانی مذاہب پیغمبروں کی عزت و توقیر اور تصدیق و حمایت کا حکم دیتے ہیں۔

(ج) آسمانی مذہب فطرت اور مشاہدات کے خلاف نہیں ہوتا۔ فطرت اور مشاہدات ہمیشہ آسمانی مذہب کی تائید کرتے ہیں۔

(د) وہی مذہب برحق ہے جس کی تعلیمات افراط و تفریط اور شدت اور غلو سے پاک ہوں۔ اعتدال اور میانہ روی کا عکس اس کے پیغامات میں واضح ہو۔

(ہ) جس مذہب کے ابتدائی نقوش، اصلی خدوخال اور مذہبی دستاویزات محفوظ ہوں وہی دین برحق ہو سکتا ہے۔ جس مذہب کا اصل پیغام اور ابتدائی خدوخال ہی محفوظ نہ ہوں یعنی جو خود اپنی بقا اور حفاظت کا محتاج ہو وہ دنیا کی روحانی پیاس اور محتاجی کو کیسے ختم کر سکتا ہے؟

دنیا کے تمام مذاہب کو ان مشترکہ اور معقول حقائق پر پرکھ لیا جائے تو یہ گتھی ادنیٰ تامل سے سلجھ سکتی ہے کہ کون حق ہے اور کون باطل؟

ہر انسان مامور ہے کہ وہ ان قوی اور کھلے دلائل میں غور کر کے حق کا کھوج نکالے۔ ان روشن دلائل کے باوجود بھی کوئی حق کو تلاش نہ کرے۔ اپنے آباء واجداد کی کورانہ تقلید کی روش اپنائے رکھے اور آبائی مذہب پر جما رہے تو وہ جان لے کہ قرآن کا یہ دوٹوک پیغام اسی کے لیے ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ، الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا

(کھف،آیت103،104)

ترجمہ: "کہہ دو کہ: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟ وہ لوگ کہ دنیوی زندگی میں ان کی دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ

(اعراف30)

ترجمہ: تم میں سے ایک گروہ کو تو اللہ نے ہدایت تک پہنچا دیا ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس پر گمراہی مسلط ہو گئی ہے؛ کیونکہ ان لوگوں نے شیطان کو دوست بنالیا ہے اور سمجھ یہ رہے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں۔

مسلم فرقوں میں حق پر کون؟

برطانیہ کا سفیر پاکستان میں تقریر کرتا ہے تو سفیر کی بات کو برطانیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ برطانیہ کی نمائندگی میں وہ بات کر رہا ہے۔ اس کی کوئی بات سمجھ نہ آئے یا مغالطہ لگ جائے تو اس کی وضاحت نمائندے سے پوچھی جاتی ہے۔ نمائندے کی بات بھی اصل اتھارٹی کی طرح ہی معتبر سمجھی جاتی ہے۔ نمائندے کو خود کہیں الجھن ہوتی ہے تو وہ وقت مانگتا ہے اور اپنے اعلی

حکام سے رابطہ کرکے جواب دیتا ہے اور جب اس کی بات کی وضاحت اور تشریح آجاتی ہے تو وہی وضاحت معتبر قرار پاتی ہے، اس کے مقابلے میں کوئی اور تشریح درست نہیں ہوتی!

اسی طرح قرآن کی کوئی بات سمجھ نہ آئے تو اس کو سمجھنے کی دو صورتیں ہیں: یا تو خود اللہ تعالی سے پوچھیں۔ ظاہر ہے ہمارے پاس اس کا کوئی براہ راست ذریعہ نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ کے نمائندے یعنی پیغمبر ﷺ کے ذریعے سمجھیں، ہمارے پاس یہی ایک واحد راستہ ہے۔ ایسے سچے پیغمبر ﷺ جب اللہ تعالی کی طرف سے قرآن لے کر آئے تو اس کی نہ سمجھ آنے والے یا مغالطے میں ڈالنے والے مقامات کی درست تشریح و تعبیر وہی ہو گی جو خود پیغمبر ﷺ فرمائیں گے۔ کمپنی والے یا اعلی حکام سے تو غلطی ہو سکتی ہے اور اپنے نمائندے کی نگرانی میں کمزوری بھی پائی جاسکتی ہے لیکن یہاں تو خود رب العزت نگران و نگہبان ہیں۔ اس کے نظام میں کبھی کوئی غلطی اور کمزوری نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ کہنا بہت بڑی جسارت بلکہ حماقت ہے کہ قرآن کی تشریح و تعبیر کے لیے پیغمبر ﷺ کی کوئی معتبر حیثیت نہیں۔

اسی طرح ایک شخص آپ کا ہر وقت کا ہم نشین ہے۔ ہر وقت وہ آپ کے ساتھ رہتا، اٹھتا بیٹھتا ہے۔ آپ کی زبان سے واقف ہے۔ آپ کی ہر ادا اور عادات و اطوار کا اسے بخوبی علم ہے اور آپ کی طبیعت، مزاج اور قول و فعل کی گہرائی اور لیول سے واقف ہے۔ آپ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ آپ کے دنیا سے جانے کے بعد دو افراد آپ کے حالات زندگی سے بحث کرتے ہیں ایک وہ جو آپ کا ہمیشہ کا ہم نشین اور ہمراز اور دست راست تھا۔ دوسرا وہ جو آپ کے

انتقال کے صدیوں بعد پیدا ہوا۔ بتایئے! آپ کی طبیعت، عادات اور معمولات کو ان دونوں میں سے کون صحیح صحیح بیان کر سکتا ہے؟ آپ کے مختلف اقوال و افعال کی درست تشریح ان دونوں میں سے کون کر سکتا ہے؟ یقیناوہ شخص جو آپ کا ہمیشہ سفر و حضر کا رفیق رہا ہو۔ جبکہ دوسرا شخص جگہ جگہ ٹھوکریں کھائے گا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ قیاس آرائیاں کر کے آپ کی زندگی کے بہت سے گوشوں کو مسخ کر ڈالے گا۔

یہی حال دین کا ہے۔ دین کے فہم و تشریح کے لیے عربی زبان سمجھنا ضروری ہے، کیونکہ قرآن و سنت اور قدیم اسلامی مآخذ عربی میں ہی ہیں، لیکن صرف عربی سمجھ لینا کافی نہیں جب تک اس لیول کی عربی نہ آتی ہو جو قرآن و سنت کے لیول کی ہے، ساتھ ساتھ جس ماحول میں قرآن نازل ہوا ہے اس ماحول کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ان سب کے ساتھ ہی ہم قرآن و سنت کو بہتر طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔

الحمدللہ! یہ سب باتیں صحابہ کرام اور خیر القرون میں موجود تھیں اس لیے دین فہمی کے لیے ان کی تشریحات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی تشریحات کے مقابلے میں نت نئی تشریحات جو جدید دور کے لوگ کریں، چاہے وہ کتنی ہی اچھی لگیں، معتبر قرار نہیں دی جائیں گی کیونکہ ان میں غلطیوں کا امکان زیادہ رہے گا۔

پہلی مثال سے آپ کو سنت رسول ﷺ کی اہمیت و نزاکت معلوم ہوئی اور دوسری سے صحابہ و تابعین کی تشریحات کی عظمت! ان دونوں مثالوں سے چند باتیں واضح ہوئیں:

1۔ قرآن کریم کی تعبیر و تشریح کے دو اہم اصول ہیں: ایک سنت رسول اللہ ﷺ، دوسرا تعامل صحابہ

2۔ قرآن و سنت اور تعامل صحابہ سے ہٹ کر دین کی نئی تشریحات پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

تاریخی حقیقت:

مولانا زاہد الراشدی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"امت مسلمہ میں جس گروہ نے سب سے پہلے سنت نبوی ﷺ اور تعامل صحابہؓ کو نظر انداز کر کے قرآن کریم کو براہ راست سمجھنے اور اپنے فہم و استدلال کی بنیاد پر قرآن کریم کے احکام و قوانین کے تعین کا راستہ اختیار کیا وہ "خوارج" کا گروہ ہے۔ خوارج کے بارے میں خود جناب نبی اکرم ﷺ کی پیشگوئی موجود ہے کہ میری امت میں ایک گروہ ایسا آئے گا جو قرآن کریم کی بہت زیادہ تلاوت کرے گا، اس کی نمازیں اور روزے بھی عام مسلمانوں کو تعجب میں ڈالنے والی ہوں گی، لیکن قرآن کریم ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ قرآن کریم کے نام پر لوگوں کو گمراہ کریں گے۔"

خوارج کا اپنا ہی انداز ہوتا تھا۔ وہ صحابہ کرام سے بھی بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے اور بسا اوقات صحابہ کرام کی تشریحات سے بھی مطمئن نہ ہوتے تھے۔ گویا سلف بیزاری کی داغ بیل انہوں نے ہی ڈالی۔

مولانا مزید فرماتے ہیں:

"خوارج نے سنت نبوی ﷺ اور اسوۂ صحابہؓ کو نظر انداز کرتے ہوئے قرآن کریم سے براہ راست استدلال کر کے شرعی قواعد واصول خود وضع کرنے کی جو روش اختیار کی تھی، اور اس کے ساتھ بے جا تشدد اور سطحیت کے اظہار کے ساتھ دین کو جس من پسند طریقہ سے پیش کرنا چاہا تھا اس سے امت کو فتنہ وفساد اور خونریزی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس کے برعکس اہل السنۃ والجماعت کی بنیاد ہی سنت نبوی ﷺ اور اسوۂ صحابہؓ کے دو بنیادی اصولوں پر ہے۔ اور اہل السنۃ والجماعت سے مراد اہل حق کا وہ طبقہ ہے جو قرن اول سے اب تک اس اصول پر قائم ہے کہ دینی راہ نمائی، شرعی قوانین واحکام، اور قرآن فہمی کا مدار دو چیزوں پر ہے۔ ایک یہ کہ جناب نبی اکرم ﷺ کا ارشاد و عمل اس بارے میں کیا ہے، دوسری یہ کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے اسے کیسے سمجھا ہے اور اس پر کس طرح عمل کیا ہے۔ قرآن کریم کے مقصد و منشاء تک رسائی کے یہی دو فطری اور صحیح راستے ہیں، ان سے ہٹ کر جو راستہ اختیار کیا جائے گا اور جو اسلوب وضع کیا جائے گا اس سے گمراہی اور فکری انارکی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔"

نسل نو کے عقائد کی اصلاح

نئی نسلوں کے ذہنوں میں اسلامی عقائد جمانے اور راسخ کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ مکتب کی تعلیم کے دوران ہی انہیں سیدھے سادے اسلامی عقائد ازبر کروا دیے جائیں۔ چاہے انہیں ان کی مکمل سوجھ بوجھ حاصل ہو یا نہ ہو۔ یہی ازبر کی ہوئی مضبوط باتیں شعور اور سمجھ کی عمر کو پہنچنے کے بعد خود بخود ان کے دلوں

میں اترتی چلی جائیں گی۔ یہ نہایت مجرب طریقہ ہے جسے امام غزالیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''احیاء العلوم'' کی پہلی جلد میں ذکر کیا ہے۔

(1) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عوام کے عقائد بحث و مناظروں سے پختہ نہیں ہوتے۔ بلکہ بحث و مناظرہ سے تو شکوک و شبہات کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بحث و مناظرہ کے بجائے عوام کو سیدھے سادے طریقے سے اختلافی بات سے قطع نظر کر کے عقائد سمجھانے چاہیے اور عقائد کی پختگی کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کی جائے، تفسیر سمجھنے کی کوشش کی جائے، نیز حدیث پڑھنے اور نیک لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے سے اسلامی عقائد مضبوط ہوتے ہیں۔

(2) قرآن میں بار بار تلقین کی گئی ہے کہ قدرت کے نظاروں میں غور کر کے اللہ پاک کی معرفت اور اس کی ذات کا یقین حاصل کیا جائے۔

(3) ان واقعات اور حقائق پر بھی لازمی غور کریں:

پہاڑ اور ان کے رنگ، بے جان سے جاندار کی پیدائش، آسمان وزمین، بارش کا نظام، پانی کے عجائبات، روح اور جنین، کائنات کی ابتداء، دن رات کی تبدیلی، ہزاروں قسم کی مخلوقات اور ان کا طرز زندگی، ہواؤں کا نظام وغیرہ۔ قرآن کریم کے اندر ایک ہزار کے لگ بھگ آیات اللہ جل شانہ کی قدرت کی نشانیوں پر مشتمل ہیں، ان میں غور و فکر کرتے رہیں نیز انبیائے کرام اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ کرنا عقیدوں کی پختگی اور ایمان و یقین میں مضبوطی پیدا کرنے میں نسخہ اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان باتوں پر عمل کریں اور اپنے عقائد کو یقین کی دولت سے مالامال کریں۔

تکفیر کے اصول

تکفیر اور بدعت کے اصول، یہ بندے کا ایک لیکچر ہے جو تخصص کے طلبہ وطالبات کے لیے زوم اور یوٹیوب پر دیا گیا، موضوع کی اہمیت کے پیش نظر بعض مخلص دوستوں نے ٹائپ کر دیا ہے، اسی وجہ سے تحریر کے بجائے تقریر کا انداز اس میں زیادہ جھلک رہا ہے۔

دو انتہائیں:

مسلم معاشرے میں تکفیر کے حوالے سے بہت زیادہ اونچ نیچ، افراط و تفریط اور دو انتہائیں پائی جاتی ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے جو بالکل سو فی صد درست ہے کہ کسی بھی اہل قبلہ کو یعنی جو مسلمان ہے اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ نماز، روزہ زکوۃ کو مانتا ہے ضروریاتِ دین کو مانتا ہے، اسے کافر نہیں کہنا چاہیے۔ اس کے کسی قول و فعل سے کفر نظر آ رہا ہو تو اس میں اگر ننانوے (99) احتمالات کفر کے ہوں، صرف ایک احتمال اسلام والا نکلتا ہو تو اسے اسلام والے پہلو پر ہی محمول کرنا چاہیے۔

لیکن کچھ لوگوں پر اس کا غلبہ اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ کسی بھی شخص کو چاہے جتنا بھی بڑا کفر کر لے، چاہے ختم نبوت کا انکار کر دے، چاہے نماز روزے کا انکار کر دے، زکوۃ کا یا حج کا انکار کر دے، تب بھی وہ یہی کہتے ہیں کہ نہیں یہ مسلمان ہے۔ تو ایک طرف تو یہ انتہا نظر آتی ہے۔

اور دوسری طرف ایک انتہا یہ بھی ہے کہ معمولی معمولی چیزوں پر کافر یا مشرک کہہ دیا جاتا ہے۔ فلاں جج نے یا فلاں حکمران نے یا فلاں عالم نے فلاں کام کر دیا تو اب وہ کافر ہو گیا، حالانکہ اکثر و بیشتر یہی ہوتا ہے کہ وہ کفریہ کلمہ نہیں ہوتا، یا اگر کفریہ کسی طرح بن رہا ہو تو لاعلمی یا کم علمی کی وجہ سے اس کے منہ سے نکل گیا ہوتا ہے، متنبہ کرنے سے فوراً وہ اپنے بات سے رجوع کر لیتا ہے یا کبھی کسی اور پیرائے میں کچھ کہا یا لکھا ہوتا ہے جس کو سیاق وسباق سے کاٹ کر گستاخی کا رنگ دے دیا جاتا ہے، کہنے والے کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ تنقیص کر رہا ہے، کبھی کسی کے کلام کی کوئی ایسی تشریح اس کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے جو اس کی تمام زندگی کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہوتی ہیں۔

کبھی کسی حکومت یا ادارے کو صرف اس وجہ سے کافر یا مرتد کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے فسق، بزدلی یا مجبوریوں کی وجہ سے انگریزی قانون کے مطابق فیصلے کر رہا ہوتا ہے یا فسق کی وجہ سے اسلام کو نافذ نہیں کر رہا ہوتا یا کسی کافر مملکت کا ساتھ دیتا ہے وغیرہ وغیرہ تو فسق کی وجہ سے کسی کو کافر قرار دے دینا یہ بھی بہت بڑی جسارت ہے۔

معتدل رائے

معتدل نظریہ وہ ہے جو ان دونوں انتہاؤں کے بیچ بیچ میں ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے جو ہم سے سلف صالحین کے ذریعے پہنچا ہے اور اسی سے تکفیر کا پہلا اصول نکلتا ہے۔

پہلا اصول

جو شخص ضروریات دین کو مانے وہ اہل قبلہ میں سے ہے اور جو ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے۔ اب اس اصول کی تشریح و تطبیق سمجھ لیں۔

مسلمان کی تعریف

سب سے پہلے تو آپ یہ سمجھیں کہ جو شخص بھی ضروریات دین کو دل سے مان لے اور زبان سے اس کا اقرار کرے تو وہ اہل قبلہ میں سے ہے۔ اس کی ہم تکفیر نہیں کریں گے۔

ضروریات دین کا مطلب

آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہو گا کہ ضروریاتِ دین ہیں کیا؟ ہر ہر مسلمان کے علم میں یہ ہونا ضروری ہے ہر عالم، غیر عالم، ہر طالب علم، غیر طالب علم، ہر ایک کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ضروریاتِ دین کیا ہیں؟ کیوں کہ اسی سے تو وہ مسلمان بنتا ہے۔

پہلے تعریف سمجھ لیں پھر مثالوں کی طرف جائیں گے۔ وہ عقائد اور وہ اعمال جن کے اندر دو باتیں پائی جائیں وہ ضروریات دین ہوں گی:

1۔ وہ تواتر سے ثابت ہوں یعنی ہر دور میں اتنے کثیر لوگ اس کے قائل ہوں اور اس پر یقین رکھتے ہوں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق محال ہو۔

2۔ دوسری بات یہ کہ ہر خاص و عام اس سے واقف ہو۔ یہ بات اس لیے کہنا ضروری ہے کہ کچھ بہت سی دین کی ایسی باتیں ہیں جو متواتر ہیں لیکن

صرف خواص کو معلوم ہیں، علماء کو معلوم ہیں۔ عوام کو بھی نہیں پتا اس کا کہ یہ قطعی یا متواتر چیز ہے عوام کو بھی نہیں پتا ہوتا۔

اس کے منکر کو یہ کہا جائے گا کہ یہ "کفر بواح" کر رہا ہے جس کو حدیث میں کفر بواح کہا گیا ہے۔

مثالیں

اللہ تعالیٰ کے وجود کا عقیدہ، ظاہر ہے کہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہے ہر ہر چھوٹا، بڑا، عالم، غیر عالم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں۔

توحید باری تعالیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جائز نہیں۔ یہ ایسا عقیدہ ہے کہ ہر خاص و عام کو پتا ہے، اور متواتر ہے۔

رسالت کہ ہر زمانے میں پیغمبر آئے ہیں، اگرچہ ان کی تعداد حتمی اور قطعی طور پر معلوم نہیں ہے گو خبر واحد سے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا ثبوت ملتا ہے، لیکن نفس رسالت کا عقیدہ کہ انبیاء کرام آئے ہیں، چاہے جتنے بھی ہوں ہمارا ان سب پہ ایمان ہے۔ یہ ضروریات دین میں سے ہے، یہ ہر خاص و عام کو پتا ہے کہ انبیاء اور رسول آئے ہیں۔

آپ ﷺ کی ختم نبوت کا عقیدہ کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے کہ ہر بچہ بچہ، چھوٹا، بڑا ہر کوئی جانتا ہے کہ آپ ﷺ کو ختم نبوت کا مقام حاصل ہے۔

اسی طریقے سے قیامت کا عقیدہ کہ قیامت قائم ہوگی یا آخرت کا عقیدہ کہ آخرت قائم ہوگی۔

آسمانی کتابوں کا عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ وحی بھیجتے ہیں، آسمانی کتابیں اللہ نے نازل کی ہیں، یہ بھی ضروریات دین میں سے ہے۔ ہر خاص وعام کو پتا ہے۔

نمازیں پانچ ہیں۔ روزہ فرض ہے۔ زکوۃ فرض ہے۔ حج فرض ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ ہے۔ فرشتوں کا وجود، جنات کا وجود، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی، اذان، مسواک، جنت، دوزخ، عذاب قبر یعنی نفس عذاب قبر کا عقیدہ، نزول مسیح، رفع مسیح، ظہورِ مہدی، خروج دجال، یاجوج ماجوج کا آنا، شرک کا حرام ہونا، جھوٹ کا حرام ہونا، رشوت کا حرام ہونا، سود کا حرام ہونا، شراب کا حرام ہونا؛ یہ سبھی ضروریات دین میں سے ہیں۔ ہر خاص وعام کو پتا ہے۔

یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ بچہ بچہ اس سے واقف ہے کہ یہ دین کی چیزیں ہیں۔ ہر عالم، غیر عالم کو بھی پتا ہے کہ دجال بھی کوئی چیز ہے اور حضرت مہدی آئیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام اٹھا لیے گیا تھے، وہ دوبارہ کل قیامت میں آئیں گے اور شرک حرام ہے۔ اور ضروری نہیں کہ جو چیزیں میں نے گنوائی ہیں یہی چیزیں ضروریات دین میں سے ہوں بلکہ تتبع سے اس میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔

ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے

توجو مسلمان، ان ضروریات دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کر دے وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے جو اسلام کی ان تمام ضرویات کو مانتا ہے لیکن کسی ایک کا منکر ہے، وہ نماز کا صرف انکار کر رہا ہے یا صرف زکوٰۃ کا انکار کر رہا ہے یا صرف ختم نبوت کا انکار کر رہا ہے تو بھی وہ کافر ہو جائے گا۔

اس کی دلیل ابلیس کا کفر ہے، ابلیس اللہ کو مانتا تھا، اس کے اندر تمام باتیں مسلمانوں والی تھیں، لیکن جب اس نے ایک اللہ کے قطعی حکم کا انکار کیا تو وہ کافر ہو گیا۔

دوسرا اصول

تاویلِ باطل کرنے والا بھی کافر ہے

ایک اصول یہ بھی سمجھ لیجیے کہ جو شخص ضروریاتِ دین کو مانے، ان سب چیزوں کو مانے جو میں نے گنوائیں۔ لیکن ان میں سے کسی کے اندر باطل تاویل کرے تو وہ زندیق اور ملحد بھی کہلائے گا۔

کافر سے بڑا مرتبہ ہے زندیق اور ملحد کا، وہ اس میں شامل ہو جائے گا؛ کیوں کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی کے اندر تاویل کو علما نے بالاتفاق اور بالاجماع کفر کہا ہے۔

تاویلِ باطل کی تشریح

یہ بات بھی ضروری ہے کہ ضروریاتِ دین میں تاویل باطل سے کیا مراد ہے؟ ضرورت دین میں تاویل باطل سے مراد یہ کہ ان چیزوں کے جو اجماعی مطلب اور اجماعی معنٰی ہمیشہ علماء نے سمجھے ہیں ان کے خلاف کوئی اور معنٰی بیان کرے۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، ختم نبوت، دجال کا آنا، رفع مسیح، نزولِ مسیح، کتب سماویہ اور یہ جتنی بھی چیزیں گنوائی، ان کے ہر زمانے میں ایک مخصوص معنٰی رہے ہیں جو ہر خاص و عام کو پتا ہیں کہ نماز کس کو کہتے ہیں، روزہ

کس کو کہتے ہیں، زکوۃ کس کو کہتے ہیں۔ اس معنٰی کے خلاف کوئی اور معنٰی کرنا تاویل باطل ہے۔

مثالیں

مثلا: ایک آدمی کہتا ہے کہ نماز تو ہے نماز کو میں مانتا ہوں لیکن نماز کا مطلب ہے کہ بس وہ اللہ اللہ کرے یاورزش ہی نماز ہے۔ نماز کاروایتی طریقہ جو صدیوں سے چلا آرہا اسے وہ نہ مانتے۔ جیسے ذکری فرقہ کہتا ہے کہ نماز کا مطلب ہے: ذکر اللہ کرنا۔ نماز کے ٹائم میں نماز پڑھنے کی بجائے کوئی ذکر کر لے تو نماز ہو جائے گی؛ کیونکہ قرآن کہتا ہے: اقم الصلواۃ لذکری۔ تو یہ تاویل باطل کر رہا ہے۔

جیسے کوئی کہے کہ جنت کو تو ہم مانتے ہیں لیکن جنت کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ آخرت میں ایسا ہو گا وہاں آبشاریں ہوں گی۔ بلکہ جنت سے مراد یہ ہے کہ دوسرے جنم میں راحت ملے گی یادل کو سکون ملے گا وغیرہ۔ دوزخ سے مراد یہ ہے کہ اس کو دوسرے جنم میں تکلیفیں ہوں گی۔

یا جیسے مرزا قادیانی اور قادیانی فرقوں نے ختم نبوت کے معنی میں اپنی طرف سے من گھڑت تاویلات کیں، ایسی تاویلات کیں کہ جس کی وجہ سے ختم نبوت کا وہ اجماعی معنٰی جو ہم تک پہنچے ہیں، اس کا وہ معنٰی جو عموماً ہر خاص وعام سمجھتا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی طرح کی کوئی نبوت نہیں ہے۔ اس میں طرح طرح کی تاویلات کر کے اس کے معنی بگاڑنے کی کوشش کی تو اس کو کہیں گے تاویل باطل۔ اور ایسا بندہ زندیق کہلاتا ہے۔

یا مثلاً کوئی کہے کہ حج کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ آپ وہاں جائیں یہیں کہیں کوئی اجتماع کر لے تو بس وہی حج ہے، وہی کافی ہے۔ حج کرنے کی کیا ضرورت؟

قربانی اگرچہ سنت ہے لیکن اگر کوئی قربانی کے تصور ہی کا انکار کر دے کہ سرے سے اسلام میں قربانی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

یا اذان کا سرے سے تصور ہی نہیں، یا مسواک کا تصور ہی نہیں ہے۔ یا اس پر کوئی ایسی تاویل کرے کہ اذان کا مطلب کچھ اور بتا دے وہ، مسواک کا مطلب کچھ اور بتا دے تو کافر ہو جائے گا۔

اب حدیث کو ماننا بھی ایک ضروری چیز ہے۔ اور ہر زمانے کا ہر خاص و عام شخص سمجھتا ہے کہ حدیث ایک ایسی چیز ہے جو برحق ہے اور اس کو ماننا ضروری ہے۔ جیسے قرآن حجت ہے ویسے حدیث اور سنت نبوی ﷺ بھی حجت ہے۔ ہر خاص و عام کو یہ بات پتا ہے۔ اس لیے یہ ضروریات دین میں سے ہے۔ اب ایک آدمی اس کو نہیں مانتا تو وہ خود اپنے آپ کو کافر بنا رہا ہے۔

اور ویسے بھی دین جو ہم تک پہنچا ہے وہ آپ ﷺ کی ذات ہی کے واسطے پہنچا ہے۔ اگر آپ ﷺ کو بیچ میں سے نکال دیں، سنت کو بیچ میں سے نکال دیں تو نہ قرآن کا اعتبار رہ جائے گا نہ کسی اور چیز کا تو اس لیے منکرین حدیث کا بھی وہی حکم ہے جو قادیانیوں کا ہے۔

ہم کافر بناتے نہیں، بتاتے ہیں

ہم نے اس کو کافر نہیں بنایا، وہ خود ہی اپنے آپ کو بنا رہا ہے، ہم تو صرف بتا رہے ہیں۔ اور یہاں پھر ہم سمجھوتا بھی نہیں کر سکتے، ہمیں بتانا پڑتا

ہے کہ وہ زندیق ہے، ورنہ لوگ اس کی باتوں کو اسلام سمجھنے لگیں گے اور گمراہ ہو جائیں گے۔

منافق کی ایک قسم موجود ہے

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ کسی مسلمان کو چاہے وہ کتنا ہی فاسق وفاجر ہو منافق کسی کو کہہ نہیں سکتے لیکن آج بھی منافق کی ایک قسم موجود ہے اور وہ ہے زندیق؛ کیوں کہ زندیق ایسے کام کرتا ہے جس سے اس کی منافقت کھل کر سامنے آجاتی ہے اس لیے اسے منافق کہہ سکتے ہیں، ویسے تو منافق وہ ہوتا ہے جو دل میں اپنے کفریہ خیالات کو چھپا کر رکھتا ہے، لیکن زندیق اپنے کفریا خیالات کو اسلام کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ وہ خنزیر کا گوشت بیچ رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں بکرا بیچ رہا ہوں۔ تو اس زندیق کا کفر زیادہ بڑا ہوا۔

فتنوں کے دور میں محتاط رہیں!!!

آج کل فتنوں کا دور ہے ہر بندہ اپنے آپ کو مجتہد کہلوانے کے چکر میں ہے، مشہوری کے چکر میں ہے۔ یوٹیوب اور فیسبک پر ارننگ اور زیادہ سے زیادہ پیسا بنانے کے چکر میں لوگ جھوٹ، دجل، فحاشی اور باطل کو پروموٹ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے مولوی، پردہ اور دین کے خلاف بات کرنے سے بڑے ویوز ملتے ہیں، اس لیے وہ روز نئے نئے منجن بیچ رہا ہوتا ہے، نئے نئے چورن بیچ رہا ہوتا ہے۔ کسی کو تھوڑے بہت لائیکس اور کمنٹس ملنا شروع ہو جاتے ہیں، تھوڑا اچھا سا بولنا آجاتا ہے تو وہ نئی تھیوری (theory) پیش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ تو ان چیزوں کا خیال رکھیں کہ اگر وہ ضروریات دین میں سے کسی میں کوئی توڑ مروڑ

کرتا ہے یا اس کا انکار کرتا ہے پھر وہ کفر سے بچ نہیں سکے گا۔ اس نے اپنے آپ کو کافر بنادیا ہو گا، علما اس کو صرف بتارہے ہوں گے۔

تیسرا اصول

فسق پر کفر کا حکم نہیں لگ سکتا

لیکن اگر کوئی مسلمان تمام ضروریات دین کو مانتا ہے اور اسی طرح مانتا ہے جس طرح خیر القرون سے عقیدہ چلا آرہا ہے لیکن وہ عمل نہیں کرتا تو وہ کافر نہیں، فاسق یا بد عمل ہے، اللہ تعالی ہم سب کی اس سے بھی حفاظت فرمائے۔ آمین

مثلاً، نماز وغیرہ سب کچھ کر رہا ہے، سب کو مان بھی رہا ہے، لیکن وہ کوئی بڑا گناہ کر بیٹھتا ہے، یا نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، زکوٰۃ نہیں دیتا، حج نہیں کرتا، شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتا۔ ظاہر ہے وہ مانتا تو ہے کہ شریعت کے مطابق فیصلے کرنے چاہیے لیکن کرتا نہیں ہے، ویسے بھی آج کے دور میں مجھ سمیت اکثریت ایسے ہی میرے جیسے مسلمانوں کی ہے، ہم اپنی عام زندگی میں شریعت کے مطابق نہیں چل رہے ہوتے، شادی بیاہ میں سارے اللہ کے حکم توڑ رہے ہوتے ہیں۔ الغرض فسق کا غلبہ ہے تو اس فسق پر آیت ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئك هم الکفرون اور ومن یتولھم منھم فانه منھم منطبق نہیں ہوں گی؛ کیونکہ اس کا تعلق عمل سے نہیں عقیدے سے ہے۔

چوتھا اصول

چوتھا عقیدہ یا اصول یہ ہے کہ کوئی شخص کسی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ عقیدے یا عمل کا منکر ہے لیکن وہ چیز ضروریات دین میں سے نہیں ہے یعنی وہ ثبوت کے لحاظ سے تو قطعی ہے دلالت کے لحاظ سے بھی قطعی ہے جس کو ہم قطعیات کہتے ہیں، لیکن وہ ضروریات دین میں سے نہیں ہے، جیسے: قران کریم کی آیت ہے یا کوئی حدیث متواتر ہے جو ثبوت کے لحاظ سے قطعی کہلاتی ہے اور معنی بھی ایک ہی ہے ایک سے زائد معنی کا احتمال نہیں ہے لیکن چونکہ وہ ضروریات دین میں سے نہیں ہے یعنی ہر خاص عام کو معلوم نہیں ہے اس لیے اگر خدانخواستہ اس کا کوئی انکار کردے تو اس کی فورا تکفیر نہیں کی جائے گی بلکہ پہلے اس کو بتایا جائے گا کہ یہ قطعی چیز ہے، آپ اپنے موقف پر ذرا نظر ثانی کرلیں، اس کو قطعی چیز ہے اس کو ماننا ضروری ہے اگر تو وہ مان لیتا ہے باز آجاتا ہے تو پھر اس کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن اگر پھر بھی وہ اصرار کرتا ہے ضد کرتا ہے کہ نہیں یہ تو میں نہیں مانتا، اس صورت میں علماء کرام کے پاس اس کا مسئلہ بھیج دیا جائے اور وہ اس میں غور و فکر کرکے اگر ان کو سمجھ میں آرہا ہوگا تو پھر اس کو کافر کہنا ہے یہ نہیں کہنا وہ ان کے فتوے پر وہ موقوف ہوگا۔

پانچواں اصول

انکارِ اجماع

اسی طریقے سے ایک اور چیز جہاں ہم حتمی طور پر تکفیر کا فتوی نہیں دے سکتے، وہ ہے اجماع کا انکار۔ کوئی آدمی کسی اجماعی مسئلے کا انکار کردے

تو اسے فوراً سے کافر نہیں کہیں گے؛ کیونکہ اجماع کے بہت سے درجات ہیں۔ ثبوت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بعض اوقات اجماع کا ثبوت کسی آیت سے ہوتا ہے، بعض اوقات اجماع کا ثبوت کسی حدیث سے ہوتا ہے، کبھی اجماع کا ثبوت خود کسی اور اجماع سے اور کبھی اجماع کا ثبوت قیاس سے ہوتا ہے۔

پھر حکم کے لحاظ سے بھی اجماع کے کئی درجات ہیں۔ ایک اجماع وہ ہے جس پر صحابہ کرام کا قولاً اجماع ہو جائے اس کا انکار کفر ہے۔ ایک صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہے، اس کا منکر کافر نہیں ہے۔ اسی طریقے سے صحابہ کرام کے بعد کے زمانے میں کسی زمانے میں کسی بات پر اجماع ہو جائے اس کا انکار بھی کفر نہیں۔ جیسے تابعین یا تبع تابعین یا ائمہ مجتہدین کا اجماع، یا آج کے زمانے کا اجماع چاہے وہ اجماع قولی ہے یا اجماع سکوتی ہے بہر حال اس کا منکر کافر نہیں ہو گا۔ اس مسئلے کی مکمل تحقیق کے لیے آپ امداد الاحکام جلد نمبر 1، ص 82 سے 94 تک ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

الحاصل! اجماع صحابہ کا منکر جبکہ وہ اجماع قولی ہو اس کا منکر کافر ہے اور اس معاملے میں بھی اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کی بجائے علماء کے پاس فتوی بھیجنا چاہیے، وہ اچھی طرح اس کا موقف سمجھ کر فیصلہ کر پائیں گے۔

چھٹا اصول

انکار خبر واحد

چھٹا اصول یہ ہے کہ خبر مشہور یا خبر واحد گو صحیح درجے کی ہو اس کا منکر کافر نہیں ہو گا البتہ فاسق ہو گا۔ دین کے اکثر مسائل تقریبا 98 فی صد مسائل

خبر واحد یا ظنی دلائل سے ثابت ہوتے ہیں، خدانخواستہ کوئی مسلمان کسی ایسے حکم کا انکار کر دے تو وہ فاسق تو کہلائے گا لیکن اسے کافر نہیں کہیں گے۔

ساتواں اصول

اللہ تعالیٰ یا معصومین کی گستاخی

وجود باری تعالیٰ، توحید باری تعالیٰ، عقیدۂ رسالت، ختم نبوت وغیرہ ضروریات دین میں سے ہے، اب اسی کے کچھ اور بھی اجزاء ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک کرنا خدا کی خدائی میں شریک کرنا ہے جو بدترین گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم غیب کی طرح کسی اور کو عالم الغیب اور حاضر ناظر سمجھنا شرک ہے۔ اللہ ورسول کی طرح کسی اور کو قابل اطاعت سمجھنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرح کسی اور کو کائنات کا مدبر اور مشکل کشا سمجھنا شرک ہے۔ کتاب کے شروع میں اس پر بات ہو چکی ہے۔

2۔ قصداً اللہ تعالیٰ کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں تنقیص اور طعن ہوتا ہو، اسی طریقے سے قصداً انبیاء کرام یا فرشتوں کی شان میں گستاخی کرنا یا ان کی طرف کسی ایسی چیز کی نسبت کرنا جس سے ان کی شان میں تنقیص ہوتی ہو تو یہ بھی موجب کفر ہیں۔

لیکن اس میں بھی ذرا دیکھنا چاہیے، فوراً اپنی طرف سے حکم نہیں لگانا چاہیے، بلکہ معتدل اور محقق علمائے کرام کے پاس اس مسئلہ کو لے جانا چاہیے، وہ جو فیصلہ کریں اس کو پھر مانیں۔

آٹھواں اصول

توہین صحابہ کرام، یا توہین اہل بیت اطہار

جہاں تک صحابہ کرام یا اہل بیت کی توہین اور گستاخی کا مسئلہ ہے تو اس میں کوئی دورائے نہیں کہ یہ بدترین جسارت اور بدترین جرم ہے، اس کے مرتکب کو قرارواقعی اور سخت سے سخت سزا دینی چاہیے، اس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہونا چاہیے، لیکن جہاں تک بات ہے تکفیر کی تو اس میں علمائے کرام کا بڑا سخت اختلاف ہے۔

خاتمۃ المحققین علامہ شامیؒ نے اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے فیصلہ کن بات یہ لکھی ہے کہ دور صحابہ میں خوارج نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تمام صحابہ کرام جو جنگ جمل و جنگ صفین میں شامل تھے ان سب کی تکفیر کی لیکن پھر بھی خوارج کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور سلف صالحین نے کافر نہیں کہا تو ہمیں بھی کافر نہیں کہنا چاہیے، اگرچہ سبِّ صحابہ ایسا جرم ہے کہ اس سے ہر غیرت مند مسلمان کا خون کھول اٹھتا ہے، لیکن جہاں تک فتویٰ کی بات ہے اور کافر کہنے کی بات ہے تو ہم کافر نہیں کہہ سکتے۔ منکرین ختم نبوت کو سب نے مرتد اور کافر کہا، لیکن خوارج اور عام شیعوں کو صحابہ کرام نے کافر نہیں کہا۔

اگر کوئی مسلمان سنی یا شیعہ کسی صحابی پر ناز یبا تبصرہ کر رہا ہو یا کسی صحابی کی تکفیر کر رہا ہو تو علامہ شامیؒ کی اس حوالے مختلف عبارتیں ہیں:

1۔ صرف شیخین یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دینے والا کافر ہے۔

2۔ تکفیر شیخین کرنے والا کافر ہے، گالی دینے والا کافر نہیں، گو فسق ضرور ہے۔ اسی طرح بقیہ صحابہ کی تکفیر یا ان کو گالی دینے والا کافر نہیں۔ گو یہ فسق ضرور ہے۔

3۔ ایک اور موقع پر علامہ شامیؒ نے پہلی دو آرا کے بر خلاف فیصلہ کن انداز میں بات کہی! انہوں نے خوارج والی بات پیش کر کے روافض پر منطبق کیا ہے اور فرمایا ہے کہ متقدمین اور اہل اجتہاد کی بات کو دیکھا جائے تو ان حضرات نے کبھی بھی تبرا یا تکفیر صحابہ کی وجہ سے روافض کی تکفیر نہیں کی۔

روافض کی قسمیں

روافض کی چار قسمیں ہیں:

1- تفضیلی: جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے ان کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ زیدی شیعوں کا یہی عقیدہ ہوتا ہے۔

2- جو کھلم کھلا کفریہ کلمات کہیں، یا جن کا کھلا کفر ظاہر ہو جائے، جیسے وہ قرآن کا قطعی حکم آنے کے باوجود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائیں۔ قرآن کریم کو محرف مانیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حلول کا عقیدہ رکھیں کہ خدا ان کے اندر حلول کر گئے تھے، جیسے نصیری شیعوں کا عقیدہ ہے تو شیعہ حضرات خود ان نصیری شیعوں کو کافر کہتے

ہیں۔ تحریف قرآن یا قرآن کے ناقص ہونے کا عقیدہ رکھنے والوں کو خود شیعہ بھی کافر کہتے ہیں۔

تو اس طرح کا عقیدہ رکھتے والے جن کا کفر ظاہر ہو جائے ان کو سبھی کافر کہتے ہیں، خود شیعہ بھی کافر کہتے ہیں۔

3-ایسے لوگ جن کے بارے میں ہمیں چند ایک موٹی موٹی باتوں کے علاوہ کچھ معلوم نہیں، ان کے بارے میں تحقیق ہو جائے کہ کفریہ عقائد نہیں ہیں تو قسم اول میں چلے جائیں گے مسلمان کہلائیں گے۔

4-جن کے بارے میں دونوں طرح کے دلائل ہوں دونوں طرح کے قرائن ہوں، ایک طرف کفر بواح کا احتمال نظر آرہا ہو، دوسری طرف کچھ ایسے قرائن یا ایسے دلائل ہیں کہ کفر کا حکم نہیں لگا سکتے تو ایسی متردد اور مشکوک کفر کی صورت میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتیِ شفیع عثمانی صاحب نے لکھا ہے کہ شک یا جذبات میں مغلوب ہو کر آپ کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے۔

یہ بہت گھمبیر اور مخصوص صورت حال ہوتی ہے جب کافر ہونے کے بھی بہت سے قوی دلائل موجود ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہ ضروریات دین کا انکار کر رہا ہے یا تاویل کر رہا ہے، دوسری طرف ایسے بھی دلائل پائے جا رہے ہیں کہ نہیں یہ انکار یا تاویل باطل نہیں ہے تو اس طرح کی صورت حال پیدا ہو جائے اور بعض اوقات یہ تردد خود علماء کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے، کبھی اصول اتنا گہرا ہوتا ہے جس کی وجہ سے ہم کافر نہیں کہہ سکتے؛ کیونکہ اس سے بھی تردد پیدا ہو جاتا ہے کہ کسی کے نزدیک اصول منطبق ہو رہا ہوتا ہے کسی کے نزدیک منطبق نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں حضرت فرماتے ہیں کہ ایک

احتیاط والے موقف پر عمل کیا جائے یعنی ان سے نکاح نہ کیا جائے، ان کے ذبیحہ کو حلال نہ کہا جائے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے لیکن سیاسی و دنیاوی معاملات میں مسلمان کہا جائے۔

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ امت کے مجتہدین اور جمہور فقہا کا ہمیشہ سے یہی فتوی رہا ہے کہ شیعہ فرقہ علی الاطلاق کافر نہیں، بلکہ جن سے کفر کا صدور کھلم کھلا ظاہر ہو جائے وہی کافر ہو گا۔ جو لوگ شیعہ کو علی الاطلاق کافر کہتے ہیں اور اسی کو جمہور علما کا فتوی قرار دیتے ہیں وہ سرخیل مفتیان، خاتمۃ المحققین علامہ شامی کی اس عبارت کو بار بار پڑھیں کہ کس طرح انہوں نے تکفیر شیعہ کے فتوی کو قول ضعیف، قول بلا دلیل اور مخالفِ اجماع قرار دیا ہے:

الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (4/237)

عَلَى أَنَّ الْحُكْمَ عَلَيْهِ بِالْكُفْرِ مُشْكِلٌ. لِمَا فِي الِاخْتِيَارِ اتَّفَقَ الْأَئِمَّةُ عَلَى تَضْلِيلِ أَهْلِ الْبِدَعِ أَجْمَعَ وَتَخْطِئَتِهِمْ وَسَبُّ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَبُغْضُهُ لَا يَكُونُ كُفْرًا. لَكِنْ يُضَلَّلُ إلَخْ. وَذَكَرَ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ أَنَّ الْخَوَارِجَ الَّذِينَ يَسْتَحِلُّونَ دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ وَأَمْوَالَهُمْ وَيُكَفِّرُونَ الصَّحَابَةَ حُكْمُهُمْ عِنْدَ جُمْهُورِ الْفُقَهَاءِ وَأَهْلِ الْحَدِيثِ حُكْمُ الْبُغَاةِ. وَذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ إلَى أَنَّهُمْ مُرْتَدُّونَ. قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ: وَلَا أَعْلَمُ أَحَدًا وَافَقَ أَهْلَ الْحَدِيثِ عَلَى تَكْفِيرِهِمْ. وَهَذَا يَقْتَضِي نَقْلَ إجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ. وَذَكَرَ فِي الْمُحِيطِ أَنَّ بَعْضَ الْفُقَهَاءِ لَا يُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ

الْبِدَعِ. وَبَعْضُهُمْ يُكَفِّرُونَ الْبَعْضَ، وَهُوَ مَنْ خَالَفَ بِبِدْعَتِهِ دَلِيلًا قَطْعِيًّا وَنَسَبَهُ إِلَى أَكْثَرِ أَهْلِ السُّنَّةِ. وَالنَّقْلُ الْأَوَّلُ أَثْبَتُ وَابْنُ الْمُنْذِرِ أَعْرَفُ بِنَقْلِ كَلَامِ الْمُجْتَهِدِينَ. نَعَمْ يَقَعُ فِي كَلَامِ أَهْلِ الْمَذْهَبِ تَكْفِيرُ كَثِيرٍ وَلَكِنْ لَيْسَ مِنْ كَلَامِ الْفُقَهَاءِ الَّذِينَ هُمُ الْمُجْتَهِدُونَ بَلْ مِنْ غَيْرِهِمْ. وَلَا عِبْرَةَ بِغَيْرِ الْفُقَهَاءِ، وَالْمَنْقُولُ عَنِ الْمُجْتَهِدِينَ مَا ذَكَرْنَا اهـ- وَمِمَّا يَزِيدُ ذَلِكَ وُضُوحًا مَا صَرَّحُوا بِهِ فِي كُتُبِهِمْ مُتُونًا وَشُرُوحًا مِنْ قَوْلِهِمْ: وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ إِلَّا الْخَطَّابِيَّةِ. وَقَالَ ابْنُ مُلْكٍ فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ: وَتُرَدُّ شَهَادَةُ مَنْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ لِأَنَّهُ يَكُونُ ظَاهِرَ الْفِسْقِ، وَتُقْبَلُ مِنْ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ الْجَبْرُ وَالْقَدَرُ وَالرَّفْضُ وَالْخَوَارِجُ وَالتَّشْبِيهُ وَالتَّعْطِيلُ. اهـ-

وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ أَوْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ يَعْنِي الصَّالِحِينَ مِنْهُمْ وَهُمُ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ تَدُلُّ عَلَى قُصُورِ عَقْلِهِ وَقِلَّةِ مُرُوءَتِهِ، وَمَنْ لَمْ يَمْتَنِعْ عَنْ مِثْلِهَا لَا يَمْتَنِعُ عَنِ الْكَذِبِ عَادَةً. بِخِلَافِ مَا لَوْ كَانَ يُخْفِي السَّبَّ اهـ- وَلَمْ يُعَلِّلْ أَحَدٌ لِعَدَمِ قَبُولِ شَهَادَتِهِمْ بِالْكُفْرِ كَمَا تَرَى. نَعَمْ اسْتَثْنَوْا الْخَطَّابِيَّةِ لِأَنَّهُمْ يَرَوْنَ شَهَادَةَ الزُّورِ لِأَشْيَاعِهِمْ أَوْ لِلْحَالِفِ. وَكَذَا نَصَّ الْمُحَدِّثُونَ عَلَى قَبُولِ رِوَايَةِ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ فَهَذَا فِيمَنْ يَسُبُّ عَامَّةَ الصَّحَابَةِ وَيُكَفِّرُهُمْ بِنَاءً عَلَى تَأْوِيلٍ لَهُ فَاسِدٍ.

فَعُلِمَ أَنَّ مَا ذَكَرَهُ فِي الْخُلَاصَةِ مِنْ أَنَّهُ كَافِرٌ قَوْلٌ ضَعِيفٌ مُخَالِفٌ لِلْمُتُونِ وَالشُّرُوحِ بَلْ هُوَ مُخَالِفٌ لِإِجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ كَمَا سَمِعْتَ. وَقَدْ أَلَّفَ الْعَلَّامَةُ مُنْلَا عَلِيٌّ الْقَارِي رِسَالَةً فِي الرَّدِّ عَلَى الْخُلَاصَةِ، وَبِهَذَا تَعْلَمُ قَطْعًا أَنَّ مَا عُزِيَ إِلَى الْجَوْهَرَةِ مِنَ الْكُفْرِ مَعَ عَدَمِ قَبُولِ التَّوْبَةِ عَلَى فَرْضِ وُجُودِهِ فِي الْجَوْهَرَةِ بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهُ وَلَا يَجُوزُ الْعَمَلُ بِهِ، وَقَدْ مَرَّ أَنَّهُ إِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ خِلَافٌ وَلَوْ رِوَايَةً ضَعِيفَةً، فَعَلَى الْمُفْتِي أَنْ يَمِيلَ إِلَى عَدَمِ التَّكْفِيرِ، فَكَيْفَ يَمِيلُ هُنَا إِلَى التَّكْفِيرِ الْمُخَالِفِ لِلْإِجْمَاعِ فَضْلًا عَنْ مَيْلِهِ إِلَى قَتْلِهِ وَإِنْ تَابَ، وَقَدْ مَرَّ أَيْضًا أَنَّ الْمَذْهَبَ قَبُولُ تَوْبَةِ سَابِّ الرَّسُولِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَكَيْفَ سَابُّ الشَّيْخَيْنِ. وَالْعَجَبُ مِنْ صَاحِبِ الْبَحْرِ حَيْثُ تَسَاهَلَ غَايَةَ التَّسَاهُلِ فِي الْإِفْتَاءِ بِقَتْلِهِ مَعَ قَوْلِهِ: وَقَدْ أَلْزَمْتُ نَفْسِي أَنْ لَا أُفْتِيَ بِشَيْءٍ مِنْ أَلْفَاظِ التَّكْفِيرِ الْمَذْكُورَةِ فِي كُتُبِ الْفَتَاوَى. نَعَمْ لَا شَكَّ فِي تَكْفِيرِ مَنْ قَذَفَ السَّيِّدَةَ عَائِشَةَ - رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا - أَوْ أَنْكَرَ صُحْبَةَ الصِّدِّيقِ، أَوِ اعْتَقَدَ الْأُلُوهِيَّةَ فِي عَلِيٍّ أَوْ أَنَّ جِبْرِيلَ غَلِطَ فِي الْوَحْيِ، أَوْ نَحْوُ ذَلِكَ مِنَ الْكُفْرِ الصَّرِيحِ الْمُخَالِفِ لِلْقُرْآنِ، وَلَكِنْ لَوْ تَابَ تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ. هَذَا خُلَاصَةُ مَا حَرَّرْنَاهُ فِي كِتَابِنَا تَنْبِيهُ الْوُلَاةِ وَالْحُكَّامِ، وَإِنْ أَرَدْتَ الزِّيَادَةَ فَارْجِعْ إِلَيْهِ وَاعْتَمِدْ عَلَيْهِ فَفِيهِ الْكِفَايَةُ لِذَوِي الدِّرَايَةِ.

نواں اصول

شرک کی اقسام

شرک کا مطلب یہ نہیں کہ ہم کسی سے بھی مدد مانگیں تو شرک ہو گیا۔ مدد تو ہم آپس میں ایک دوسرے سے بھی مانگتے ہیں مثلاً پانی پلاؤ، کھانا لگاؤ، درزی کو کہتے ہیں کپڑے سی دو وغیرہ وغیرہ۔ یہ مدد مانگنا ہے، مگر شرک نہیں ہے، شرک اس وقت بنتا ہے کہ وہ چیزیں جو اسباب سے ماوراہیں ان چیزوں میں غیر اللہ کو پکارا جائے اور اس سے مدد مانگی جائے، جیسے اولاد دیناڈاکٹر کے بس میں نہیں، نہ ہی کسی انسان کے بس میں ہے تو کسی مردے، کسی نبی، ولی کے پاس جاکر یہ کہنا کہ یافلاں! ہمیں اولاد دے تو یہ ہے ماوراء لاسباب مدد مانگنا۔

اللہ کے علاوہ کسی سے بارش مانگنا، یہ ہے شرک۔ بارش اسباب کے تحت داخل نہیں۔ ہاں! سائنسی لحاظ سے بادلوں میں کیمیکل ڈال کر بارش برسانا یہ الگ بات ہے، اس کی ہم بات نہیں کر رہے، ان مادی اور ظاہری اسباب سے ہٹ کر کسی ولی سے کہیں کہ بارش برسا دیجیے، تو یہ شرک ہے۔

اگر ہم جنات سے کہیں کہ اے جن! میرا فلاں کام کر دے اور وہ جائز کام ہو اور جن آپ کا تابع ہے آپ کا کام کر دیتا ہے تو یہ شرک نہیں؛ کیونکہ یہ اسباب سے باہر نہیں بلکہ اسباب سے کام نکالنا ہے۔

پھر شرک کی کئی قسمیں ہیں:

شرک فی الذات یا شرک فی الالوہیہ

یعنی دنیا کو وجود بخشنے والی ذات اور الٰہ ایک سے زیادہ ماننا، جیسے مجوسی دو خدا کے قائل ہیں۔ ہندوؤں کے بعض فرقے بہت سے خداؤں کے قائل ہوتے ہیں۔ بعض عیسائی فرقے تین خداؤں کے قائل ہیں۔

شرک فی العبادۃ

شرک فی العبادۃ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو تو ایک ہی مانتا ہے، لیکن وہ کام جو اللہ کے لیے خاص ہیں وہ غیر اللہ کے لیے کرتا ہے، جیسے نمازِ، روزہ، طواف، قربانی منت، دعائیں، حاجات کے لیے پکارنا وغیرہ، یہ سب چیزیں عبادتیں ہیں۔ ان میں سے کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کے بجائے، غیر اللہ کے لیے کی جائے تو اس کو شرک فی العبادات کہتے ہیں۔

شرک فی الطاعۃ

اطاعت میں شرک، یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ یہ یہودیوں میں پائی جاتی تھی۔ عموماً یہودی موحد ہوتے ہیں۔ تاہم ان میں ایک فرقہ گزرا ہے جو حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتا تھا تو وہ تو عیسائیوں کی طرح کھلے مشرک ہوگئے، لیکن بقیہ یہودی فرقے موحد ہیں، لیکن ان کے اندر پھر بھی شرک فی الطاعۃ پایا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ توریت، انجیل کے صریح احکام کے مقابلے میں اپنے علما و مشائخ کے فتووں کو زیادہ فوقیت دیتے تھے۔

مثلاً: توریت اور انجیل میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ سود کو حلال کہتے ہیں؛ کیونکہ ان کے کسی جعلی پیشوا نے سود کو حلال کہہ رکھا ہے۔

چنانچہ انہی علمائے سوء نے یہ ضابطہ یہودیوں کے لیے طے کر رکھا ہے کہ آج کے دور میں توریت کو نہیں مانا جائے گا بلکہ تالمود کو مانا جائے گا۔ اس کے بعد سے یہودی صریح نصوص کے بجائے اپنے مشائخ کے بے بنیاد فیصلوں کو ترجیح دینے لگے۔

آپ کو اشکال ہوگا کہ کیا تقلید بھی شرک فی الطاعت ہے تو جواب نفی میں ہے؛ کیونکہ تقلید منصوص مسائل میں نہیں ہوتی بلکہ غیر منصوص یا متعارض دلائل والی چیزوں میں کی جاتی ہے۔

شرک فی الصفات

جامعہ علوم اسلامیہ کے دارالافتاء نے شرک فی الصفات کی جامع مانع تفصیل شائع کی ہے جس کی رو سے شرک کی گزشتہ اقسام شرک فی الصفات میں داخل ہیں۔ افادۂ عام کے لیے یہاں یہ تفصیل نقل کی جارہی ہے:

> "صفات میں شرک کرنے کا معنی یہ ہے کہ خدا کی صفات کی طرح کسی دوسرے کے لیے کوئی صفت ثابت کرنا، کیوں کہ کسی مخلوق میں خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی، ولی ہو یا شہید، پیر ہو یا امام، خدا تعالیٰ کی صفتوں کی طرح کوئی صفت نہیں ہوسکتی۔

شرک فی الصفات کی چند قسمیں درج ذیل ہیں:

1۔ شرک فی القدرت: یعنی خدا تعالیٰ کی طرح صفتِ قدرت کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا، مثلاً: یہ سمجھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی یا شہید وغیرہ پانی برسا سکتے ہیں یا بیٹا بیٹی دے سکتے ہیں یا مرادیں پوری کر سکتے ہیں یا روزی دے سکتے ہیں یا مارنا جِلانا اُن کے قبضے میں ہے یا کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں؛ یہ تمام باتیں شرک ہیں۔

2۔ شرک فی العلم: یعنی خدا تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کے لیے صفتِ علم ثابت کرنا، مثلاً یوں سمجھنا کہ خدا تعالیٰ کی طرح فلاں پیغمبر یا ولی وغیرہ غیب کا علم رکھتے تھے یا خدا کی طرح ذرّہ ذرّہ کا انہیں علم ہے یا دور و نزدیک کی تمام چیزوں کی خبر رکھتے ہیں یہ سب شرک فی العلم ہے۔

3۔ شرک فی السمع والبصر: یعنی خدا تعالیٰ کی صفتِ سمع یا بصر میں کسی دوسرے کو شریک کرنا، مثلاً: یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری تمام باتوں کو دور و نزدیک سے از خود سن لیتے ہیں یا ہمیں اور ہمارے کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں؛ سب شرک ہے۔

4۔ شرک فی الحکم: یعنی خدا تعالیٰ کی طرح کسی اور کو حاکم سمجھنا اور اس کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح ماننا، یہ بھی شرک ہے۔

5۔ شرک فی العبادت: یعنی خدا تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کو عبادت کا مستحق سمجھنا، مثلاً: کسی قبر یا پیر کو سجدہ کرنا یا کسی کے لیے رکوع کرنا، یا کسی پیر، پیغمبر، ولی، امام کے نام کا روزہ رکھنا یا کسی کی نذر اور منت ماننی یا کسی قبر یا مرشد کے گھر کا خانہ کعبہ کی طرح طواف کرنا؛ یہ سب شرک فی العبادۃ ہے۔ "

کیابریلوی بھائی مشرک ہیں؟

بریلوی بھائی جو سنی بھی ہیں، حنفی بھی ہیں، ہماری طرح وہ بھی صوفیائے کرام اور اولیائے کرام کو مانتے ہیں، لیکن ان کے کچھ عقائد ایسے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے مؤحد مسلمان انہیں مشرک سمجھتے ہیں، کیاوہ واقعی شرک کے مرتکب ہیں؟ جیسے وہ کہتے ہیں کہ انبیاواولیا بھی عالم الغیب ہیں۔ حاضر ناظر ہیں ،مشکل کشاہیں وغیرہ۔

تواس کاجواب یہ ہے کہ ہم ان عقائد کوغلط سمجھتے ہیں، گناہ سمجھتے ہیں، لیکن ان کی وجہ سے ان کو مشرکین مکہ کی طرح مشرک حقیقی یادائرۂ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے؛ کیونکہ وہ علم غیب ،حاضر ناظریامشکل کشاکے وہ معنی نہیں لیتے جوبظاہر سمجھے جاتے ہیں بلکہ وہ اس میں تاویل کرتے ہیں، جو تاویل باطل کے زمرے میں نہیں آتی۔ وہ نبی کریم ﷺ کو محض ادباً عالم الغیب کہتے ہیں، کہ اگر عالم الغیب کی نفی کی تو کہیں بے ادبی لازم نہ آئے۔ حاضر ناظر کے معنی یہ لیتے ہیں کہ آپ ﷺ کو امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ مشکل کشاکامطلب وسیلہ لیتے ہیں یاپھر مشکل مسائل کو حل کرنے والا، گتھی سلجھانے والامراد لیتے ہیں۔ جیسے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی اسی معنی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مشکل کشائے دارین لکھاہے۔

چنانچہ جب ہم ان کے محقق علماسے پوچھتے ہیں تووہ یہی مطلب بتاتے ہیں۔ علم غیب کلی کے وہ قائل نہیں ہیں،اسی طرح اللہ تعالی کی طرح وہ کسی

کو حاضر ناظر نہیں سمجھتے۔اور مشکل کشا کا مطلب لوگوں کی حاجات اور ضروریات پوری کرنے والا مراد نہیں لیتے۔

چنانچہ اکابر دیوبند سے لے کر آج تک دیوبند مکتب فکر کے بڑے مدارس سے استفتاء کر کے پوچھ لیں کوئی بھی آپ کو یہ نہیں کہے گا کہ بریلوی یا اہل حدیث مشرک یا کافر ہیں۔شرکیہ اعمال کی تردید بجا ہے اور ضروری بھی ہے لیکن شرک عملی الگ چیز ہے اور شرک حقیقی الگ چیز۔

دسواں اصول

تکفیر مسلم میں احتیاط لازم ہے جب تک کھلم کھلا کفر ظاہر نہ ہو جائے تکفیر نہ کی جائے۔

چنانچہ فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ کسی کفریہ قول و فعل کے حوالے سے کوئی ضعیف قول بھی مل جائے جس سے کفر کی نفی ہوتی ہو تو مفتی کو چاہیے کہ وہ ضعیف قول لے لے اور یہی کہے کہ کافر نہیں ہوا۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کے کسی قول و فعل سے کفر نظر آرہا ہو اور اس میں ننانوے (99) احتمالات کفر کے ہوں، صرف ایک احتمال اسلام والا نکلتا ہو تو اسے اسلام والے پہلو پر ہی محمول کرنا چاہیے۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ جب بھی کسی مسلمان سے کوئی کفریہ قول یا کفریہ فعل سرزد ہوتا دیکھیں تو خود سے فیصلہ کرنے کے بجائے یا جذباتی لوگوں کی باتوں میں آنے کے بجائے اس وقت کے متبع سنت، متقی اور محقق علما کو فیصلہ کرنے دیں۔

اگر محقق اور متقی علما تمام باتوں کو گہرائی سے دیکھنے کے بعد بغیر کسی تعصب کے اللہ تعالیٰ کا خوف کھاتے ہوئے کہہ دیں کہ یہ کافر ہو گیا اور سبھی علما ان سے متفق بھی ہو جائیں تو پھر تقویٰ اور تدین یہی ہے کہ اس کو کافر کہا جائے تا کہ نکاح وغیرہ بہت سے معاملات متاثر نہ ہوں۔

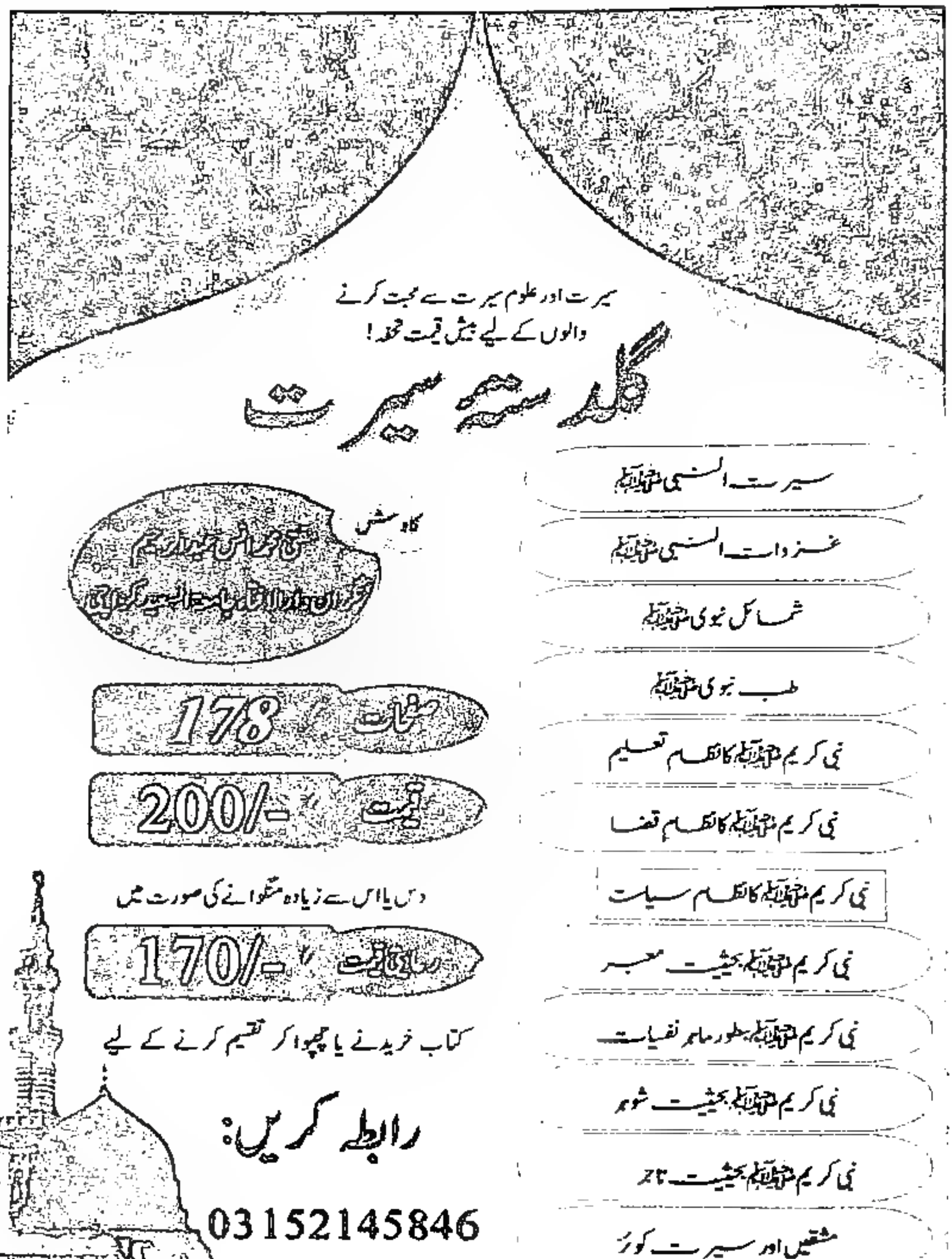

اصول بدعت

نبی کریم ﷺ نے شرک کے بعد جس طرح بدعت اور اہل بدعت کی مذمت ارشاد فرمائی ہے شاید کسی اور چیز کی اس طرح تردید اور مذمت نہیں فرمائی، اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں: ایک تو یہ کہ بدعت سے دین کا اصلی نقشہ اور حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے، حق و باطل، سنت و بدعت میں تمیز باقی نہیں رہتی، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بدعتی شخص گویا کہ یہ دعوی کر رہا ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سارا دین نہیں پہنچایا، اس میں کچھ کمی رہ گئی۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

بدعت جب اتنا بڑا گناہ ہے تو اس سے بچنے کا اہتمام بھی اتنا ہی ضروری ہو گا، لیکن جب تک اس کے معنی و مفہوم کو ہم نہیں سمجھیں گے تو کسی نہ کسی درجہ میں اس میں مبتلا ہونے کا خدشہ رہے گا جس کا آج ہر شخص مشاہدہ کر رہا ہے، یہی وجہ ہے جس کی وجہ سے بدعت کا معنی و مفہوم اور اس کی اقسام اور مثالوں کو ذکر کرنا مقصود ہے، ابتداء میں بہتر معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کی مذمت احادیث نبویہ کی روشنی میں کچھ بیان کر دی جائیں:

1. وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فی النار (سنن النسائی:1578)

ترجمہ: اور ہر نئی گھڑی ہوئی بات بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی آگ میں جائے گی۔

2.عن انس بن مالك قال قال رسول ا لله صلى الله عليه و سلم ان الله حجب التوبة عن صاحب كل بدعة۔۔

(المعجم الأوسط:4202)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

3۔ جس نے کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالی کی، فرشتوں کی، اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، تو اس کی فرض عبادت قبول ہے اور نہ نفل (بخاری، حدیث نمبر1870)

4۔ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ حوض کوثر پر اپنی امتیوں کو پانی پلا رہے ہوں گے تو فرشتہ کچھ لوگوں کو ہٹا رہے ہوں گے تو آپ ﷺ فرمائے گے کہ یہ تو میرے امتی ہیں، فرشتے کہیں گے کہ آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے دینا سے تشریف لے جانے کے بعد دین میں کیا کیا اضافے کیے۔(بخاری، حدیث نمبر:657)

بدعت کی تعریف

بدعت کی تعریف عموماً فقہایا محدثین نے جہاں جہاں کی ہے وہ ادھوری سی تعریف لگتی ہے۔بدعت کی جامع مانع تعریف جس سے بات بالکل صاف ہو جائے بہت مشکل اور تتبع و جستجو سے نکالی گئی ہے۔

بدعت کے پانچ اجزائے ترکیبی

جب بدعات بڑھ گئیں تو بعد کے زمانوں کے محقق علمانے اس کی جامع مانع تعریف کرنا شروع کی۔ بدعت کی تعریف کے اندر تقریباًپانچ اجزائے ترکیبی ہیں جن کاایک ساتھ پایاجاناضروری ہے، ان میں سے کوئی ایک بھی جزوکم ہوتوبدعت شرعیہ یابدعت سیئہ نہیں بنے گی، بلکہ بدعت لغوی یابدعت حسنہ بنے گی:

نئے نظریات

1۔وہ نیاہوتاہے جس کی پہلے مثال یانظیر نہیں ملتی۔

2۔وہ نیاعقیدہ یانیاعمل ہوتا ہے، نئی چیز نہیں۔لہذانئی ایجادات، نئے کھانے، نئے ملبوسات، نئے لوگ بدعت شرعیہ نہیں۔ نئی ایجادات، اشیاء ہیں، اس لیے وہ بدعت شرعیہ میں کیسے شامل ہوسکتاہے؟

بدعت تو یہ ہوتاہے کوئی نیاعقیدہ ہوتاہے جس کاسلف صالحین کے ہاں وجود نہیں ملتا، جیسے خوارج نے نئے عقیدے پیداکیے۔ روافض نے نئے نظریات اپنائے۔ سن 70ھ میں انکار تقدیر کاعقیدہ رونماہوا، پھر صفات باری تعالی کے منکرین، مشبہہ، معطلہ، مجسمہ، جہمیہ، معتزلہ، مرجئۃ وغیرہ نے اپنے اپنے نئے عقائد پیش کیے۔ گزشتہ صدی میں مختار کل، حاضر ناظر اور علم غیب کے عقائد گڑھے گئے۔ تاریخ اٹھاکر دیکھ لیجیے، سلف صالحین میں کہیں ان کاوجود نہیں ملتا۔

نیا عمل

وہ نیا عمل ہو، جیسے: قبروں پر اذان دینا، قرآن خوانی کو لازم سمجھنا، تیجا، چالیسواں وغیرہ وغیرہ، تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے، خیر القرون میں کہیں ان کا وجود نہیں تھا۔

دین سمجھ کر کرنا

3۔ اسے ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ لہذا نئے دنیوی اعمال اور دنیوی رسومات بدعت نہیں۔ جیسے قومی دن منانا، دفاع کا دن منانا، 50 سالہ، 100 سالہ تقریبات منانا، مدر ڈے، لیبر ڈے وغیرہ منانا بدعت نہیں؛ کیونکہ ان کو ثواب سمجھ کر نہیں منایا جاتا۔

خیر القرون میں اس کی اصل نہ ملے

4۔ بدعت کی پہچان کا چوتھا جزو بہت اہم ہے کہ خیر القرون میں اس کا قولاً، فعلاً، صراحتاً، اشارتاً کسی بھی طرح وجود ملتا ہے، نہ ہی اس کی اصل ملتی ہے۔ لہذا ان کا وجود ہو یا کم از کم اس کی اصل موجود ہو تو وہ بدعت نہیں۔

خیر القرون کا مطلب

خیر القرون کے حوالے یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ خیر القرون نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین، ان چار زمانوں کو کہا جاتا ہے۔

ان چار زمانوں کو فہم دین کے لیے خاص اہمیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے آپ ﷺ کا زمانہ ہے تو خود نزول وحی کا زمانہ ہے، وہ تو حجت اور بالاتفاق قابل استدلال ہے۔ صحابہ کرام وہ بہترین لوگ تھے کہ خود آپ ﷺ نے ان نفوس

قدسیہ کی اصلاح وتربیت فرمائی ہے اس لیے ان کا قول و فعل بھی ہم حجت اور قابل استدلال مانتے ہیں۔ تابعین صحابہ کرام کے شاگردوں کو اور تبع تابعین، تابعین کے شاگردوں کو کہا جاتا ہے۔ ان دو زمانوں کو بھی احادیث میں بہترین زمانوں میں شامل قرار دیا گیا ہے اس لیے ان کی بھی فہم دین کے طالب علم کے لیے ایک خصوصی اہمیت ہے۔

خلاصہ یہ کہ قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے قول و فعل سے کسی نئے دینی نظریے یا دین کی بنیاد پر کیے جانے والے کسی نئے عمل کا ثبوت ملے یا ان کے دور میں ان حضرات کے سامنے اس طرح کا کوئی کام ہوا ہو اور اس پر ان حضرات نے کوئی ناگواری یا تنقید نہیں فرمائی تو بس پھر وہ بدعت نہیں ہوگی اور اگر ان زمانوں میں کوئی چیز سرے سے پائی ہی نہیں گئی نہ قول ملتا ہے نہ فعل نہ اشارہ نہ کنایہ تو پھر وہ بدعت ہوگی۔

دو باتوں میں فرق

دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک ہے دین سمجھ کر کیے جانے والے کسی فعل کا بذات خود وجود ہونا، چاہے وہ قولاً وجود ہو، چاہے فعلاً ہو، چاہے صراحت ملے، چاہے اشارہ ملے بس خود وجود مل جائے تو بہت بڑی بات ہے کہ وہ بدعت ہو ہی نہیں سکتا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس چیز کا بذات خود وجود نہیں ہے لیکن کم از کم اس کی کوئی اصل موجود ہے تو ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی بات پائی جائے تو وہ عقیدہ یا فعل بدعت نہیں ہو سکتا بلکہ عبادت اور ثواب ہوگا۔

اس کی مثال ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں مدارس کی یہ شکل نہیں تھی جس طرح آج ہے۔ پہلے زمانے میں مساجد سے الگ مدارس کی کوئی عمارتیں نہیں ہوتی تھیں، لیکن تعلیم گاہ کی صورت میں اس کی اصل موجود تھی کہ مسجد نبوی کے چبوترے پر اصحاب صفہ جمع ہو جاتے تھے اور وہاں آپ ﷺ ان کو تعلیم دیا کرتے تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے انچارج ہوتے تھے، وہ طعام اور رہائش کے منتظم تھے۔ جو بھی کھانا آتا تھا ان کو بلا کے ان کے ذریعے سے تقسیم ہوتا تھا۔ تو دار الاقامہ ہونا یا پھر یہ کہ ایک عمارت ہونا اور مدرسے کے نام سے ہونا، اس کی خود کچھ نہ کچھ اصل سیرت طیبہ ﷺ میں موجود ہے، پھر اسی کو جب پھیلایا گیا تو پھر آپ دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کے دور میں مسجدوں کے اندر ہی بڑے بڑے حلقے لگتے تھے۔ کوئی درس قرآن کا حلقہ ہوتا تھا، کوئی حدیث کا کوئی فقہ کا۔ کوئی ان سب کی ایک ساتھ تعلیم دیتا تھا۔ آج بھی حرمین شریفین کے اندر اس طرح کے تعلیمی حلقے لگتے ہیں۔ پھر بعد میں کسی دور میں جا کر مدارس کے لیے الگ سے عمارتیں بننے لگیں۔

جیسے خود یہ عدالت ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانوں میں عدالت خود مسجد میں لگتی تھی لیکن اب صدیوں سے اس کے لیے الگ عمارت بن رہی ہے تو اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ اس کی اصل موجود ہے۔

اس کی ضرورت پیش نہ آئی ہو

5۔ بدعت کی تعریف کا پانچواں جزو نہایت اہم ہے کہ اس کا داعیہ، تقاضا اور محرک موجود ہونے کے باوجود بھی خیر القرون میں یہ کام نہیں کیا گیا

تب وہ بدعت بنے گا، لہذا اگر اس چیز کا داعیہ یا محرک آپ ﷺ کے زمانے میں یا صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے زمانے میں موجود ہی نہ تھا بلکہ محرک اور داعیہ بعد میں پیدا ہوا جس کی وجہ سے اس کو کرنا پڑا تو پھر وہ بھی بدعت نہیں ہو گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے "خلق قران" کا نظریہ ایک نیا نظریہ تھا، امام احمد بن حنبلؒ کے زمانے میں اس کا بہت شور اٹھا تھا، امام احمد وغیرہ کو اس کی وجہ سے سلاخوں کے پیچھے بھی جانا پڑا، تکالیف سہنا پڑیں، کوڑے کھانے پڑے اسی طرح اسکے بعد اور آج تک ہر کچھ زمانے بعد بہت سارے ہمارے نظریات نئے نئے وضع ہوئے ہیں جو نہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں موجود تھے نہ ہی قدیم کتب عقائد میں ان کا تذکرہ ملتا ہے، لیکن جیسے جیسے زمانہ آگے آتا گیا اور لوگوں نے نئے نئے خلاف شریعت عقائد گھڑنے شروع کیے تو پھر اہل سنت وجماعت کے علمانے ان کا رد کیا، ان کے مکروہ عقائد کی مدلل انداز میں نفی کی۔

تو ظاہر ہے ان تمام نئے نئے نظریات کے رد میں بننے والے عقائد کی ضرورت پہلے پیدا نہیں ہوئی تھی، بلکہ بعد کے زمانوں میں حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے ان کو اہل سنت کے عقائد میں شامل کیا گیا تو اس وجہ سے وہ بدعت کی تعریف سے نکل جائیں گے۔ دوسرا ان عقائد کی اصل قرآن وسنت میں ضرور موجود ہوتی ہے اس لیے بھی یہ نت نئے عقائد غیر شرعی یا بدعت نہیں کہلائیں گے۔ یہ مثال عقائد کی ہے۔

اگر اعمال کی مثال چاہیے تو اسلامی جمہوریہ، اسلامی بینکاری، اسلامی اسکولز، تکافل، حلال انڈسٹریز، یہ سب دور جدید کی وہ سرگرمیاں ہیں جن کے

تقاضے گزرتے دور کے ساتھ پیش آئے اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے یہ ماڈل ڈیزائن کیے گئے۔

جب مغرب میں جمہوری طرز حکومت رائج ہوا اور ہم سے بھی اس کا تقاضا کیا جانے لگا تو علما سر جوڑ کر بیٹھے کہ خلافت کے خاتمے کے بعد کیا کسی ملک میں جمہوری طرز حکومت اسلامی نقطۂ نظر سے درست ہو گا یا نہیں؟ غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ جی ہاں! اگر حاکمیت اعلی عوام کے بجائے قرآن و سنت کو قرار دیا جائے تو اسلامی جمہوریہ بن سکتا ہے۔

اسلامی بنکاری، تکافل، جہاد کے جدید طور طریقے، حلال فوڈ اتھارٹیز اور اسلامک اسکولز؛ یہ سب دور قریب کے وہ سسٹم ہیں جن کے تقاضے پہلے نہ تھے، دور قریب میں پیش آئے تو ان تقاضوں پر لبیک کہتے ہوئے ان کے نظام وضع کیے گئے۔

سلجوقیوں کے زمانے میں ملک نظام الدین طوسی نے عالم دین بننے کا ایک سسٹم وضع کرنے کا تقاضا شدت سے محسوس کیا جس کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے درس نظامی کا پورا نصاب تعلیم اپنی تعلیمی کمیٹی کی مشاورت سے وضع کیا۔

آج بھی زمانے کے تقاضوں کے مطابق نصاب کے اندر کی جانے والی ترمیمات، دو سالہ دراسات دینیہ، عالمہ کورس، بنات کے مدارس و جامعات، عوام الناس کو دین سے قریب کرنے کے لیے صوفیائے کرام، علما اور دعوت و تبلیغ کی محنتیں، مختلف ممالک میں پائی جانے والی دینی یا سیاسی تحریکیں، یہ تمام تر خدمات دینیہ وقت کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہی انجام دی جاتی ہیں۔

پہلے زمانے میں مسجدوں کے مینار نہیں ہوا کرتے تھے، مساجد کی زیب وزینت بھی زیادہ نہیں کی جاتی تھی، لیکن جب لوگوں کی نفسیات کو دیکھا گیا کہ وہ مینار کو اسلامی شعار سمجھنے لگے ہیں اور زیب وزینت کے بغیر مسجدوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو ان کی اجازت دے دی گئی۔

انٹرنیٹ ایجاد ہوا تو ایک داعیہ اور محرک پیدا ہوا کہ جب ہر چیز آن لائن ہو رہی ہے تو دینی تعلیم بھی آن لائن ہونی چاہیے، دینی مسائل کی بھی ویب سائٹ ہونی چاہیے، ایک تو اس کی اصل موجود ہے اور دوسرا اس کا داعیہ، محرک اور ضرورت بھی پیش آگئی تو اس طرح یہ بدعت سے نکل گیا۔

رسم اور بدعت کے درمیان فرق

ہمارے ہاں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ بدعت اور رسم کو ایک چیز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ بدعت کے اندر ثواب کی نیت ہوتی ہے اور ثواب سمجھ کے کیا جاتا ہے جبکہ رسم ایک دنیاوی چیز سمجھ کر کی جاتی ہے۔

جس کی ایک پہچان یہ ہے کہ خوشی کے موقع پر جو اکثر چیزیں کی جاتی ہیں وہ رسومات ہوتی ہے جبکہ غمی کے موقع پر جو چیزیں کی جاتی ہیں وہ اکثر بدعات ہوتی ہیں۔ جیسے بلند آواز سے میت کے پیچھے کلمہ پڑھنا، نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا، قبر پہ اذان پڑھنا، میت پہ تیجا کرنا چالیسواں کرنا وغیرہ۔

یہ تمام افعال دین سمجھ کے کیے جاتے ہیں تو یہ بدعت ہو گئی؛ کیونکہ ان کا کہیں وجود نہیں ملتا۔

لیکن شادی کے موقع پر جو کہ خوشی کا موقع ہے، جیسے عید کے موقع پر گلے ملنا، خوشی کے موقع پر جشن منانا، عید کی رسومات، شادی کی رسومات، منگنی کی رسومات، ولادت کی رسومات، یہ سب دین سمجھ کر نہیں کیا جاتا، ان کو رسم کہیں گے لیکن اس کو بدعت نہیں کہیں گے۔

رسومات اصلاً مباح ہیں

ایک اور قاعدہ یہاں سمجھ لیں کہ جیسے عام دنیوی اشیا، دنیوی ایجادات، مجربات، وظائف، دوائی اور علاج وغیرہ کے اندر اصل اباحت اور جواز ہے ویسے ہی رسومات میں بھی اصل اباحت اور جواز ہے۔ جب تک کوئی شرعی عارض آکر اسے ناجائز یا مکروہ نہ بنادے۔

ہمارے علما بہت ساری رسموں کو بعض اوقات بالکل ناجائز کہہ دیتے ہیں، وہ اس وجہ سے نہیں کہتے کہ ہر طرح کی رسم ناجائز ہے بلکہ جب وہ اپنے زمانے میں اس کے ساتھ شرعی منکرات دیکھتے ہیں تو ان منکرات کی وجہ سے حضرات اکابر ان کو سدًّا للباب ناجائز قرار دے دیتے ہیں، لیکن ویسے قاعدے کے لحاظ سے رسومات کے اندر اصل اباحت ہے، جیسے پنجاب والوں کی رسومات الگ ہوتی ہیں پشتو والوں کی رسومات الگ ہوتی ہیں، ہر برادری ہر قبیلے کی رسوم الگ ہوتی ہیں، اور بہت سی رسومات اور بہت سی عادات کے پیچھے شروع میں بہت ساری بہترین حکمتیں ہوتی ہیں تو اس رسم کو رسم ہونے کے حوالے سے منع نہیں کر سکتے جب تک کہ کوئی خارجی وجوہات منع ہونے کی نہ پائی جائیں۔

عبادات میں اصل اباحت نہیں بلکہ عدم جواز ہے

رسومات کے اندر تو اصل اباحت ہے، لیکن عبادات میں اصل اباحت نہیں ہے۔ اس کی وجہ میں آگے بتا رہا ہوں کہ کیوں؟

بدعت کی تقسیم: لغوی اور شرعی

ہر نیا طریقہ جو خیر القرون میں نہ رہا ہو، لیکن کسی اصل شرعی سے ثابت ہو اسے لغوی بدعت کہہ سکتے ہیں، لیکن جو کسی اصل شرعی کے تحت نہ آتا ہو اسے بدعت سیئہ ہی کہیں گے اور یہی اصل بدعت ہے۔

قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کرنا، اس کے نسخوں کی اشاعت کرانا، تراویح کا اہتمام، مدارس دینیہ کا قیام، درس نظامی وغیرہ یہ سب بدعات لغویہ ہیں، بدعات سیئہ نہیں۔ تفصیل گزر چکی۔

مرقاة المفاتیح شرح مشكاة المصابیح (294/1):

من سن في الإسلام سنة حسنة أي: أتى بطريقة مرضية يقتدى به فيها

مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (315/1):

(من سن في الإسلام سنة حسنة) أي أتى بطريقة مرضية يشهد لها أصل من أصول الدين، أو صار باعثاً وسبباً لترويج أمر ثابت في الشرع

ممانعت کی دلیل کہاں ہے؟

اس پر آپ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اگر ثبوت نہیں ملا تو ممانعت بھی تو نہیں ملی، پھر کیسے بدعت ہو گئی؟

جواب یہ ہے کہ اگر اس کی صریح ممانعت مل جائے تو وہ بدعت کہاں رہے گی؟ وہ تو سیدھا سیدھا منکر اور قرآن وسنت کی صریح خلاف ورزی کہلائے گی۔

اس لیے یاد رکھیں! کوئی بدعت نام بنام کہیں کسی حدیث میں نہیں ملے گی، اسے آپ علامات اور گزشتہ اصولوں ہی سے پہچان سکتے ہیں۔

جیسے: احادیث میں فتنوں کا ذکر ہے لیکن تمام فتنوں اور فتنہ پردازوں کے الگ الگ نام موجود نہیں ہیں۔ بس بدعت سے متعلق احادیث مبارکہ میں ہمیں اصول دے دیا گیا ہے کہ دین اور عبادت سمجھ کر جو بھی کام کیا جائے گا وہ بدعت ہو گا۔

بلکہ بدعت سے تعلق رکھنے والی احادیث کا گہرائی میں جائے بغیر صرف سرسری مطالعہ کیا جائے تو شاید آپ میں سے اکثر یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں جو کام نہیں ہوا، اسے اگر دور صحابہ مین دین سمجھ کر کیا جائے یا تابعین تبع تابعین کے زمانوں میں دین سمجھ کر کیا جائے تو وہ بھی بدعت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین پر کہ انہوں نے دین کے تمام اصولوں اور تمام دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے خیر القرون کو معیار دین قرار دیا۔

تطبیقات

اب یہ اوپر جو میں نے پانچ چیزیں بتائی ہیں اگر آپ ہر ہر بدعت کو اس کسوٹی پر پرکھیں، ان کی تطبیق کریں تو بہت سی بدعات کو پہچاننے میں آپ کو بڑی آسانی ہو جائے گی۔

محفل میلاد

آپ محفل میلاد دیکھیں، تو آپ ﷺ کی زندگی میں، خلفائے راشدین کے ادوار میں، تابعین، تبع تابعین کسی بھی زمانے میں ایسا نہیں ہوا کہ اس مخصوص طریقے سے 12 تاریخ مقرر کر کے مخصوص اس میلاد کے نام سے کوئی ایک بھی تقریب کی گئی ہو۔ نہ قولاً، نہ فعلاً، نہ صراحتاً، نہ اشارتاً کسی بھی طریقے سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

وفیہ ولدت کا جواب

اگر کوئی یہ کہے کہ آپ ﷺ ہر پیر کا روزہ اپنی ولادت کے شکرانے میں رکھتے تھے، یہ اس کی ایک اصل نکل آئی لہٰذا یہ بدعت نہیں ہوئی۔

تو جواب یہ ہے کہ یہ دلیل تو خود آپ کے گلے پڑ سکتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی ولادت کی خوشی میں پیر کے دن روزہ رکھ کر شکرانہ ادا کرے تو یہ طریقہ درست اور عین سنت کے مطابق ہو گا۔ جب آپ ﷺ نے اپنی ولادت کی خوشی منانے کا طریقہ خود ہفت واری روزہ کی صورت میں طے کر دیا تو ہم کون ہوتے ہیں جو اس سنت کی شکل بگاڑیں؟ پیر کا دن بدل کر 12 ربیع الاول کر دیں۔ ہفت واری کام

کو سالانہ کام سے بدل دیں۔ روزے کی عبادت کو بھنگڑوں اور ناچ گانے جیسی واہیات اور مخلوط جلوسوں سے بدل کر رکھ دیں، پھر طرفہ تماشا یہ کہ جو کوئی ان خامیوں پر تنقید کرے وہ گستاخ، منکر رسول، ابلیس اور خدا جانے کن کن طعنوں کا مصداق کہلائے۔

غور کریں تو سنت طریقے کو چھوڑ کر اس کے مد مقابل دوسرا طریقہ وضع کرنا ہی اصل بدعت ہے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ دنیا کے دیگر مذاہب کرسمس وغیرہ مناتے ہیں تو ہمارے پاس بھی ایک محرک آگیا کہ ہم بھی اس طرح کا کوئی اسلامی کرسمس منائیں؛ تاکہ کرسمس کا متبادل بھی مل جائے اور آپ ﷺ کی محبت میں اضافہ بھی ہو۔

تو عرض یہ ہے کہ کرسمس یا ولادت کا سالانہ دن منانا، سالگرہ منانا خود ایک من گھڑت اور لغو چیز ہے، حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بقول مولانا سید ابو الحسن علی ندوی خود عیسائی مذہب میں 400 سال بعد کرسمس کی رسم ایجاد کی گئی تھی۔ کل کو کوئی ہولی، دیوالی اور اس طرح کی دیگر لغویات جو دیگر مذاہب میں رائج ہیں، ان کی نقالی میں انہی کی طرح کی رسوم ایجاد کرنے کو دین کا تقاضا بنانے لگیں گے تو پھر ہم کہاں جائیں گے؟

دوسرا، یہ تو عیسائیت کی مشابہت اور ان کی نقل ہوگئی جس سے شریعت میں منع کیا گیا ہے۔

تیسرا، اسلام صرف عیدین کو بطور سالانہ تہوار منانے کا قائل ہے، اسی پر امت کا صدیوں سے اجماع اور تعامل رہا ہے۔ باقی کسی دن کو بطور سالانہ

اسلامی تہوار منانے کا کوئی قائل نہیں۔ تو امت کے سالہاسال کے اجماع اور تواتر کے خلاف ہم سالانہ مذہبی تہوار کے طور پر ایک ایسی چیز کو کیسے قبول کرلیں جس کے تذکرے سے اسلام کی شروع کی چھ صدیاں خالی رہیں؟ کہیں یہ تحریف فی الدین تو نہیں؟

خود آپ ﷺ کے زمانے میں عیسائی کرسمس مناتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کے طرز پر یعنی سالانہ تہوار کے طور پر اسے منانے کی ترغیب نہیں دی، بلکہ ان کی مشابہت سے منع ہی کیا۔

ہاں! یہ بات درست ہے کہ آج کے دور میں اس کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ جب دین سے دوری کے اسباب زیادہ ہوگئے ہیں تو کس طرح مسلمانوں کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی محبت زیادہ سے زیادہ پیدا کی جائے اور کس طرح رسالت مآب ﷺ سے عشق کو فروغ دیا جائے؟

لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا سال بھر میں صرف ایک بار دن منالینے سے یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے؟ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ تو زندگی بھر کا کام ہے، اس کام کو تو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالینے کی ضرورت ہے۔

پھر اس کام کا کوئی ایک مخصوص طریقہ بھی مقرر نہیں۔ دین کے مختلف شعبے ہیں۔ مسجد، مدرسہ، خانقاہ، دعوت و تبلیغ، سیاست، رفاہ عامہ۔ ہر شعبے سے وابستہ افراد اپنے اپنے شعبے میں ایسے کام کرسکتے ہیں جس سے مسلمانوں کے دلوں میں عشق قرآن، عشق رسول ﷺ اور عشق دین کے جذبات پروان چڑھتے رہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اب آہستہ آہستہ خود ان کے علما اور عوام کے اندر اس کا احساس اور شعور پیدا ہو رہا ہے کہ دین اور عشق رسول ﷺ کے نام پر کیسے کیسے دین اور سنت کے خلاف کام ہو رہے ہیں؟ من گھڑت روایات کا تذکرہ ، کان پھاڑ دینے والے اسپیکر، مرد وزن کا آزادانہ اختلاط، راستوں کی بندش، نمازوں کا ضیاع، ظاہر داری، ریاکاری، اسراف اور کیا کچھ میلاد کے نام پر ہو رہا ہے؟ اور کوئی ہلکی سی بھی تنقید کر دے تو اس کو گستاخ اور ابلیس کہنے میں ذرا تامل نہیں۔

سال 2023 کے جلوس میلاد کے حوالے سے معروف مذہبی اسکالر مولانا راغب نعیمی مدظلہم کا بیان اخبارات کی زینت بنا اور اس پر کالمز بھی لکھے گئے۔ ایسے ہی ایک کالم کے چند اقتباسات قارئین کی نذر کیے جا رہے ہیں:

"بالآخر مولانا راغب نعیمی کے صبر کا بندھن بھی ٹوٹ گیا۔ ایسے معاملات جن کے ساتھ جذبات وابستہ ہوں اور جذبات بھی دینی یا ملی، ایسے مواقع پر لوگ خاموش رہتے ہیں۔ نجی سطح پر بات کرتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بات زباں سے پھسل گئی تو اس کے بعد وعدے وعید لے لیے گئے کہ اب یہ بات دائرے سے باہر نہ جائے گی۔ وہ بڑے لوگ ہوتے ہیں جو کوئی کوتاہی دیکھتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ اس کا اعلان کرتے ہیں۔ مولانا راغب نعیمی نے اس عید میلاد النبی ﷺ پر جو کچھ دیکھا بلکہ بھگتا اس کا برملا اظہار کر کے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی مولانا محمد حسین نعیمی جیسی بلند پایہ ہستی کی جانشینی کا حق رکھتے ہیں...... عقیدت کا اظہار مطلوب و مقصود ہے لیکن جیسا مولانا راغب نعیمی صاحب نے فرمایا ہے، طوفان بد تمیزی نامقبول

اور نا قابل برداشت ہے۔ انھوں نے نشان دہی کی ہے کہ فلمی گانوں کی طرز پر نعت کا کان پھاڑ دینے والی آواز میں پڑھا جانا بھی سوہان روح ہے۔ یہ نشان دہی درست ہے۔ اس نشان دہی کا ایک روحانی پہلو بھی ہے۔ ہمارا ایمان ہے جب ہم آپ ﷺ کا ذکر خیر کرتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام بھیجتے تو وہ ان تک پہنچتا ہے اور یہ بھی کہ آپ ایسی محافل میں تشریف رکھتے ہیں۔ اگر ہمارا یہ ایمان ہے تو پھر یہ جرات ہم کیسے کر لیتے ہیں کہ ہماری آواز آپ ﷺ کے سامنے بلند ہو جائے۔ یہ عمل تو تباہی کی طرف لے جانے والا ہے۔ مولانا راغب نعیمی نے جو آواز بلند کی ہے، میرے خیال میں اسی پس منظر میں کی ہے۔" (ویب سائٹ: ہم سب، کالم نگار کا نام، ڈاکٹر فاروق عادل۔ مضمون کا نام: عید میلاد النبی ﷺ، مولانا راغب نعیمی کی پکار)

آپ ﷺ کی دنیامیں تشریف آوری اورآپ ﷺ کی ولادت باسعادت جو آج سے 1500 سال پہلے ہوئی، اس کی خوشی کس کو نہیں ہے؟ شیطان ہی ہو گا جس کو نبی کریم ﷺ کی ولادت کی خوشی نہ ہو، لیکن یہ کہ اس کا یہ مخصوص طریقہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سنت نہیں بلکہ سنت کے معارض اور دین کی روح کے منافی ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں یہ مخصوص طریقہ آخرت میں ہمارے لیے وبال جان ثابت نہ ہو، اس خوف سے ہم اس کو ترک کرنا ہی بہتر سمجھتے ہیں۔

جیسے عیدین کے دن کوئی شخص عید گاہ جلدی چلا جائے اور عید گاہ جا کر نوافل پڑھنا شروع کر دے تو کیا یہ جائز ہو گا؟ نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ آپ

ﷺ سے منقول نہیں ہے۔ تو دلیل کس چیز کو بنایا جارہا ہے، اس چیز کو نہیں کہ آپ ﷺ نے منع کیا ہے، بلکہ اس چیز کو کہ آپ ﷺ نے کبھی ایسا نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ دین اور ثواب کا کام ہونے کے لیے دلیل ضروری ہے، بغیر دلیل کے کوئی کام چاہے کتنا ہی اچھا نظر آتا ہو وہ عبادت نہیں بن سکتا۔

جیسے: وہ ولادت کی خوشی میں کوئی نمازِ عید میلاد النبی ﷺ شروع کردے اور دلیل یہ دے کہ کہیں اس کی ممانعت نہیں، تو کیا اس کا موقف درست تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ بالکل بھی نہیں۔

کس چیز میں کیا اصل ہے؟

تو ہم یہی کہتے ہیں کہ کسی بھی نئی عبادت یا کہیں کسی بھی نئے عقیدے کے لیے دلیل چاہیے۔ ہاں! اگر مباحات میں سے کوئی چیز ہو، معاملات میں سے کوئی معاملہ ہو، کھانے پینے یا استعمال کی کوئی چیز ہو، علاج معالجے کی کوئی چیز ہو، الغرض کوئی بھی نئی ایجاد یا کوئی بھی مباح چیز ہو تو وہاں پر یہ دلیل چل سکتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ نے منع نہیں کیا گیا، لیکن عبادات، عقائد اسی طرح لحمیات یعنی گوشت کے اندر بھی اصل حرمت ہے، جب تک کہ حلال ہونے کی کوئی دلیل نہ پائی جائے وہ حرام کہلائیں گے۔ اسی طرح ابضاع یعنی خواتین کی عزت و ناموس کے اندر بھی اصل حرمت ہے کہ جب تک کسی عورت سے نکاح نہ کیا جائے اس وقت تک وہ حلال نہیں ہو سکتی۔

اوقات اور کیفیات کا اپنی طرف سے تعین

ایک اور اصول بھی ہے۔ اور وہ ہے عبادت میں اپنی طرف سے کیفیات اور اوقات کا تعین کہ یہ بھی بدعت ہے۔

کیا اشیاء میں اصل اباحت ہے:

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اصل ہر چیز میں اباحت اور حلت ہے، یعنی اصل ہر چیز حلال اور جائز ہو گی جب تک شریعت نے اس کو حرام قرار نہ دیا ہو، جیسے شراب، خنزیر وغیرہ کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے لیکن نماز جنازہ کے بعد کی دعا، تیجا، چالیسواں کو شریعت میں حرام قرار نہیں دیا گیا تو اس کا کرنا جائز ہو گا۔

دلیل کے طور پر وہ آیات قرآنیہ اور احادیث پیش کی جاتی ہیں جن کے ظاہر سے یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے جس میں سے اکثر یہ آیت پیش کی جاتی ہے:هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (البقرة:29) "وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لیے پیدا کیا۔"

جواب

جواب سے پہلے بطور تمہید یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن کریم کی آیات اور احادیث کی جو تشریح صحابہ کرام اور سلف صالحین کی تشریح کے برخلاف ہو گی وہ معتبر نہیں؛ کیونکہ ہر مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے کہ صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین نے قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے

معانی کو جس درجے میں سمجھا ہے ہم نہیں سمجھ سکتے، اس لیے جو مطلب و معانی قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کی بیان کردہ تشریح کے خلاف ہوں گے اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کی کوئی اہمیت ہوگی بلکہ بعض مرتبہ یہ فعل انسان کا اس کو ایمان سے بھی خارج کر دیتا ہے۔

اس تمہید کے بعد مختصراً دو جوابات عرض کرتا ہوں:

1۔ جن آیات سے آپ نے دلیل پکڑی ہے کہ اشیاء میں اصل حلت ہے جب تک کے شریعت کی طرف سے کسی چیز کو حرام یا ناجائز قرار نہ دیا گیا ہو، تو پہلی بات یہ کہ اشیاء میں اصل حلت ہے یا حرمت یا توقف؟ اس میں علماء کے تینوں ہی اقوال ہیں، یہ اجماعی مسئلہ نہیں، البتہ جمہور علماء احناف کا مسئلہ علامہ آلوسیؒ نے یہی ذکر کیا ہے کہ اشیاء میں اصل حلت ہے۔

2۔ جن علماء کرام کے نزدیک اشیاء میں اصل حلت ہے تو جمہور فقہاء نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ یہ بات صرف معاملات کی حد تک ہے، عبادت میں یہ بات نہیں؛ کیونکہ اگر عبادات میں آپ کی بات کو تسلیم کیا جائے تو پھر ہر شخص کو نئی عبادات کے ایجاد کرنے کا حق حاصل ہو جائے گا، مثلاً: فجر میں دو کے بجائے تین رکعت پڑھے گا، ایک رکعت میں چار سجدے کرے گا؛ کیونکہ مذکورہ اصول عبادات میں بھی جاری کیا جائے گا تو ان چیزوں سے شریعت نے واضح منع نہیں کیا اس لیے ہر شخص عبادات میں زیادتی اور بدعات کا مرتکب ہوگا، اس لیے درست بات یہی ہے کہ جب تک شریعت میں کسی عبادت کا ثبوت نہ ہو اس وقت تک اس کو ثواب سمجھ کر کرنا جائز نہیں بدعت ہوگا۔

تفسير الألوسي =روح المعاني (1/217):

واستدل كثير من أهل السنة- الحنفية، والشافعية- بالآية على إباحة الأشياء النافعة قبل ورود الشرع، وعليه أكثر المعتزلة

حاشية ابن عابدين (رد المحتار) (4/161):

والصحيح من مذهب أهل السنة أن الأصل فيها الوقف حتى يرد الشرع.--الخلاف المذكور فيه إنما هو قبل ورود الشرع، وصاحب الهداية إنما أثبت الإباحة بعد ورود الشرع بمقتضى الدليل يعني أن مقتضى الدليل إباحتها. لكن ثبتت العصمة بعارض، وقد صرح بذلك في أصول البزدوي حيث قال بعد ورود الشرع الأموال على الإباحة بالإجماع ما لم يظهر دليل الحرمة؛ لأن الله تعالى أباحها بقوله - {خلق لكم ما في الأرض جميعا} [البقرة: 29]

تیسرا باب

اتحاد

اور

غلبۂ اسلام

مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان

اس وقت عالم اسلام جن دل سوز، پر آشوب، صبر آزمااور کٹھن مراحل سے گزررہاہے ہر صاحب درد ان سے آزردہ اور کبیدہ خاطر نظر آتاہے، اسلام کے قلب وجگر پر جس قدر، جس تیزی اور جس منصوبہ بندی سے حملے ہورہے ہیں تاریخ شاید اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہو۔ بزم اسلام جس قدر خارجی وداخلی فتنوں کی شکار موجودہ دور میں ہے شاید اس سے پہلے نہ ہوئی ہو۔ قبلہ اول صہیونیوں کے پنجہ استبداد میں ہے تو حرمین شریفین طاغوتی قوتوں کے نرغے میں ہیں۔ دجال کی قوم یہود وسیع ترین اسرائیل کے منصوبے کے تحت خیبر اور مدینہ پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ مسلمانوں کے اموال لٹ چکے ہیں۔ ہماری ماؤں بہنوں، بیٹیوں کی عصمتیں تار تار ہورہی ہیں۔ مشرق ومغرب میں اگر کوئی قوم اس وقت قحط، خوف، ذلت وپستی، ظلم وبربریت اور غارتگری کی شکار ہے تو وہ مذہب اسلام سے تعلق رکھنے والی قوم مسلمان ہے۔ یہ تو عالم اسلام پر بیرونی اور خارجی فتنوں کا سرسری خاکہ ہے۔

جبکہ دوسری طرف مذہبی گروہ بندیاں، فرقہ واریت، قومیت اور عصبیت کے بدبودار نعرے، الحادوزندقہ، مغرب کے افکار سے مرعوبیت، بے پردگی، فحاشی اور عریانیت کا سیلاب یہ وہ داخلی اور اندرونی فتنے ہیں جو قوم وملت کو اندر ہی اندر سے دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔

مسلم امہ پر آئے ان حالات ومصائب کے پیچھے یقینا کچھ اسباب ہیں وہ اسباب کیا ہیں؟ ہم اپنے طور پر انہیں آشکارا کرنے کی کوشش کریں گے۔

1۔ بد عملی اور ایمان سے دوری:

اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں خلافت اور زمین پر حاکمیت کی حامل قوم کی ایک بڑی صفت ایمان، اعمال صالحہ اور شرک سے بیزاری بیان فرمائی ہے۔(سورہ نور:۵۵)

اور خدا کا قانون ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

(الرعد:۱۱)

ترجمہ:"اللہ نہیں بدلتا کسی قوم کی حالت کو جب تک وہ نہ بدلیں اللہ کے ساتھ اپنی روش کو۔

ہم نے اللہ کے ساتھ اپنی روش کو بدلا تو بے ایمانی، بد عملی اور مشرکانہ رسوم نے ہم سے وہ مرتبہ، خلافت فی الارض کا واپس لے لیا۔ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ دیانت داری سے کاروبار کریں۔ ہمیں کہا گیا تھا کہ تمہارے اخلاق سب سے اعلیٰ ہونے چاہئیں۔ ہم سے عہد لیا گیا تھا کہ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو ورنہ زوال کا شکار ہو جاؤ گے۔ ہمیں ظلم، جھوٹ اور تفرقہ بازی سے منع کیا گیا تھا۔ خود احتسابی اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا پابند بنایا گیا تھا۔ لیکن ہم نے رفتہ رفتہ، دھیمے دھیمے ان سارے حکموں کو توڑ ڈالا۔ احکام الٰہیہ سے روگردانی کا روگ پورے معاشرے میں سرایت کر گیا۔ ہم نے اللہ کے حکموں کو اس بے دردی سے پامال کیا کہ منصف مزاج ناقدین بھی کہنے پر مجبور ہو گئے کہ "اسلام اچھا ہے، لیکن مسلمان اچھے نہیں۔"

2۔مذہبی گروہ بندیاں:

برطانوی سامراج کو اپنے دور حکومت میں کئی بار مسلمانوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ انگریز کو خوف لگا رہا کہ مسلمانوں نے منظم ہو کر اپنی دفاعی قوت استعمال کی تو اس کے نتائج بہت خوف ناک ہوں گے۔ انہوں نے ایک ایسا منصوبہ تشکیل دیا جس سے مسلمانوں کی دفاعی قوت ہمیشہ کیلئے کمزور سے کمزور ہو جائے اور مسلمان ہندوستان میں دوبارہ سر نہ اٹھا سکیں۔

ثبوت کے طور پر دو حوالے پیش خدمت ہیں:

1- Sir John Malcolm لکھتا ہے:

"اس قدر وسیع ملک (متحدہ ہندوستان) میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری عمل داری میں جو بڑی جماعتیں ہیں ان کی عام تقسیم ہو اور پھر ہر جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں، فرقوں اور قوموں میں ہوں۔ جب تک یہ لوگ الگ الگ بٹے رہیں گے اس وقت تک کوئی بغاوت اٹھ کر ہماری قوم کے استحکام کو متزلزل نہیں کر سکے گی۔"

2-لارڈ الفنسٹن گورنر بمبئی 14 مئی 1859 کو ایک یاداشت میں لکھتا ہے:

"نفاق ڈال کر حکومت رومیوں کا اصول تھا اور یہی اصول ہمارا بھی ہونا چاہیے۔"

چنانچہ ہندوستان میں مذہب کے نام پر کچھ نئے نعرے وجود میں آئے۔ ایک نعرہ قرآن وحدیث اور اور ترک تقلید کا وجود میں آیا۔ ایک نعرہ مہدی کے ظہور اور انکار جہاد کا وجود میں آیا ایک نعرہ قرآن کے نام پر اتحاد امت کا وجود میں آیا اور ایک نعرہ مقدس شخصیات کی گستاخی کا وجود میں آیا۔ یہ سارے نعرے "پرکشش" تھے اور اہم بات یہ کہ "نئے" بھی تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قوم جس کو سامراج اور دشمن طاقتوں کے خلاف بر سر پیکار ہونا چاہیے تھا وہ آپس میں دست و گریباں ہو گئی۔ ہزار دلائل دینے اور بار بار کی وضاحتوں کے باوجود کوئی اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہوا۔ کاش! یہ غلط فہمیاں اسی وقت دور ہو جاتیں! کاش! دشمن کے خفیہ وار اور اس کے برے نتائج کا بروقت اندازہ ہو جاتا تو آج ہمیں یہ دن دیکھنے کو نہ ملتے۔

3- مغربی افکار سے مرعوبیت:

مالداری، ٹھاٹھ باٹھ، حسن و خوبصورتی، تہذیب و اخلاق، تعلیم و ترقی، طاقت و اقتدار، عہدہ و منصب یہ سب وہ چیزیں جو لوگوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ شکست خوردہ مسلمانوں نے جب یہ چیزیں مغربی قوموں میں دیکھیں تو کچھ نادان ان سے بہت زیادہ متاثر ہو گئے وہ ان جیسا لباس اور ان کی تہذیب و ثقافت اپنانے کو اپنی شکست کا بدلہ اور گویا اپنے زخموں کا مرہم سمجھنے لگے۔ وہ مغربی اقوام سے اس قدر مرعوب ہو گئے کہ ان کی غلط صحیح ہر فکر و نظر اور ہر قول و فعل کو قبول کرتے چلے گئے۔

اب ہوا یہ کہ مذہبی مسلمان تو فرقوں میں تقسیم ہو ہی گئے تھے۔ دنیادار مسلمان بھی اسلامی نظریات سے کنارہ کش ہو کر مغرب کے گن گیت گانے لگے۔ یوں مسلمان، مسلمان ہوتے ہوئے بھی اسلام کے سپاہی نہ رہے۔ وہ غیر شعوری طور پر دشمنوں کے آلہ کار بنتے چلے گئے۔ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ مسلمانوں کو جب آزادی ملی تو وہ آزادی صرف جسموں کی آزادی ثابت ہوئی ذہن اور دل و دماغ غلام کے غلام ہی رہے۔

4- فکر و نظر میں جمود:

ہر عروج کو زوال ہے۔ چڑھتا سورج، ڈھلتے ڈھلتے، غروب ہو جاتا ہے۔ اٹھتی جوانی آہستہ آہستہ بڑھاپے کی گزرگاہوں سے ہو کر موت اور فنا کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہی حال قوموں کے عروج و زوال کا بھی ہے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کے اندر علمی انحطاط اور فکری جمود خطرناک حد تک سرایت کر گیا۔ وہ قوم جو علوم و فنون کی امام اور دنیا کی سب سے ترقی یافتہ قوم کہلائی جاتی تھی مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے اسے آہستہ آہستہ علمی زوال سے دوچار کر دیا گیا۔ مغربی اقوام سائنسی اور علمی ترقی میں آگے بڑھ گئیں اور خود مغرب نے جن سے یہ علوم حاصل کیے تھے وہ صدیوں پیچھے رہ گئے۔

5- قومیت اور عصبیت کا نعرہ:

اسلام، قومیت اور لسانیت کے نعروں کا سخت مخالف رہا ہے۔ انسانوں میں زبانوں کے فرق کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک نعمت اور اپنی قدرت کا ایک کرشمہ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے جو چیز اللہ کی نعمت ہو وہ زحمت اور نفرت کا باعث

نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح قوم قبیلے اور نسلی امتیازات کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں صرف ایک دوسرے کی پہچان اور تعارف کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ عزت و ذلت کا باعث ہر گز نہیں۔ خطبہ حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ نے دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمایا: "میری بات دھیان اور غور سے سنو! کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، اسی طرح کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت اور فوقیت کا معیار صرف اور صرف دین اور تقویٰ ہے اور کچھ نہیں۔"

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

"مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، سوائے تقویٰ کے۔"

ایک موقع پر ایک انصاری اور ایک مہاجر کے درمیان کچھ تلخی ہوئی۔ انصاری نے کہا یاللانصار اور مہاجر نے کہا یاللمہاجرین۔ نبی اکرم ﷺ نے جب اس طرح قومیت کے نعرے سنے تو فرمایا:

"ایسے نعروں سے دور رہو! یہ بدبودار نعرے ہیں۔"

نہایت افسوس کا مقام ہے! مسلمان پہلے ہی نظریاتی تفریق کا شکار تھے کہ ایسے میں تقسیم در تقسیم کا فارمولا اپناتے ہوئے قومیت، لسانیت اور سیاست کے نام سے مزید مسلمانوں کو علیحدہ اور تنہا کیا جارہا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ (226) سیاسی تنظیمیں پاکستان میں پائی جاتی ہیں۔ سب سے زیادہ زبانوں کے جھگڑے ملک پاکستان میں ہوتے ہیں یہ سب چیزیں ہمیں لڑانے اور ہمیں مزید

کمزور کرنے کے لیے ہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ خواب خرگوش کے مزے لوٹنے میں مصروف ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے قیام پاکستان سے پہلے پیشین گوئی کر دی تھی کہ اگر پاکستان معرض وجود میں آیا تو پچیس سالوں کے اندر وہ دو ٹکڑے ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ بھانپ چکے تھے کہ مختلف زبانوں پر مشتمل یہ ملک زیادہ عرصہ اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکے گا۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قومیت اور عصبیت کے نعروں کا کس قدر گہرا اثر ہم مسلمانوں میں سرایت کر چکا ہے!

6-کافر قوموں پر حد سے زیادہ اعتماد:

مسلم حکومتوں بالخصوص سلطنت مغلیہ کے زوال کا ایک سبب مغل بادشاہوں کا انگریزوں اور غیر مسلم اقوام پر حد سے زیادہ اعتماد بھی ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے واضح اور دو ٹوک الفاظ میں مسلمانوں کے خلاف کافر قوموں میں پائے جانے والے جذبات کی منظر کشی یوں کی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (آل عمران: ۱۱۸)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے سے باہر کے کسی شخص کو رازدار نہ بناؤ! یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ان کی دلی

خواہش ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ عداوت ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے پتے کی باتیں تمہیں کھول کھول کر بتادی ہیں، بشرطیکہ تم سمجھ سے کام لو!"

اسی طرح ارشاد ہے:

هَاأَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ (آل عمران: آیت ۱۱۹)

ترجمہ: "دیکھو! تم تو ایسے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے..."

ان واضح احکامات کے باوجود مسلمان حکمران، اغیار سے دوستی اور رازداری کا بھرم بھرتے رہے۔ انہیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا۔ انہیں تجارتی منصوبوں کی کھلی چھوٹ دی گئی۔ ان کے ٹیکس معاف کیے گئے اور درپردہ جاری ان کی سازشوں اور مکروفریب سے چشم پوشی کی جاتی رہی۔

دیکھا جائے تو عالم اسلام کا منظر نامہ اب بھی ویسا کا ویسا ہی ہے۔ امداد اور تعلیم کی آڑ میں مسلمانوں کو بے دین اور مرتد بنانے کے منصوبے بے نقاب ہو رہے ہیں۔ سفارت اور تجارت کی آڑ میں دہشت گردی کے خفیہ وار ترتیب دیے جا رہے ہیں۔ ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں میں ہتھیاروں کی ترسیل، حکومتوں کو بنانے اور بگاڑنے، اتحاد کی کوششوں کو ناکارہ بنانے اور ملک بھر میں جاسوسی کا جال بچھانے تک یہ تمام ہتھکنڈے ہماری ناک کے نیچے آزمائے جا رہے ہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ ان سے دوستی کا راگ الاپتے ہوئے تھکتے نہیں۔ ہمارا ان پر اعتماد مجروح نہیں ہوتا اور ہم پہلے سے زیادہ گرم جوشی کے ساتھ ان سے تعاون کا ہاتھ ملانے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔

7-خانہ جنگیاں:

تاریخ کے نشیب و فراز سے ہمیں آگاہی ملتی ہے کہ کسی قوم میں علوم و فنون اس وقت ترقی پاتے ہیں جب وہ امن وعافیت کی زندگی بسر کرتی ہے۔

اسلامی دور خلافت کو ہی دیکھ لیا جائے۔جب مسلمان فوجیں مسلسل فتوحات کی جانب گامزن تھیں اور خلافت ایک مضبوط، پرامن اور مستحکم پوزیشن میں آگئی تھی تو یہی وہ دور تھا جب حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، سائنس اور دیگر تمام قدیم و جدید علوم و فنون میں مسلمانوں نے فتوحات کے جھنڈے گاڑے۔ علم و تحقیق کے دروازے وا ہوئے اور مسلمان دنیا کی سب سے متمدن اور مہذب قوم کہلائی۔ اس کے برعکس جب بھی مسلمانوں کی آپس میں خانہ جنگیاں ہوئیں یا بیرونی قوتیں اسلامی سرحدات پر حملہ آور ہوئیں، ہمیشہ مسلمانوں کے علمی ورثے کو گہرا نقصان پہنچا۔ علم و فن کی ترقی میں رکاوٹ اور ایک خلا سا پیدا ہو گیا۔ موجودہ دور میں امریکہ اور یورپین ممالک عرصہ دراز سے امن وسکون اور چین کی زندگی گزار رہے ہیں یہی ان کی ترقی کا بڑا راز بھی ہے۔ ورنہ جو قومیں جنگوں کے چنگل میں پھنس جاتی ہیں وہ بھوک، افلاس اور جان و مال کے خوف میں مبتلا رہتیں اور اپنی بقا کی فکر میں تمام سرگرمیوں سے کٹ کر رہ جاتی ہیں۔

اسے اقتدار کی لالچ کہیے یا حقوق کی جنگ! اپنوں کی نادانی کہیے یا غیروں کی ستم ظریفی! بدقسمتی سے آج جہاں جہاں جنگوں کے نقشے ہیں وہ سب ہم مسلمانوں کے خلاف ہی سجائے گئے ہیں۔ ہر جگہ مسلمانوں کا ہی خون بہہ رہا

ہے۔ ہر جگہ مسلمان عورتیں ہی نوحہ کناں ہیں۔ بھوک اور قحط کا شکار اور روٹی کے انتظار میں مرنے والے بچے مسلمان کے ہی ہیں۔ قید خانوں میں سب سے زیادہ مسلمان ہی صعوبتوں میں گرفتار ہیں۔ معیشت، دفاع، علم و ترقی غرض امن و استحکام اور خوش حالی کا ہر موقع مسلمانوں سے جان بوجھ کر چھینا جارہا ہے۔ مسلمانوں کے اوپر ہر وقت جنگ کا خوف مسلط کیا جارہا ہے تاکہ مسلمان کسی بھی میدان میں آگے نہ بڑھ سکیں اور وہ ہمیشہ پسماندہ، ناخواندہ اور غیر ترقی یافتہ قوم کی حیثیت سے دنیا میں محکوم اور مغلوب بن کر غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور رہیں۔

یہ ہیں چند وہ اسباب، جن کے مدوجزر پر مسلم امہ کی عروج و زوال کی تاریخ وابستہ ہے۔ اپنی گمشدہ متاع کے حصول کے لیے ہمارے لیے چند اقدامات ناگزیر ہیں:

چند ناگزیر اقدامات

رجوع الی القرآن اور اتحاد کی ضرورت

شیخ الہند مولانا محمود الحسن گنگوہیؒ کو انگریز سامراج کے خلاف جدوجہد آزادی کی کوششیں کرنے والوں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کو جب ان کے جرم حق کی پاداش میں مالٹا کی سلاخوں کی نذر کیا گیا تو کال کوٹھڑی کی تنہائیوں میں انہوں نے مسلمانوں کے زوال کے اسباب پر غور کرنا شروع کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کے موجودہ زوال کے دو بڑے اسباب ہیں:

1۔ قرآن سے دوری

2۔ مسلمانوں کے آپس کے اختلافات و تنازعات

شیخ الہندؒ ڈھائی سال مالٹا میں قید رہے۔ ڈھائی سال بعد جب رہائی ملی تو انہوں نے اپنے مریدین اور جانثار ساتھیوں کو انہیں دو باتوں کی تلقین کی کہ مسلمانوں کو قرآن کریم کی طرف واپس لایا جائے۔ قرآنی تعلیمات لوگوں کے دلوں میں راسخ کی جائیں اور آپس کے اختلافات و تنازعات کو دور کرنے کی کوششیں تیز سے تیز کر دی جائیں۔

شیخ الہندؒ نے اس سلسلے کا آغاز کرتے ہوئے خود بھی قرآن کریم کا مکمل ترجمہ اور شروع کے چار پاروں کی مختصر تفسیر بھی لکھی۔ لیکن یہ وقت آپ کے ضعف اور آخری عمر کا تھا۔ زندگی نے ساتھ نہ دیا اور آپ وفات پا گئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے نظریے اور سوچ کو آپ کے شاگردوں نے پروان چڑھایا۔ درس قرآن کے حلقے مختلف علاقوں میں قائم کیے گئے اور قرآن کریم کی کئی تفاسیر آپ کے شاگردوں نے لکھی۔

آئندہ سطور میں ہماری گفتگو انہی دو نکات پر مرکوز رہے گی۔

قرآن مجید کی تاثیر:

درحقیقت قرآن ایک ایسا پر اثر کلام ہے جو دلوں کا تزکیہ کرتا ہے۔ بندے کا رشتہ مخلوق اور اسباب سے کاٹ کر اللہ تعالیٰ سے جوڑتا ہے۔ خدا ترسی اور فکر آخرت پیدا کرتا ہے۔ شرکیہ رسوم و رواج اور فاسد عقائد و نظریات کی اصلاح کرتا ہے۔ بلند اخلاق اور نیک اعمال و اطوار پر ابھارتا ہے۔ اس کے علاوہ دین کے مختلف النوع احکام کی بنیادوں، دین کے اصل مقاصد اور قوانین الہیہ سے پردہ بھی اٹھاتا ہے۔

مسلمان جب کلام الٰہی سے براہ راست آگاہ ہوتا ہے تو نتیجتاً اس کے علوم اس کے دل میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہ پکا موحد بن جاتا ہے۔ شرکیہ اعمال و رسوم سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ احساس زیاں، ایمانی غیرت، اور خدا خوفی کی صفات اس کے دل میں جڑ پکڑ جاتی ہیں۔ وہ ایک ہمدرد، با اخلاق اور مہذب شخصیت کا روپ پیش کرتا ہے اور افتراق و انتشار اور فرقہ وارانہ سوچ کو مسلمان قبیلے کے لیے زہر قاتل سمجھتا ہے۔

قرآن فہمی کے نتائج:

قرآنی علوم سے واقف کار مسلمان کبھی مشرکانہ اور جاہلانہ خیالات کا شکار نہیں ہو گا۔ وہ ایک کٹر مسلمان ہونے کے ناطے کبھی دوسرا مذہب اختیار نہیں کرے گا۔ ایمانی غیرت و حمیت کے باعث کبھی دشمنوں کا آلہ کار نہیں بنے گا۔ بلکہ جذبہ جہاد حاصل ہونے کی وجہ سے دشمن کے لیے سخت حریف ثابت ہو گا۔ ہمدردی، ایثار اور اعلیٰ اخلاقی صفات کا حامل ہونے کی وجہ سے جہاں وہ غیر مسلموں کو متاثر کر سکے گا وہاں خود مسلم سوسائٹی کے لیے بھی وہ ایک درد دل رکھنے والا، مفید اور فعال فرد ثابت ہو گا۔ قرآن فہمی کے عام اور شائع ہونے سے ایسے لوگوں میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور ایک وقت آئے گا جب مسلمانوں کو منظم و مہذب معاشرہ کے ساتھ ساتھ، باغیرت، بہادر اور متاثر کن افراد پر مشتمل ایک اعلیٰ عسکری اور فوجی قوت بھی حاصل ہو جائے گی۔

محنت کی ضرورت:

لیکن ذرا ٹھہریے! آپ سوچ رہے ہوں گے کہ درس قرآن اور قرآن فہمی کی اس تحریک سے یہ نتائج حاصل کرنا دشوار عمل ہے۔ یقین جانیے یہ نتائج حاصل کرنا اتنا دشوار نہیں جتنا ہم سمجھ رہے ہیں۔ بس مدرسین کو تھوڑی محنت کی ضرورت ہے ظاہر ہے قرآن کریم کی طرف رجوع سے یہ تمام نتائج و مقاصد اسی وقت کماحقہ حاصل کیے جاسکتے ہیں جب قرآن کریم کا درس دینے اور اشاعت دین کا جذبہ رکھنے والے خود قرآن کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔ انھیں قرآن کریم کا فہم حاصل ہو۔ قرآن مجید کے علوم و معارف نے جنہیں متاثر کیا ہو۔ جو خود غیرت ایمانی اور دینی حمیت کے جذبے سے سرشار ہوں اور اعلیٰ اخلاقی اقدار ان کے رگ و پے میں رچ بس گئے ہوں؛ کیونکہ تفہیم وہی کراسکتا ہے جسے خود فہم حاصل ہو۔ تاثیر وہی پیدا کر سکتا ہے جو خود متاثر ہوا ہو اور خود احتسابی، دردِ دل اور احساس ذمہ داری وہی پیدا کر سکتا ہے جو خود بھی جگر میں مسلمانوں کا غم اور کڑھن لیے پھرتا ہو۔

سیرت سے مثال:

ذرا سیرت نبوی ﷺ پر ایک نظر ڈالیے! حضور نبی معصوم ﷺ نے عرب کے جاہلانہ اور فرسودہ نظام کو قرآن کریم کی تعلیمات سے ہی شکست و ریخت سے دوچار کیا تھا۔ قرآن کے نظام اور قرآنی تعلیمات کو مشعل راہ بنا کر ہی حضور ﷺ نے صحابہ کرام کے دلوں کا تزکیہ کیا، ان میں باہمی اتفاق واتحاد پیدا کیا اور مسلم معاشرے کو دنیا کے سب سے مثالی اور آئیڈیل معاشرے میں

تبدیل کر دیا۔ پھر کیا ہوا؟ ساری دنیا جانتی ہے کہ ان اعلیٰ اقدار سے موصوف ہونے کے بعد ہی صحابہ کرام نے اگلے مرحلے میں نصف سے زائد کرہ ارض پر فتوحات کے جھنڈے گاڑے اور آئندہ کے لیے یہی نظام فتوحات مسلسل کا سبب اور باعث قرار پایا۔

شائقین تفسیر کے لیے ایک گراں قدر تحفہ

گلدستہ قرآن

کاوش: محمد انس عبدالرحیم

- تفسیر قرآن کی اہم مباحث
- سورتوں کی وجہ تسمیہ
- سورتوں کا مرکزی موضوع
- خلاصہ قرآن
- عقائد واحکام قرآن
- سائنسی انکشافات
- قرآنی دعائیں
- سورتوں کے اعداد وشمار
- شخصیات قرآن
- آیات وسورتوں کے فضائل

اس کے تمام دروس یوٹیوب چینل پر موجود ہیں

قیمت:- 1200/
رمضان آفر:- 500/

رابطہ نمبر:
03152145846
برائے مستورات:
03450203975

نفرتوں کا خاتمہ کیسے؟ چند ممکنہ تدابیر

مفتی محمد شفیع صاحب ؒ کے نام سے کون واقف نہیں؟ قیام پاکستان میں ان کی تحریر و تقریر کا بڑا گہرا کردار اور اثر رہا۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خصوصی شاگردوں اور خلفاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانیؒ اور دور حاضر کی نابغۂ روزگار شخصیت مفتی محمد تقی عثمانی کے والد ماجد ہیں۔ ان کے حوالے سے حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب نے ایک بہت پیاری بات نقل کی کہ آج کے دور میں جب اتحاد و اتفاق کی باتیں کی جاتی ہیں تو ہر کوئی اس کا حامی اور اس سے متفق نظر آتا ہے۔ لیکن جب اتحاد کی راہ معلوم کی جاتی ہے تو تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے:

> ”میں جو کہہ رہا ہوں وہ صحیح کہہ رہا ہوں، میری بات سب مان لیں، اتحاد ہو جائے گا۔“

یعنی ہر کوئی خود رائی اور خود پسندی میں مبتلا ہے۔ وہ دوسروں کو اپنی سوچ اور نظریے کا پابند بنانا چاہتا ہے۔ حالانکہ اگر بات اتنی سیدھی سادھی اور آسان ہوتی تو یہ جھگڑے ہوتے ہی نہیں یہ نہ تو مسئلہ کا حل ہے، نہ ہی اس سے اتحاد ممکن ہے!

مثالی اتحاد کی صورت:

اگر مسلمان واقعی آپس کے اندر اتحاد و اتفاق اور مثالی وحدت چاہتے ہیں تو ہمیں قرآن کریم اور سیرت پاک ﷺ سے روشنی حاصل کرتے ہوئے

انہیں خطوط پر چلنا ہو گا جن پر چلتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ریاستِ مدینہ کی تشکیل فرمائی۔ اس کے لیے:

☆... سب سے پہلے ہمیں اپنے نظریے کو متحد کرنا ہو گا۔ ہمارا نظریہ صرف اور صرف اسلام ہونا چاہیے۔ ہماری تمام تر محنتوں اور کوششوں کا محور اسلام کی تعلیم و تبلیغ اور اشاعت دین ہونا چاہیے! توحید و رسالت اور قیامت یہ ہمارے مشترکہ اور متفقہ اصول ہونے چاہئیں! نظریے کے اتحاد کے لیے ہمیں اپنے تمام تر سیاسی اور فرقہ وارانہ نعروں کی یکسر نفی کرنا ہو گی۔ پوری دنیا کے مسلمان صرف اور صرف مذہب کے نام پر متحد ہو سکتے ہیں، اس کے علاوہ اور کسی بھی جھنڈے تلے متحد نہیں ہو سکتے۔ مذہب مسلمانوں کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ مذہب اور مسلمان میں تفریق کسی بھی طریقے سے ممکن نہیں۔ جو کوئی مسلمانوں کو مذہب سے کاٹ کر دوسری راہوں کی طرف بلا رہے ہیں وہ مسلمانوں کی فطرت اور مزاج کے خلاف ایک بے کار اور لایعنی کام کر رہے ہیں۔ اقبال مرحوم نے فرمایا تھا:

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، ہم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

☆... دوسرا مسلمانوں کو ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ اپنی رائے کو قربان کرنا ہو گا، اپنے اختلافات کو ایک عظیم مقصد کی خاطر پس پشت ڈالنا ہو گا۔ لسانیت، قومیت اور پارٹی بندی کے نعروں کو بھلا کر صرف ایک متحدہ نظریے اور ایک بلند مقصد کی خاطر سب کو ایک کشتی کا سوار بننا ہو گا۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"باہمی اتحاد اور صلح جوئی کے لیے جو شخص جھگڑے اور جنگ و جدال کو چھوڑ دے۔ وہ حق پر ہو پھر بھی ان باتوں کو نظر انداز کرنے پر تیار ہو جائے تو قیامت میں اللہ اسے جنت کے وسط میں عالی شان محل عطا فرمائیں گے۔"

☆... تیسرا یہ کہ آزادی کے کھوکھلے نعرے کو چھوڑ کر قرآن و سنت کی غلامی کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنانا ہو گا۔ آزادی کی دعویدار اقوام خود بھی کسی نہ کسی نظریے کی غلام ہوتی ہیں جو خود انسانوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ اسلام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزادی دلانا چاہتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ انسان کو انسانوں کا نہیں بلکہ اپنے مالک اور خالق حقیقی کا غلام ہونا چاہیے! جب وہ اس کا غلام بن جاتا ہے تو وہ سب کو اپنے غلام کا تابع دار بنا دیتا ہے۔

سب ہی ذمہ دار ہیں:

یہ مسلمانوں کے اتحاد کی ممکنہ مثالی صورت ہے۔ جس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے چند ایک نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کو باہم مل جل کر محنت کرنا ہو گی۔ عام مسلم فرد سے لے کر حکومت، عدلیہ، مقننہ، فوج، علماء اور میڈیا غرض سب کی ذمہ داریاں ہیں۔ یہاں سب ہی ذمہ دار ہیں اور سب ہی سے پوچھ بھی ہو گی۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

الا وکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ.

(مشکوۃ)

ترجمہ: "سنو! تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھ ہو گی۔"

اور فرمایا:

من لم یھتم بامور المسلمین فلیس منّا (مشکوٰۃ)

ترجمہ: جو مسلمانوں کی پریشانیوں اور مشکلات کا خیال اور فکر نہ رکھے وہ مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں۔

اسلامی حکومتوں کے فرائض:

اس ضمن میں سب سے بڑی ذمہ داری حکومتوں کی ہے۔ حکومت یعنی انتظامیہ کے پاس اختیارات زیادہ ہوتے ہیں اس لیے ان کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں۔

عوامی بیداری مہم:

حکومتوں کا کردار اس لیے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ عموماً جیسا نظریہ اور شعور حکمرانوں میں ہوتا ہے عوام اور ماتحتوں میں بھی ویسا ہی نظریہ اور سوچ اور ایسی ہی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

الناس علی دین ملوکھم" (مشکوٰۃ)

ترجمہ: عوام الناس اپنے حکمرانوں کے نظریات کے تابع ہوتے ہیں۔

اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اگر حکومتیں مخلصانہ طور پر افتراق و انتشار کے بدبودار ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہیں تو عوام اور ماتحتوں میں شعور اور بیداری پیدا نہ ہو اور در حقیقت اصل چیز شعور اور بیداری پیدا ہونا ہے۔ اگر قوم میں شعور اور بیداری پیدا ہو گئی کہ روڈ بلاک کرنے کا اسلام میں کوئی تصور نہیں، مذہبی جلوسوں کا دین میں کوئی ثبوت نہیں، اسلام میں فرقہ واریت کی کوئی حقیقت نہیں... اور ان کے نقصانات گنوائے جائیں تو بہت سے فتنے صرف شعور کی بیداری سے ہی ختم ہو جائیں گے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام تر وسائل کو استعمال کرتے ہوئے عوام کے اندر ایک شعور بیدار کرے! چاہے وہ میڈیا کے ذریعے سے ہو، باہمی مکالمات کے ذریعے ہو، تمام فرقوں کے علماء کے لیے مل بیٹھنے کے مواقع فراہم کرنے کے ذریعے سے ہو یا نظام تعلیم میں وحدت کے ذریعے !!! یہ تمام ہی چیزیں عوامی بیداری کے لیے ضروری ہیں۔

متنازعہ مواد پر پابندی:

فرقہ واریت کو فروغ دینے والے تمام مواد اور لٹریچر بالخصوص ایک صدی پہلے کے تمام اختلافی مواد پر پابندی عائد کر دی جائے کیونکہ ایک صدی قبل تک ایسے کوئی اختلافات نہ تھے جو آج ہم مسلمانوں میں سرایت کر چکے ہیں۔ انتظامی قوانین کا فائدہ ہم سمجھتے ہیں کہ کچھ نہیں ہوتا حالانکہ ایسی بات نہیں، انتظامی پابندیوں سے بہت بڑا فرق پڑتا ہے۔ جو چیز پہلے سرعام ہو رہی ہے

اور ہر ایک کے دسترس میں ہوتی ہے پابندی کے بعد عوام کے لیے اس تک رسائی بہت مشکل ہو جاتی اور اس کے کام کی رفتار میں کافی سستی آجاتی ہے۔

فرقوں کی تنظیموں پر پابندی:

تمام فرقوں کی تنظیموں پر قانونی پابندی عائد کر دی جائے۔ چاہے وہ کوئی سا بھی فرقہ ہو۔ یہی عدل و انصاف، غیر جانبداری اور مساوات کا تقاضا بھی ہے۔ قادیانیوں کو بالکل تبلیغی سرگرمیوں کی اجازت نہیں ہونی چاہیے اور دوسری تمام تنظیموں کے جلسے جلوسوں، جھنڈے بازیوں اور ترانوں پر پابندی عائد کر دی جائے یا پھر اس کے لیے پارک اور میدان مخصوص کر دیے جائیں۔

یکساں حقوق دیے جائیں:

بعض اہل دانش نے ماتم اور مذہبی جلسے جلوسوں کو عبادت خانوں تک محدود کرنے کی بھی تجویز دی ہے لیکن فی الوقت موجودہ زمینی حقائق کی رو سے ایسی کسی پابندی سے فرقہ واریت میں اضافے اور مغربی ممالک میں غلط امیج پھیلنے کا خطرہ ہے اس کی بجائے ضرورت یہ محسوس ہوتی ہے کہ جب ایک فرقے کو جلوس نکالنے اور جلسے کرنے کی اجازت ہے تو دوسرے فرقے کو بھی جلسے جلوس کی یکساں اجازت دی جائے۔ مثلاً محرم میں تعزیہ داری اور ماتمی جلوس ہوتے ہیں تو دوسرے فرقے کے لوگ صحابہ کرام کے احترام اور عقیدت میں مجالس منعقد کریں تاکہ کسی ایک فرقہ کی اجارہ داری قائم نہ ہو بلکہ دونوں کو یکساں حقوق ملیں۔

حساس امور پر فوری اقدامات:

کچھ چیزیں ایسی نازک اور حساس ہوتی ہیں جن سے فرقہ واریت میں اچانک تیزی آجاتی ہے۔ مثلاً: مساجد پر قبضہ، مدارس پر حملہ، علمائے کرام اور طلبہ کا قتل، صحابہ کرام اور مقدس شخصیات کی گستاخی۔ ایسی تمام چیزوں کے حوالے سے فوری طور پر سخت تعزیری قوانین جاری کیے جائیں! حکومتوں کو سمجھنا چاہیے کہ جرم چاہے کوئی سا بھی ہو اسے سزا کے خوف سے ہی روکا جاسکتا ہے۔ اور مجرموں کو سزا کا خوف موجودہ صورت حال میں عنقاء ہے۔ اگر حکومت کسی دباؤ میں آئے بغیر مجرموں کو سزا جاری کرنا شروع کردے تو اسی فیصد مسائل یوں ہی حل ہو جائیں گے۔

نئے روٹ کا تعین:

جب تک قوم میں جلسے جلوسوں کے حوالے سے شعور بیدار نہیں ہو جاتا اس وقت تک مذہبی جلسے جلوسوں کے راستوں کا ازسرنو تعین کیا جائے۔ اگر کچھ لوگ سڑکوں پر جلوس نکالنا ضروری ہی سمجھتے ہیں تو وہ ضابطۂ اخلاق کی پابندی بھی کریں، مثلاً: اپنے ہمدرد سمجھے جانے والے علاقوں میں مذہبی جلوس نکالیں۔ دوسرے فرقوں کی مساجد، مدارس اور اکثریتی علاقوں میں ایسی اختلافی باتیں نہ کریں۔ گزشتہ سالوں میں ان جلوسوں کی وجہ سے کئی افسوس ناک واقعات پیش آنے کے باوجود اس پہلو کو نظر انداز کر دیا گیا اور گزرگاہوں کی ازسرنو تعیین نہیں کی گئی۔ نئے روٹ کا جہاں ایک فائدہ یہ ظاہر ہو گا کہ اشتعال انگیزی نہ

ہو گی وہاں یہ فائدہ بھی ہو گا کہ لڑانے والی قوت کی طرف سے جلاؤ گھیراؤ اور اس جیسے بڑی جانی ومالی نقصان سے حفاظت بھی ہو جائے گی۔

بیرونی طاقتوں کو شٹ اپ کال:

معتبر ذرائع کا یہ بھی کہنا ہے کہ چند ممالک ہیں جو مذہبی دہشت گردی کو اپنے مخصوص مفادات کی وجہ سے ہوا دیتے ہیں ان ممالک میں مسلم ممالک بھی شامل ہیں اور غیر مسلم طاقتیں بھی۔ ان سب کو شٹ اپ کال دینا ضروری ہے۔ ان کے نیٹ ورک کو توڑنا بھی ضروری ہے اور ان کے لیے کام کرنے والوں کو ثبوتوں سمیت عوام کے سامنے پیش کرنا بھی ضروری ہے۔

اسلام دشمنی کے واضح ثبوت:

ہمارے بہت سے دوست اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ مغرب کی دشمنی کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی خدمت میں چند نکات پیش کیے جاتے ہیں جن سے ممکن ہے ان کی سوچوں میں کچھ کشمکش اور ہلچل پیدا ہو۔

1۔ برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے قبل اہم عہدوں پر مسلمان فائز تھے۔ انگریزوں نے اول تو برصغیر پر غاصبانہ قبضہ کیا، برصغیر کی تمام مال و دولت کو برطانیہ منتقل کیا اور پھر سرکاری زبان بھی تبدیل کر دی۔ ان سب باتوں کا نقصان کس کو پہنچا؟

2۔ برصغیر میں نظام تعلیم کے اندر وحدت تھی۔ تمام تعلیمی اداروں میں یکساں نظام تعلیم تھا۔ جس کی وجہ سے لوگوں کی سوچوں اور نظریات میں بھی باہم یکسانیت تھی۔ نظام تعلیم کی وحدت کو انگریزوں نے ختم کیا۔ پہلے تعلیمی

اداروں میں دینی اور عصری دونوں علوم ہوا کرتے تھے۔ انگریزوں نے دینی تعلیم کو بالکل نظام تعلیم سے بے دخل کر دیا۔ جس کا نقصان مسلمانوں کو نظریات کے تصادم کی صورت میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔

3۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے مسلمانوں میں صرف دو فرقے ہوا کرتے تھے۔ سوچنے کی بات ہے کہ انگریزوں کے دور حکومت میں کئی فرقے کیسے وجود میں آگئے؟

4۔ برصغیر پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال حکومت کی۔ اس پورے عرصے میں کبھی شیعہ سنی فسادات نہیں ہوتے۔ برصغیر میں سب سے پہلے شیعہ سنی فسادات ۱۹۰۵ء عیسوی میں انگریزوں کے دور حکومت میں ایک سازش کے تحت کرائے گئے۔ صدام حسین نے عراق پر ۲۴ سال حکومت کی۔ عراق میں اکثریت شیعہ کمیونٹی کی ہے لیکن اس عرصہ حکومت میں کبھی شیعہ سنی فسادات نہیں ہوئے۔ امریکہ کی آمد کے بعد شیعہ سنی فسادات کیسے پھوٹ پڑے؟ پاکستان میں بھی مذہبی مقامات پر بم دھماکوں میں بلیک واٹر اور دوسرے غیر ملکی ہاتھ بے نقاب ہوئے۔ ان تنظیموں کے پیچھے خفیہ ہاتھ کن مغربی ملکوں کا ہے؟

5۔ برصغیر پر مسلمانوں کے ہزار سالہ دور حکومت میں کبھی مسلم ہندو فسادات نہیں ہوئے۔ تقسیم ہند کے وقت یہ فسادات کس کے اشاروں پر پھوٹ پڑے، ایسے فسادات کہ پندرہ لاکھ لوگوں کو اپنی قیمتی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

6۔ برصغیر کی منصفانہ تقسیم کی بجائے ''کٹا پھٹا'' بنایا گیا۔ ماؤنٹ بیٹن اور ریڈ کلف نے جان بوجھ کر برصغیر کی منصفانہ تقسیم سے گریز کیا کیوں؟

7۔ مغربی تعلیم یافتہ مذہبی اسکالرز جن کے کام کا حجم ایک دینی مدرسہ سے زیادہ نہیں لیکن پھر بھی ان کے کاموں کا پھیلاوا اس قدر کون کروارہا ہے؟ ان کی فنڈنگ کون کررہا ہے؟ اور ہر طرح کے وسائل سے کون انہیں مسلح کررہا ہے؟ صرف اس لیے کہ مسلمانوں میں مزید انتشار پھیلے اور مسلمان اور زیادہ فرقہ واریت کا شکار ہو کر مزید ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائیں!!!

سچ تو یہ ہے کہ جب قرآن کریم نے اٹل انداز میں کہہ دیا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہوسکتے تو پھر مسلمان اور مسلمان حکومتوں کو اس کے بعد کس چیز پر یقین آئے گا؟

میڈیا سے چند گزارشات

تحریر و تقریر، ماضی اور حال:

لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے حوالے سے انسان اگر اپنے ماضی اور حال کا موازنہ کرے تو اسے نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ گزشتہ زمانوں میں اس مقصد کے لیے صرف خطاب و تقریر اور خطوط کی سہولتیں میسر تھیں۔ جبکہ موجودہ دور میں یہ دونوں چیزیں چلے ہوئے کارتوس، سست رفتار اور ابلاغ کے تھکے ہوئے ذرائع قرار دیدیے گئے ہیں۔ ان کے مقابلے میں موبائل، انٹرنیٹ اور میڈیا، پیغام رسانی کے نہایت تیز رفتار ذرائع شمار کیے جاتے ہیں۔ غور کیا جائے تو یہ جدید ذرائع ابلاغ تحریر و تقریر ہی کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔

ایک روشن حقیقت:

لیکن بہرحال! اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ تحریر و خطابت کی قدیم صورتیں ہوں یا جدید ترقی یافتہ شکلیں، دونوں ہی اپنے اپنے دور میں ''دو دھاری تلوار'' ثابت ہوئیں۔ انسانوں نے ان کا صحیح اور مثبت کاموں میں بھی استعمال کیا اور غلط اور منفی کاموں میں بھی۔ نیکی کی طاقتوں نے سچائی اور نیکی کے پرچار کے لیے ان کو کارآمد بنایا جبکہ بدی کی قوتوں نے انہیں جھوٹ اور بدی کی اشاعت و ترویج کا وسیلہ۔ اس کے باوجود ایسا کبھی نہیں ہوا کہ غلط استعمال کی وجہ سے ان کی راہیں مکمل طور پر مسدود کر دی گئیں ہوں۔ درحقیقت یہ بھی نیکی اور بدی کی قوتوں کی باہمی جنگ ہے جو اس میں آگے بڑھ جائے جیت اس کی ہوگی۔

ذہنوں کو فتح کرنے کا حربہ:

گزشتہ دور اونٹوں اور گھوڑوں کا تھا موجودہ دور ہوائی جہاز اور ٹینک توپوں کا ہے۔ پچھلے ادوار میں تیر و تلوار میں مہارت قوت کا معیار تھا دور حاضر میں ایٹمی طاقت ہونا قوت اور مضبوط دفاع کی علامت ہے۔ ماضی میں تہذیب یافتہ اور تعلیم یافتہ ہونے کا دارومدار جن علوم وفنون پر تھا عصر حاضر میں ان علوم وفنون کی وہ اہمیت نہیں رہی۔ آج کے دور میں سائنس، ٹیکنالوجی اور فنون جدیدہ کے حصول کو علم و تہذیب کی کسوٹی اور معیار قرار دے دیا گیا ہے۔

یہ سب وہ باتیں ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ یہی صورت حال جدید ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی ہے۔ عصر حاضر میں ترقی یافتہ اقوام کی دوڑ میں داخل ہونے اور علم و تہذیب کا شہ سوار بننے کے لیے میڈیا اور پیغام رسانی کے جدید ذرائع کو بروئے کار لانا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ جدید تعلیم اور سائنس و ٹیکنالوجی حاصل کر کے ہم کچھ بھی بن جائیں لیکن ہمارے خیالات و نظریات، ہماری فکر اور پیغام دوسری قوموں میں تب ہی سرایت کریں گے جب رفتار ذرائع ابلاغ کو استعمال کر کے ہم اقوام عالم کے عوام و خواص اور گھر گھر تک انہیں پہنچانے کے اقدامات کریں گے۔

مغربی تہذیب کے افکار کی مثال سب کے سامنے ہے کہ وہ کس تیزی سے دنیا کے ذہنوں میں جگہ بنا کر انہیں متاثر کر رہے ہیں۔ جو جس قدر میڈیا کو طریقے سے استعمال کر رہا ہے وہ اس قدر لوگوں کے دل و دماغ کو اپنے خیالات و افکار کے تابع بنا رہا ہے۔ الغرض جدید میڈیا ایک جنگ (war) ہے جس کے ذریعے آپ لوگوں کے ذہنوں کو فتح کر سکتے ہیں۔

دو سوالات:

یہاں پہنچ کر میں اہل علم و دانش کے سامنے دو سوالات اٹھانا چاہتا ہوں:

1- آزادی یا غلامی؟

الحمدللہ! ہم مسلمان ہیں۔ مسلمان دنیا میں اپنے مقصد تخلیق سے واقف ہوتا ہے۔ اپنے مقصد تخلیق کے ناطے ہم مسلمان اپنے روزگار و معاش کی فکر کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں اشاعت اسلام کا وژن بھی رکھتے ہیں۔ میڈیا کے طبقے سے تعلق رکھنے والے مسلم صحافیوں اور ٹی وی چینل مالکان سے میرا سوال ہے کہ قوم کو بتایا جائے کہ وہ جو انداز ابلاغ اور نکتہ صحافت اختیار کیے ہوئے ہیں وہ اسلام کے وژن کو پورا کر رہا ہے یا مغربی اقوام کے منشاء اور مقصد کو؟ اگر ہمارے اور مغربی میڈیا کے انداز ابلاغ (فحاشی کا فروغ) میں یکسانیت ہے تو یہ آزادی کہاں؟ یہ تو سراسر دوسروں کے وژن کی غلامی ہے!!! اللہ کی غلام سے نکل کر باطل کی غلامی!!! سچائی کا ساتھ چھوڑ کر جھوٹ کے ساتھ یاری!!!

2- کہیں ہم مجرم تو نہیں؟

میرا دوسرا سوال علماء کرام کے طبقے سے ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم چاہتے یہ ہیں کہ دنیا کی تمام قوموں میں، بستی بستی، گلی گلی اور گھر گھر میں اسلام کا نور پھیلے جبکہ جانتے بھی ہیں کہ ہمارا حریف اپنا منفی پیغام اور اپنے مکروہ افکار و خیالات کو گھر گھر پہنچانے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گیا ہے بلکہ خود ہمارے گھر بہت برے طریقے سے ان کی یلغار کی لپیٹ میں آچکے ہیں کیا پھر بھی ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے؟ ہم ان کو منہ توڑ جواب انہیں کی سطح پر کیوں نہیں

دیتے؟ ہم اپنے پیغام کو جدید ذرائع کی مدد سے اپنے حریف کسے بھی آگے بڑھ کر گھر گھر کیوں نہیں پہنچا رہے؟ کہیں کل ہم سے یہ سوال تو نہیں ہوگا کہ تم نے دنیا کو اسلام کے بارے میں درست معلومات کیوں نہیں پہنچائیں؟ کہیں ہم بارگاہ الٰہی میں مجرم تو ٹھہریں گے؟ کیا ہم اپنے دشمنوں کو یوں ہی بے مہار چھوڑ دیں کہ وہ جس طرح چاہیں دنیا کو بے وقوف بناتے رہیں۔ کیا ہم دنیا کے لوگوں کو بلا روک ٹوک باطل کے نرغے میں پھنسنے دیں؟

یاد رہنا چاہیے کہ تلوار کو تلوار ہی کاٹتی ہے اور لوہا ہی لوہے کو کاٹتا ہے۔

افسوس کی بات:

دنیا میں ہمیشہ وہ قومیں اپنا سر فخر سے بلند رکھتی ہیں جو ایک مقصد، وژن (Vision) اور فریم ورک کے تحت کام کرتی ہیں۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمانوں کی اکثریت کو اپنا مقصد تخلیق ہی نہیں معلوم جس میں میرا خیال ہے کہ ہمارا میڈیا بھی شامل ہے۔ جس کا مقصد صرف اور صرف پیسہ اور کاروباری مسابقت ہے جس کے لیے ہم "سب کچھ" کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ ہم آزادی کے نعرے لگاتے ہیں لیکن حقیقت میں غلامی کی زنجیروں میں بڑی طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ شاہ عرب حضرت محمد ﷺ کے امتی ہونے کے ناطے دوسری قومیں ہماری اسیر اور غلام ہوتیں!

فرض کر لیتے ہیں کہ آپ کے پاس مال و دولت کا انبار لگ گیا۔ آپ دنیا کے سب سے دولتمند شخص ہو گئے۔ اس کے بعد کیا؟ کیا یہ ہی ایک مقصد تھا آپ کی زندگی کا؟ کیا یہی آپ کا مقصد تخلیق ہے؟ اتنی ساری دولت آپ کے کیا

کام آئے گی؟ اس دولت سے کب تک آپ فائدہ اٹھالیں گے؟ کسی کے پاس ان سوالوں کے بامعنی جواب نہیں؛ کیونکہ یہ ساری دوڑ دھوپ آپ اپنے حقیقی مشن سے ہٹ کر کر رہے ہیں۔

گذارشات:

اس لیے میڈیا سے ہماری چند گزارشات ہیں۔ امید ہے کہ صحافتی حلقے ان کو میڈیا کے ارباب حل وعقد تک پہنچانے میں ہماری مدد کریں گے، کیوں کہ یہ صرف ہماری ہی نہیں پوری مسلم امہ کی آواز ہے۔

1-اپنا مقصد تخلیق پہچانیں!

اپنے مقصد تخلیق کو پہچانیں۔ ریسرچ کریں۔ مطالعہ کریں، اپنے ضمیر کو ٹٹولیں اور یہ جواب حاصل کریں کہ اس دنیا میں انسانوں کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟

2-اپنا وژن بنائیں!

جب آپ اپنا مقصد تخلیق دریافت کرلیں تو پھر اسی کے مطابق دور حاضر کے تمام پہلوؤں اور زمینی حقائق کو دیکھتے ہوئے اپنا وژن اور فریم ورک سیٹ کریں۔ یقیناً آپ کا وژن اسلام اور سچائی کی ترویج ہوگا۔

3-فحاشی پر مبنی چیزیں پیش نہ کریں!

اپنے طرز صحافت سے فحاشی، عریانی پر مبنی چیزیں نکال دیجیے! فحاشی اور عریانیت مسلم معاشرے بلکہ پوری دنیا کے لیے تباہ کن اور تکلیف دہ ہے۔

اسے آپ ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ دو قیدی ہوں۔ دونوں بھوکے ہوں۔ ایک کے لاک اپ سامنے بہترین کھانے اور مٹھائیاں رکھی ہوئی ہوں لیکن لاک اپ میں بند ہونے کی وجہ سے اس کے ہاتھ وہاں نہیں پہنچ پا رہے۔ جبکہ دوسرے قیدی کے لاک اپ کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ بتایئے کہ دونوں قیدیوں میں سے کون زیادہ تکلیف میں ہو گا؟ یقیناوہ جس کے لاک اپ کے سامنے طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں سجائی ہوئی ہیں لیکن وہ ان کے حصول سے قاصر ہے وہ بے حد کرب واذیت کی حالت میں ہو گا۔

قابل قدر دوست جناب عرفان راز صاحب نے ایک شعر کہا ہے جو اس موقع کے لیے موزوں معلوم ہو رہا ہے۔

تیرا جلوہ اگر ظاہر نہ ہوتا
تو دل میرا کبھی کافر نہ ہوتا

4-اسلام کا دفاع کریں!

اپنی تمام تر صلاحیتوں کا رخ اسلامی اخلاق واقدار اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کی طرف موڑ دیں۔ مغرب اور بدی کی قوتیں جس طرح ملفوف اور ڈھکے چھپے پیرایوں میں اسلام کا مذاق اڑا رہی ہیں اور اسلام کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ کر رہی ہیں میڈیا وار میں ان کا انہیں کے پیرایے میں دندان شکن جواب آپ کے ذمہ قرض ہے۔

5-مستند اسلامی اسکالرز کو دعوت دیں!

صاف نظر آتا ہے کہ اسلامی امور پر بحث و مباحثہ کے لیے ایسے اسکالرز کو پروگرام میں دعوت دی جاتی ہے جو خود متنازعہ ہیں اور اجماع امت سے مختلف سوچ رکھتے ہیں، مثلاً: غامدی، زید حامد وغیرہ۔ اس سے فرقہ واریت میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے اور نئے فرقے وجود میں آسکتے ہیں۔ اس لیے میڈیا کو چاہیے کہ وہ اجتماعی حیثیت رکھنے والے علمائے کرام کو دعوت فکر دیں۔ ساتھ ساتھ اس کا بھی پورا خیال رکھا جائے کہ دونوں طرف مساوی علمیت رکھنے والے اسکالرز ہوں۔ توازن اور مساوات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

6-غیر جانبداری کا مظاہرہ کریں!

میڈیا اگر چاہتا ہے کہ وہ فرقہ واریت پھیلانے میں حصہ دار نہ بنے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ وہ ہر سال مسلکی ایام میں کسی بھی فرقہ کی جانبداری نہ کرے۔ بلکہ فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے عوام میں بیداری اور شعور پیدا کرے۔

7-اسلامی تحریکوں کو نظر انداز نہ کریں!

میڈیا کا یہ رویہ نہایت افسوس ناک بھی ہے اور حیران کن بھی کہ وہ ایک کتے اور بلی کی موت کو تو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ اسے خوب کوریج دیتا ہے لیکن جب بات آتی ہے دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی، سامراج اور اہل مغرب کی طرف سے کی جانے والی ناانصافیوں اور مظالم کی تو گویا لبوں پر تالے

پڑ جاتے ہیں۔ اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کے حق میں دو بول بھی کوئی بولنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

ایک اسکول پر یا انگریزی دان ملالہ پر حملہ ہوتا ہے تو پوری دنیا میں گویا کہرام مچ جاتا ہے اور اسے تعلیم پر حملہ گردانا جاتا ہے لیکن آئے روز مساجد، مدارس اور علماء وطلبہ پر حملے ہوتے ہیں، معصوم بچوں کو تلاوت قرآن کے دوران شہید کر دیا جاتا ہے اسے تعلیم پر حملہ قرار نہیں دیا جاتا۔ ان کے حق میں کوئی لب کشائی نہیں کرتا۔ کیوں؟ شاید اسلام اور دین کی بات کرنے والے انسان نہیں، بلکہ کوئی ایسی مخلوق ہیں جن کی موت پر اظہار افسوس کی کوئی ضرورت نہیں!!!

8-سورۃ الحجرات کو اپنا آئین بنائیں!

اسلامی میڈیا کن قواعد وضوابط کی روشنی میں اپنا کردار اور فریم ورک تشکیل دے اس کے لیے میری اپنے تمام صحافی بھائیوں اور ٹی وی چینل مالکان سے درمندانہ اپیل ہے کہ وہ قرآن کریم پارہ نمبر 26 کی سورۃ الحجرات کا بغور مطالعہ کریں! ایک بار نہیں بار بار اس کے مندرجات کا جائزہ لیں اور اس سے ماخوذ اصولوں سے اپنا وژن اور فریم ورک ترتیب دیں۔

آسانی کی خاطر چند اہم اصول مختصراً پیش خدمت ہیں:

1-اپنے اندر خوف خدا پیدا کریں۔ یہی تمام نیکیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔

2-فرق مراتب کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔ حق گوئی ضروری ہے لیکن خوامخواہ میں حکام وقت اور علمائے امت کی توہین نہیں کرنی چاہیے!

3- بلا تحقیق خبر یا رپورٹ کو نشر نہ کیا جائے ورنہ عظیم خرابیاں اور فتنے جنم لے سکتے ہیں۔

4- مسلمانوں کے تنازعات کو بھڑکانے کی بجائے انہیں ختم کرنے کی کوشش کی جائے۔ قتل و قتال کے بجائے مصالحت اور مذاکرات کو ترجیح دی جائے۔

5- بلیک میلنگ، نام بگاڑنا، غیبت، تجسس، بدگمانی، خوامخواہ کے مفروضے قائم کرنا، قومیت اور عصبیت کے نعرے بلند کرنا ان سب عناصر سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

خدا کرے یہ باتیں صحافیوں اور میڈیا والوں کے لیے مفید ثابت ہوں۔

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

گروہ بندی کے نقصانات

"لڑاؤ اور حکومت کرو!" یہ ایک پرانی کہاوت ہے۔ جنگی امور کے ماہرین اسے ایک کاری ہتھیار گردانتے ہیں۔ اور واقعی! یہ ہے بھی ایک مہلک ہتھیار!!! عموماً جنگ کے دوران اگر آپ مخالف فوجوں کے اندر بغاوت اور پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہ آپ کے لیے ایک بہت بڑی کامیابی شمار ہوتی ہے۔ اس سے آپ کے لیے فتح و کامرانی کی راہیں استوار ہو جاتی ہیں۔

لڑائی اور گروہ بندی چاہے کسی بھی سطح کی ہو کبھی مفید نہیں ہو سکتی۔ جس طرح ایک فوج میں دھڑے بندی اس فوج کے لیے نقصان دہ ہے اسی طرح میاں بیوی کے رشتے میں، خاندانی تعلقات میں اور کسی قوم قبیلے اور برادری میں انتشار بھی کمزوری اور نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بڑی بڑی اقوام اور ادارے باہمی نزاعات اور گروپ بندی سے ٹوٹ پھوٹ اور زوال کا شکار ہوئے۔

باہمی گروہ بندی سے جہاں آپ کی اجتماعی قوت، انحطاط اور کمزوری کا شکار ہوتی ہے وہاں دشمن قوتوں اور آپ کے بدخواہوں کے لیے یہ خوشی اور فرحت و سرور کا سامان ہوتی ہے۔ یقیناً آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ آپ کے دشمن آپ پر ہنسیں اور آپ کی کمزوری اور بدحالی پر خوشیوں کے شادیانے بجائیں!!!

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ چند ایک لوگوں کی رنجشیں عوام کے دو بڑے طبقات کی پریشانی اور تکلیف و اذیت کا سبب بن جاتی ہیں۔ اجتماعیت کے

فقدان کی وجہ سے بعض اوقات ایسی صورت حال بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ گروہ در گروہ اور جماعت در جماعت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ فرقہ بندی کا بدترین دور ہوتا ہے۔ ایسے ہی وقت میں بدامنی، لوٹ کھسوٹ، لاقانونیت، قتل و غارت گری اور کئی دوسری معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں اور یوں معاشرہ جہنم نظیر بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں زمانہ جاہلیت کی منظر کشی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔" (آل عمران: ۱۰۳، پارہ ۴)

اتفاق و اتحاد کے فوائد:

اس کے برعکس اتحاد و اتفاق ایک نعمت ہے۔ اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں اسے "نعمت اللہ" اللہ کی خصوصی نعمت قرار دیا ہے۔ اتحاد آپ کی شان و شوکت اور عزت و وقار میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ آپ کی قوت و بالادستی کا باعث ہے۔ آپس میں اتحاد و اتفاق کی وجہ سے ہمدردی، اخوت اور محبت پیدا ہوتی ہے اور ہمت و حوصلہ بھی بڑھتا ہے۔

کامیابیاں انہیں لوگوں کے قدم چومتی ہیں جو مل جل کر اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ جنگوں اور مشکل حالات میں اتحاد و اتفاق آپ کے لیے ایک مضبوط سہارا اور طاقتور ہتھیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دشمن عناصر بھی متحدہ قوتوں پر حملہ کرتے ہوئے کتراتے ہیں۔ بالخصوص مسلمانوں کے لیے تو اتحاد ایک لازمی عنصر ہے۔ کیونکہ مسلم امہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ضابطہ ہی یہ مقرر کر دیا ہے کہ غیبی مدد و نصرت اسی وقت آئے گی جب اتحاد و اتفاق اور مرکزیت کے رشتے قائم رہیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (انفال: ۴۶ پارہ ۱۰)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"اور اللہ نے یقیناً اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم دشمنوں کو اسی کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دکھائی تو تم نے اپنے امیر کا کہنا نہ مانا... تو پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے تمہارا رخ پھیر دیا۔" (آل عمران: ۱۵۲ پارہ ۴)

بقول اقبال مرحوم کے ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیریں
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

دو واقعات:

اس موقع پر میں دوستوں کے سامنے دو واقعات پیش کرنے جا رہا ہوں جو ہیں تو بچکانہ سے! لیکن ان میں عقل مندوں کے لیے بڑا سامان عبرت موجود ہے۔

1۔ ایک باپ کے چار بیٹے تھے۔ چاروں ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ باپ ایک بار کافی بیمار ہوا۔ اس نے سوچا میری بیماری کے موقع پر یہ سب میری خدمت کر رہے ہیں سب کا میرے پاس آنا جانا رہتا ہے۔ کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے؟ باپ نے ایک ترکیب سوچی، جب چاروں بیٹے آگئے تو باپ نے ان سب کو جنگل سے دو دو لکڑیاں لانے کا کہا۔ چاروں بیٹے جنگل گئے اور لکڑیاں جمع کر کے لے آئے۔ باپ نے ہر ایک کو باری باری ایک ایک لکڑی دی اور اسے توڑنے کا کہا۔ سب حیران تھے کہ والد صاحب آج ہم سے یہ کیسا کام کروا رہے ہیں۔ لکڑیاں جمع کر کے لانے کا کہا اور اب انہیں توڑنے کا کہہ رہے ہیں۔ لیکن باپ کے حکم کی تعمیل میں سب باری باری ایک ایک لکڑی توڑ دیتے ہیں۔ پھر باپ نے بقیہ چار لکڑیوں کا گٹھرا بنا کر اسے توڑنے کا کہا۔ باری باری سب نے گٹھرا توڑنے کی کوشش کی لیکن کسی سے نہ ٹوٹا۔ باپ نے پھر سب کو سمجھایا کہ "دیکھو تم ایک باپ کی اولاد ہو۔ تمہیں آپس میں لڑتا دیکھ کر میرا دل بہت اداس ہوتا ہے۔ تم اسی طرح الگ الگ رہے تو کوئی بھی تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور تمہیں ختم کر سکتا ہے۔ لیکن مل جل کر رہے تو ان جمع شدہ لکڑیوں کی طرح دنیا کی کوئی طاقت تمہیں ختم نہیں کر سکتی"۔

2۔ایک جنگل میں تین گائے مل جل کر ہنسی خوشی زندگی گزار رہی تھیں۔ ایک گائے سفید تھی، ایک پیلی تھی اور ایک کالی۔ جنگل کا بادشاہ شیر، ان کے اتحاد کو ختم کرنے کی ترکیبیں سوچا کرتا تھا تاکہ ان پر حملہ کر کے اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکے۔ ایک دن ایک ترکیب اس کے دماغ میں سوجھی۔ وہ پہلے سفید اور پیلی گائے کے پاس گیا اور بھڑکایا کہ تم دونوں کتنی خوبصورت ہو، کالی گائے تمہارے جوڑ کی نہیں ہے۔ وہ تمہارے لیے داغ ہے۔ تم اسے اپنے اتحاد سے الگ کر دو تو کیا خوب بات ہو! دونوں گائے اس کی باتوں میں آگئیں اور کالی گائے کو اپنے سے الگ کر دیا۔ جب شیر نے کالی گائے کو علیحدہ دیکھا تو موقع پا کر اس پر حملہ کر دیا اور بآسانی اسے ہضم کر لیا۔ کچھ دنوں بعد شیر سفید گائے کے پاس گیا اور اسے بہکایا کہ تم گوری ہو، بہت خوبصورت ہو، پیلی گائے تمہارے جوڑ کی نہیں، اسے اپنے سے علیحدہ کرنا مناسب رہے گا! سفید گائے اس کے بہکاوے میں آگئی اور پیلی گائے کو اپنے سے علیحدہ کر دیا۔ چنانچہ شیر نے موقع پا کر اسے بھی ہڑپ کر لیا۔ اب تنہا سفید گائے بچی تو شیر نے اسے کہا: اب تمہارا کوئی نہیں رہا چلو میں ہی تمہارے پاس آجاتا ہوں اور اسی طرح اسے بھی ختم کر دیا۔ اس طرح دشمن کی سازش اور اپنی نادانی و حماقت سے وہ اپنا وجود ختم کر بیٹھیں۔

تین تاریخی تجربے:

اتحاد کی برکت اور گروپ بندی کی نحوست کا اندازہ تاریخ کے اوراق میں موجود ان تین عظیم واقعات و تجربات سے بھی لگایا جاسکتا ہے:

1۔ عرب جاہلیت اور اسلام:

طلوع اسلام سے پہلے عرب مختلف قبیلوں اور نسلی عصبیتوں میں تقسیم تھے۔ عرب جنگجو اور بہادر تھے لیکن ان کی کوئی حکومت اور بڑی پہچان نہ تھی۔ شاہ عرب، نبی اسلام ﷺ نے ان تمام عرب جتھوں کو ایک منظم اور متحد قوم کی لڑی میں پرو دیا۔ آپ ﷺ نے نسلی اور قبائلی عصبیتوں کو ختم کر کے ایک نظریے پر ان سب کو جمع کر دیا۔ جس کا نتیجہ دنیا کے سامنے ہے کہ کچھ ہی عرصے میں عربوں کے اسلامی انقلاب نے پوری دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ روم و فارس کے محلات مسلمانوں کے زیر نگین آ گئے۔ وقت کی دو سپر طاقتوں کا غرور خاک میں مل گیا اور اسلامی طاقت، دنیا کی سپر طاقت بن گئی۔

2۔ منگولوں کی فتوحات کا راز:

چنگیز خان جس کے نام سے دنیا کانپتی ہے۔ یہ ایک منگول قبیلے کا فرد تھا۔ منگول اس وقت مختلف قبیلوں اور نسلی امتیازات میں تقسیم تھے لیکن ہر قبیلہ جنگجو اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپس کی جنگوں اور قبائلی تنازعات میں گھرے رہنے والے منگولوں کو اپنی طاقت کا اندازہ ہی نہ تھا۔ وہ صحراؤں میں رہنے والے مخصوص خطے میں صدیوں سے آباد قوم تھی۔ چنگیز خان اس قوم کا راہ نما ثابت ہوا۔ اس نے منتشر قبائلی طاقتوں کو منظم کیا۔ ہوا اس کے موافق تھی۔ اس کی قسمت کا ستارہ بلند تھا۔ اس نے دنیا فتح کرنے کی ٹھانی اور اپنے قومی اتحاد کے بل بوتے پر دنیا میں اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیے۔

3-یہودی طاقت کا سرچشمہ:

قوم یہود ہزاروں سال سے افراتفری کا شکار رہی ہے۔ یہود کے بارہ قبائل تھے لیکن چند ایک کے علاوہ تمام قبائل اپنی پہچان اور شناخت ختم کر چکے ہیں۔ مختلف زمانوں میں ان کی بداعمالیوں اور سنگین جرائم کی پاداش میں بہت برے طریقے سے انہیں تہس نہس اور منتشر کیا گیا۔ صدیوں سے ان کی ایک مملکت بھی قائم نہ ہو سکی تھی۔ ان سب باتوں کے باوجود یہود کبھی متحد نہ ہوئے۔ کاروباری مصروفیات اور مال کی حرص میں وہ اس حد تک آگے چلے گئے کہ اپنا مذہب، اپنا خاندان، اپنا امتیاز غرض ہر چیز سے وہ خواب غفلت میں رہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں ان کو کچھ ہوش آیا۔ انہوں نے اپنی منتشر طاقت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ ان کے بلند دماغوں نے ایسی پالیسیاں وضع کیں کہ آج غاصبانہ طریقے سے ہی سہی، ان کی ایک مملکت قائم ہوئی۔ ان کی منتشر طاقتیں بتدریج جمع ہوئیں۔ پورے دنیا کے یہودیوں کو اسرائیل میں آباد کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی اور دنیا کی طاقتیں یہودیوں کے اثر ورسوخ اور ان کی دولت کی طاقت سے سراسیما نظر آئیں۔

وہ تو اللہ تعالی جزائے خیر دے فلسطینی مجاہدین کو کہ انہوں نے امت مسلمہ کی طرف سے جہاد کا فرض کفایہ ادا کیا اور آج طوفان الاقصی کے بعد اسرائیل کے زوال کے آثار نمایاں نظر آرہے ہیں۔

واقعی! اتحاد ایک عظیم طاقت ہے۔ جبکہ تفرقہ بازی ایک زبردست نقصان ہے۔ یہ ایک دیمک ہے جو قوموں کو کھوکھلا اور برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ بکریاں جب تک ایک ساتھ چلتی

ہیں تو کوئی بھیڑیا ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کمزور جانور جب مل کر شیر اور ہاتھی پر حملہ کرتے ہیں تو شیر اور ہاتھی جیسے طاقتور جانوروں کو بھی ہار ماننا پڑتی ہے۔ پھل پھول جب تک شجر سے پیوستہ رہتے ہیں خوب پھلتے پھولتے ہیں، سرسبز و شاداب رہتے ہیں لیکن جب وہ درخت سے جدا ہو جاتے ہیں تو گل سڑ جاتے ہیں اور موسم بہار سے لطف اندوز ہونا ان کے لیے ممکن نہیں رہتا۔ پانی جب تک سمندر میں ہوتا ہے اس کی ایک طاقت ہوتی ہے۔ اس کی طوفانی موجوں سے ہر کوئی ڈرتا ہے لیکن اگر اسی موج کو سمندر سے کاٹ کر الگ ذخیرہ کر دیا جائے تو اس کی کوئی حیثیت اور تاثیر نہیں رہتی۔ اسی طریقے سے مسلمان جب تک ایک مذہب اور ایک نظریے کے تحت اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ نہیں کریں گے، نسلی تعصب، لسانیت اور پارٹی بندی سے علیحدہ ہو کر باہم جذب نہیں ہوں گے تنزلی، پستی اور انحطاط و زوال ہمارا مقدر رہے گی۔

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، ہم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
فرد قائم، ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

فرقہ واریت

فرقہ کی تعریف(Defination)

فرقہ کی الگ سے کوئی تعریف کہیں نظر میں تو نہیں آئی لیکن قرآن کریم کے فرامین میں غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ محض کوئی اختلاف، فرقہ بندی نہیں۔ بلکہ صراط مستقیم اور راہ حق سے الگ سوچ اور نظریہ اپنا لینا فرقہ بندی ہے۔

چنانچہ سورۃ الانعام آیت ۱۵۳ میں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ) یہ (صراط مستقیم) میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا اس کے پیچھے چلو اور دوسرے دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے علیحدہ کر دیں گے۔

ذرا غور فرمائیں! سَبِيلِهِ اللہ کے راستے کو اور صِرَاطِي رسول اللہ ﷺ کے راستے کو صراطِ مستقیم قرار دیا گیا ہے اور اس راستے سے ہٹ کر دوسری راہوں کو تفرق اور علیحدگی کا راستہ کہا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر راہ اور ہر نظریہ درست نہیں ہے۔ صرف وہ راستہ اور نظریہ درست اور صراط مستقیم ہے جو اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کا بتایا ہوا ہے۔ اس سے جدا سوچ و نظریہ اپنا لینا صراط مستقیم سے الگ ہونا اور افتراق و انتشار کا راستہ اختیار کرنا ہے۔

سورۃ الانعام آیت ۱۵۹ اور سورۃ الروم آیت ۳۲ میں لفظ فرقوا دینھم بتاتا ہے کہ طے کردہ اُصول دین سے انحراف کر کے علیحدہ نظریات اپنالینا یہ وہ چیز ہے جو فرقہ بندی، فتنہ اور افتراق وانتشار کا ذریعہ ہے۔

دو انتہائی حدیں:

عموماً! لوگ فرقہ بندی کا مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی اور افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ کچھ لوگ ہر طرح کے اختلافات کو فرقہ بندی کا نام دیتے نظر آتے ہیں تو کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو فرقہ پرستی اور فرقہ وارانہ سوچ میں حد سے زیادہ تعصب کا رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اگر ایک طرف ایسے لوگ ہیں جو ہر طرح کے اختلاف کو برداشت کرنے کا مشورہ دیتے ہیں تو دوسری طرف ایسے بھی لوگ ہیں جو اپنے موقف سے ذرہ برابر اختلاف گوارہ کرنے پر آمادہ نہیں۔ یوں مسلم معاشرہ دو انتہائی حدوں میں تقسیم نظر آتا ہے۔

راہ اعتدال:

حالانکہ ہر اختلاف ایسا بھی نہیں جسے ٹھنڈے پیٹوں ہضم کر لیا جائے اور نہ ہی ہر اختلاف ایسا ہے جو قابل برداشت نہ ہو، بلکہ بعض اختلافات ایسے ہیں کہ انہیں برداشت کرنا ضروری ہے، انہیں برداشت نہ کرنا غلط ہے جبکہ بعض اختلاف رائے وہ ہیں جو قطعاً برداشت کرنے کے قابل نہیں، انہیں برداشت کرنا غلط ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ جہاں اختلاف رائے رکھنے کی خود مذہب نے گنجائش دی ہے وہاں اختلاف رائے برداشت کرتے اور جہاں اختلاف رائے کی بالکل

گنجائش نہیں دی وہاں برداشت، رواداری اور حوصلہ مندی کی تلقین کرتے تھکتے نہیں۔

اختلاف کی قسمیں:

دراصل اختلاف رائے کی دو مختلف نوعتیں ہیں۔ ایک وہ اختلاف ہے جو عقیدے اور نظریے کا ہے۔ اسلام ایسے اختلاف رائے کا بالکل حق نہیں دیتا۔ اختلاف کی دوسری نوعیت فروعی اور عملی مسائل میں اختلاف رائے کی ہے۔ اسلام اس میں اختلاف کا حق دیتا ہے۔ نظریے اور عقیدے میں اختلاف رائے کا حق نہ ہونے کی کئی واضح مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

مثلاً: مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور طلیحہ اسدی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو ان کے اس اختلاف کو قطعاً برداشت نہیں کیا گیا، بلکہ ان فتنوں کی بیخ کنی کے لیے حضور اقدس ﷺ نے بذات خود لشکر روانہ فرمائے؛ کیونکہ یہ اختلاف ختم نبوت کے متفقہ اور مسلمہ عقیدے کے خلاف تھا۔

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کچھ نو مسلم قبائل نے زکوۃ کا انکار کیا تو ان کے اس اختلاف رائے کو قطعاً برداشت نہیں کیا گیا اور لشکر کشی اور تلوار کے زور پر انہیں اسلام کے اس متفقہ اور مسلمہ فریضے کی ادائیگی پر مجبور کیا گیا۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور بعد میں صحابہ کے دور میں ”انکار تقدیر“ کے فتنے نے سر اُٹھایا تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیک آواز اس کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں جب کچھ لوگوں نے یہ عقیدہ گھڑا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اندر اللہ جل جلالہ نے حلول کیا ہوا ہے تو خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایسے لوگوں کو زندہ آگ میں جلا کر اس فتنے کی سرکوبی کی۔ کیونکہ یہ اختلاف، عقیدے اور نظریے کا اختلاف تھا اور عقیدے کے اندر اختلاف اسلام میں قطعاً روا نہیں۔

اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں صحابہ کرام میں دسیوں قسم کے فروعی اختلافات موجود تھے:

ہم دیکھتے ہیں کہ رفع یدین کے مسئلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آپس میں اختلاف رہا۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آمین زور سے پڑھنی چاہیے یا آہستہ؟ یہ مسئلہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے اختلافی چلا آرہا ہے۔ اختلاف مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں؟ مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے؟ گدھے کا جھوٹا پاک ہے یا نجس؟ نیند سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ امام کے پیچھے قرأت کرنی چاہیے یا نہیں؟ یہ اور اس قسم کے ہزاروں مسائل ہیں جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اختلاف رائے رہا ہے۔

یہ اختلافات تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہیں۔ خود انبیائے کرام علیہم السلام کے درمیان اور بعض اوقات نبی اور صحابی میں بھی فروعی اختلافات کی مثالیں ہمیں ملتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا آپس میں اختلافِ رائے ہوا۔ نبی کریم ﷺ کے اجتہاد اور سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اجتہاد میں اختلاف ہوا... جیسے جنگِ بدر کے قیدیوں اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے نمازِ جنازہ پڑھانے

کا اختلاف۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا قضا کے ایک معاملے میں اختلافِ رائے ہوا۔

ذرا ترمذی شریف اور طحاوی شریف اُٹھا کر دیکھیے کس قدر فروعی اختلافات آپ کو نظر آئیں گے... لیکن مجال ہے کہ ان فروعی اختلافات کے باوجود کبھی کسی صحابی نے دوسرے صحابی پر سب و شتم کیا ہو یا گمراہ کہا ہو بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے کا احترام ہی کیا۔

مگر جب بھی کسی نے عقیدہ میں اختلاف کیا۔ مسلمات اور نظریات میں رائے زنی کی تو تمام صحابہ اس کے خلاف متحد ہوگئے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جانتے تھے کہ فروعی مسائل، اجتہادی مسائل ہیں، یہ وہ مسائل ہیں جن میں کوئی واضح موقف قرآن و سنت میں موجود نہیں ہے۔ ایسے اجتہادی مسائل میں یقینی طور پر نہ کسی کی تصویب ممکن ہے نہ ہی یقینی طور پر کسی ایک کی تغلیط ممکن ہے۔ ثواب دونوں کو ملتا ہے۔ گمراہ دونوں نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فروعی مسائل میں حد سے زیادہ تعصب کو غلو فی الدین، تشدد اور غیر شرعی امر خیال کرتے تھے جبکہ عقائد و نظریات اور دین کے متفقہ اور مسلمہ امور میں وہ اختلاف رائے کو برداشت نہیں کرتے تھے اور جو کوئی ایسا کرتا اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کرتے، اس کے باوجود اگر وہ اپنے نظریے سے توبہ تائب نہ ہوتا تو اختیارات کے دائرے میں رہتے ہوئے باقاعدہ اس سے برسرِپیکار ہو جاتے۔

صحابہ مشعل راہ ہیں:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طرز عمل ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ عمل ان لوگوں کے خیال کی نفی کرتا ہے جو ہر قسم کے اختلاف کو برداشت کرنے کا درس دیتے ہیں اور یہ ان لوگوں کی بھی بالکل حمایت نہیں کرتا جو فروعی اختلافات کو ایمان و کفر کا مسئلہ بنائے بیٹھے ہیں اور اپنی تمام تر توانائیاں اسی پر صرف کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ طریقہ ان لوگوں کے لیے بھی تازیانۂ عبرت ہے جو متفقہ و مسلمہ عقائد اور اصول دین میں شکوک و شبہات اور دجل و فریب کی راہ اپنائے ہوئے ہیں یا ایسے نئے نئے عقائد گھڑ رہے ہیں جن کا قرون اولیٰ میں کوئی وجود نہیں تھا۔

راہ حق کی تین نشانیاں

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے عقائد و نظریات ہیں جو اُصول دین راہ حق اور صراط مستقیم کہلائے جا سکتے ہیں؟ جن کی مخالفت جائز نہیں ہو گی۔ اس کا جواب تین احادیث سے واضح ہو جاتا ہے:

1۔ ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملة، و تفترق امتی علی ثلث و سبعین ملة کلهم فی النار، الاملة واحدة، قالوا: من هی یا رسول الله؟ قال: ما انا علیه واصحابی. وفی روایة: وهی الجماعة (مشکوة، باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ص۳۰، طبعی قدیمی کتب خانه)

ترجمہ: بنی اسرائیل 72 فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے اور میری امت 73 فرقوں میں تقسیم ہوگی سوائے ایک کے باقی سب کے سب فرقے جہنم میں جائیں گے (یعنی ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ سزا بھگتنے کے لیے) صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا: "ماانا علیہ واصحابی" یعنی وہ لوگ جو اس طریقے پر قائم رہیں گے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔" ایک روایت میں اس طرح ہے کہ "وہ برحق جماعت" ہے۔

2۔ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا اس لیے حل یہ ہے کہ تم میرے طریقے کو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ وایاکم و محدثات الامور، فان کل محدثۃ بدعۃ، وکل بدعۃ ضلالۃ اور دیکھو جو باتیں نئی نئی ایجاد کی جائیں گی ان سے بچنا! اس لیے کہ ہر (وہ عقیدہ یا عمل جو دین کے نام پر) نیا ایجاد کیا جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (مشکوٰۃ: ص ۳۰)

3۔ میری اُمت میں سے ہمیشہ ایک جماعت حق پر رہے گی۔ نصرت ان کے شامل حال رہے گی۔ ان کو رسوا کرنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے ان کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہ جماعت قربِ قیامت تک رہے گی۔ (مشکوۃ، باب ثواب ھذہ الامۃ: ص ۵۸۳)

اس روایت کے بعض طرق میں اس جماعت کی دو خصوصی صفات بیان کی گئی ہیں: ایک علمی مہارت اور دوسرا جہاد۔

ان تینوں احادیث سے راہ حق پر چلنے والوں کی کچھ نشانیاں واضح ہوتی ہیں:

1-یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو قرآن کریم کے ساتھ ساتھ سنت نبوی اور جماعت صحابہ کا دامن تھامے ہوئے ہوتے ہیں۔ نہ وہ ایسے ہوتے ہیں کہ صرف قرآن کو معیار مانتے ہوں۔ نہ ایسے ہوتے ہیں کہ صرف قرآن و سنت کو معیار حق مانتے ہوں بلکہ قرآن، سنت نبوی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان تینوں کو وہ معیار حق و باطل اور دلیل و حجت تسلیم کرتے ہیں۔

2-یہ وہ لوگ ہیں جو بدعت سے دوری اور بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

3-یہ وہ ہوتے ہیں جن کی عموماً باطل مخالفت کرتا ہے۔ جن کو رسوا کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ علم دین میں مہارت اور رسوخ ان کو حاصل ہوتا ہے اور جہاد کے وہ علم بردار ہوتے ہیں۔

شارحین حدیث اور علمائے اُمت کا اتفاق ہے کہ ان احادیث کا مصداق اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔

اہل السنۃ والجماعت کی چار شاخیں ہیں: محدثین، متکلمین، فقہاء اور صوفیہ کرام۔

متکلمین کے دو طبقات ہیں: اشاعرہ اور ماتریدیہ۔

فقہائے کرام کے چار طبقات ہیں: حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ۔

اسی طرح صوفیائے کرام کے بھی چار سلسلے ہیں: چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ۔ یہ سب اہل السنۃ والجماعۃ میں شامل ہیں۔

ان کے جو عقائد و نظریات ہیں وہ ہی صراط مستقیم ہے۔ان کے نظریات سے انحراف گمراہی اور تفرقہ بازی ہے۔

رہا سوال موجودہ دور میں اہل السنۃ و الجماعۃ کہلانے والے فرقوں کے اندر آپس کے اختلافات کا تو ان میں حق کی پیمائش اور پیمانہ وہ تین باتیں ہیں جو اوپر ذکر کی گئیں،اب چاہے موجودہ فرقوں میں سے کسی بھی فرقے کے اندر یا تمام فرقوں کے بہت سے معتدل مسلمانوں کے اندر یہ باتیں پائی جائیں وہ حق پر ہو گا۔

آخری التجا

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ} [المائدة: 8]

ترجمہ: اے ایمان والو! ایسے بن جاؤ کہ اللہ (کے احکام کی پابندی) کے لیے ہر وقت تیار ہو (اور) حق اور انصاف کی گواہی دینے والے ہو، اور کسی قوم سے کسی بھی طرح کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ ناانصافی کرنے لگو۔ عدل و انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقوی سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقینا تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، صلی اللہ عز و جل علی نبینا محمد کلما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون

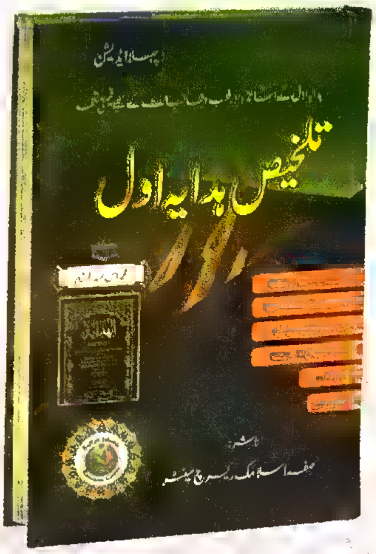

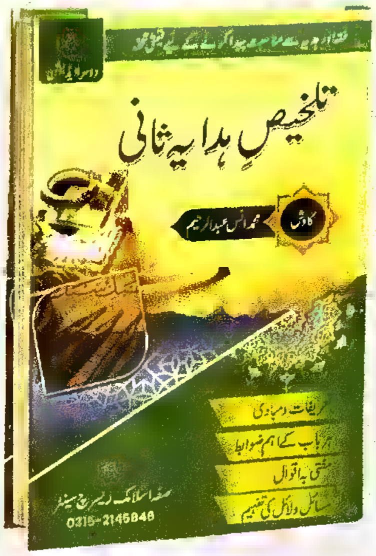

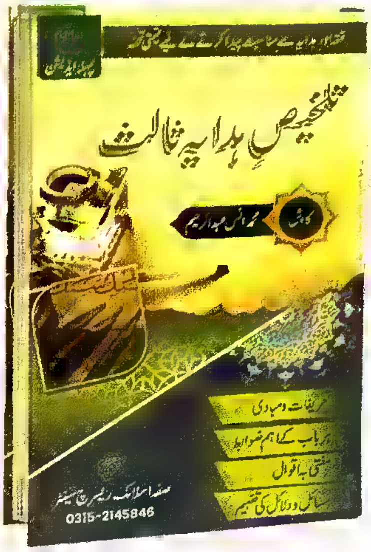

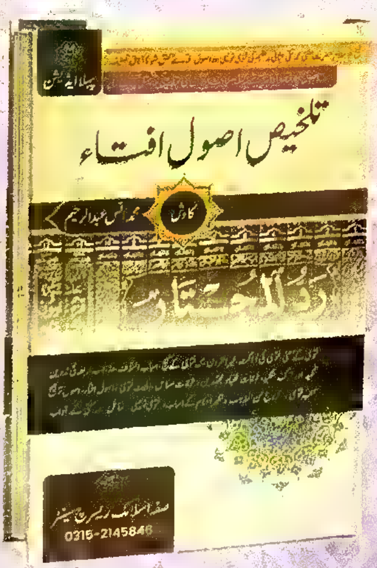

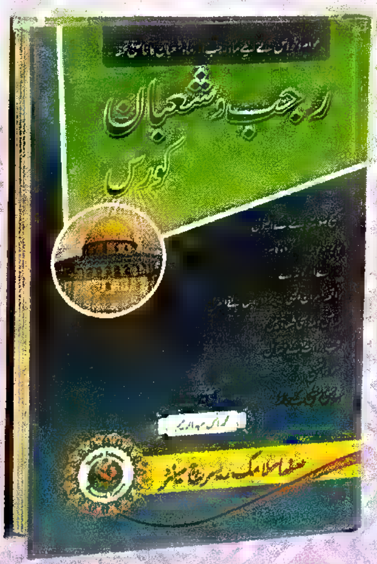

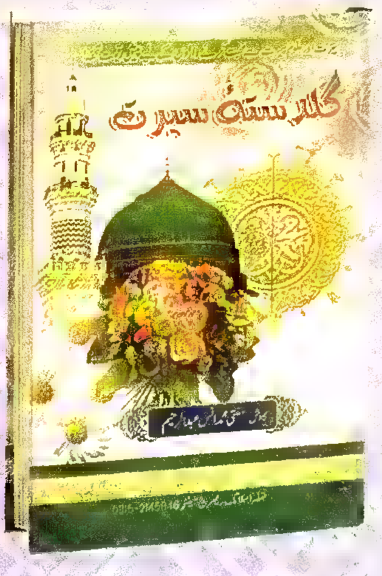

صفہ اسلامک ریسرچ سینٹر
0315-2145846